SALMAN's CHOICE

شہید سیاچن

کیپٹن معظم علی بلوچ

سعید راشد

سکین از سلمان سلیم
0304:8890501

تزین و آرائش راحیل ارشد

کتاب بشکریہ آصف سعید

سلمان
SALMAN SALEEM
PRESENTS

شہید سیاچن

کیپٹن معظم علی بلوچ

سفر حیات کی منزلیں

13 اکتوبر 1972، نو بجے شب، بمقام الکرک (اردن) ولادت سعید

ستمبر 1974 والد کی وطن واپسی، نوشہرہ میں قیام اور رسم بسم اللہ

1976 رسالپور کانونٹ سکول، نوشہرہ "کے جی-ون" میں داخلہ

1978 والد کی ریٹائرمنٹ، جہلم میں قیام اور پریزنٹیشن کانونٹ سکول، جہلم کی "کلاس-ون" میں داخلہ

1982 ایف جی پبلک سکول، جہلم کے پانچویں درجہ میں داخلہ

1985-86 شہادت کی آرزو کا پہلا برملا اظہار

1988 میٹرک سائنس، اے گریڈ

8 اکتوبر 1988 ملٹری کالج، جہلم میں داخلہ

کالج نمبر 5269--- ٹیپو سلطان ہاؤس!

25 اگست 1990 پاکستان ملٹری اکیڈمی، کاکول میں داخلہ

15 اکتوبر 1992---پاسنگ آؤٹ پریڈ

17 اکتوبر 1992، 35 پنجاب رجمنٹ کی وردی کا اعزاز

15 مئی 1995 صبح گیارہ بجے، سیاچن کے محاذ پر شہادت کا انعام!

شہید سیاچن

کیپٹن معظم علی بلوچ

سعید راشد

ملٹری کالج، جہلم

ضابطہ

کتاب کا نام:	شہید سیاچن کیپٹن معظم علی بلوچ
تالیف:	پروفیسر سعید راشد استاد ملٹری کالج، جہلم 90-1950 پرنسپل اے پی ایس جہلم و منگلا 94-1990 حال: ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف ٹیچر ڈیولپمنٹ سلطانہ فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔ فون: 8-240057
رہائش:	349۔ سٹریٹ 15، چکلالہ سکیم 3- راولپنڈی فون : 591376
ترتیب:	ہارون رشید
تزئین :	طاہرہ غزل
اہتمام:	ملٹری کالج، جہلم
تعاون:	میجر ڈاکٹر یوسف اختر
اشاعت اول:	مئی 1997
دوسرا ایڈیشن:	نومبر 1998
ناشر:	کیپٹن معظم علی شہید ویلفیئر کونسل کالا گوجراں، جہلم
طباعت:	اے - آر پرنٹرز - اسلام آباد
قیمت:	=/150 روپے

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

(اقبال)

صلہ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ

حرف آغاز

یہ غیر معمولی کتاب جذب و شوق شہادت کی ایک حیرت انگیز داستان ہے جس کا لفظ لفظ inspire کرتا ہے۔ یہ ایک ایسے مجاہد کی سوانح حیات ہے جو بچپن سے جنون کی حد تک شہادت کا متلاشی تھا۔ اٹھتے بیٹھتے' صبح و شام وہ خدا سے ایک ہی دعا مانگتا تھا۔ وہ شہادت کی دعا تھی جو ماں سے' باپ سے' بہن سے رو رو کر اور گلے میں بانہیں ڈال کر اپنے لئے شہادت کی دعا مانگنے کو کہا کرتا تھا۔ اللہ اکبر' کیا جذبہ تھا۔ کیا جذب و شوق تھا۔

جب میں نے اس کتاب کے لئے شہید کے والدین اور قریبی رشتے داروں سے انٹرویو کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں کس دشت حیرت و محبت میں قدم رکھ رہا ہوں۔

ایمان و ایقان انسان کے شب و روز کو اس کی ترجیحات کو' اس کی امنگوں اور آرزوؤں کو کس حد تک بدل سکتا ہے اس کا ثبوت وہ واقعات و مکالمات ہیں جو اس کتاب کے اوراق میں بکھرے ہوئے ہیں۔

معظم شہید ایسے شہید قومی تاریخ کاایک قیمتی اثاثہ ہیں۔ مختار مسعود نے آواز دوست میں لکھا ہے: "جس سرحد کو اہل شہادت میسر نہ آئیں وہ مٹ جاتی ہے۔" ہمیں معظم ایسے قابل فخر جانبازوں کی ہمیشہ ضرورت رہے گی۔ اے کاش! کبھی معظم شہید پر ایک Documentary بن سکے۔ جس کا سارا مواد اس کتاب میں موجود ہے۔

اس کتاب کی ترتیب و تشکیل میں میرے بہت ہی عزیز شاگرد ہارون رشید کا بڑا ہاتھ ہے۔ جب میں نے اس کتاب کے انٹرویوز کا مسودہ ہارون رشید کے حوالے کیا تو وہ غیر مربوط اور بکھرے ہوئے تھے۔ ہارون نے ان لکیروں سے جو تصویر بنائی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ ماشاء اللہ !

اس کاوش میں عزیزہ طاہرہ غزل (ہارون کی رفیق زندگی) نے جو معاونت کی وہ بھی کم قابل قدر نہیں- میں ان دونوں کا بے حد ممنون ہوں- ہارون نے اس دوسرے ایڈیشن کے لئے جو فکر انگیز تبصرہ لکھا ہے وہ بھی خاصہ کی چیز ہے- سبحان اللہ -

اس کتاب کو بہت ذوق و شوق سے پڑھا گیا- چنانچہ سال بھر میں یہ دوسرا ایڈیشن اس پذیرائی کا مظہر ہے- الحمد للہ-

یہ ایڈیشن بھی شہید کے والد گرامی جناب میجر ڈاکٹر یوسف اختر کے تعاون سے شائع کیا جا رہا ہے- جزاک اللہ - قارئین سے درخواست ہے کہ وہ شہید کے والدین کے لئے ضرور دعا کریں- میں بھی دعائے خیر کا خواستگار ہوں-

سعید راشد

۲۲-اکتوبر ۱۹۹۸ء

۳۴۹ کردار منزل

سٹریٹ 15' چکلالہ 3

راولپنڈی

فون: 591376

ڈاکٹر یوسف اختر سے ایک مکالمہ

Discipline and Freedom

یوسف اختر: سر! جیسا کہ آپ جانتے ہیں، میں ڈاکٹر یوسف اختر، معظم کا باپ ہوں۔

سعید راشد: میں بھی المرکز، جہلم کے حوالے سے ایک عرصہ سے آپ کو جانتا ہوں۔ مجھے یاد ہے المرکز میں پرانے سکوں کی ایک نمائش ہوئی تھی۔ وہاں ملاقات ہوئی۔ اس وقت آپ بارلیش تھے۔

○ راشد صاحب! میں آپ کو معظم کے حوالے سے بھی جانتا ہوں۔ ہمارے گھر میں آپ کی کئی کتابیں ہیں، اکرم شہید نشان حیدر، کرنل حق نواز کیانی شہید، جراتوں کے نشاں اور چراغوں کی قطار۔

آپ کو معلوم ہو نہ ہو، معظم آپ کا بڑا فین تھا۔ جس زمانہ میں آپ اسے پڑھاتے تھے، جب وہ ویک اینڈ پر گھر آتا تو آپ کی باتیں کرتا تھا۔

یہ کہا،

کلاس میں اس طرح آئے۔

ڈیسکوں کی Allignment ٹھیک کروائی۔

مجھے یاد پڑتا ہے، ایک بار آیا تو بہت Excited تھا۔

کہنے لگا۔ آج سر راشد نے ڈسپلن کی ایک نئی تعریف بتائی۔

کہا:

Discipline is learning to organize.

To grow, learning to be free.

Discipline is freedom.

☆ ان دنوں "ڈسپلن اور فریڈم" پر ایک چھوٹی سی تقریر لکھی تھی میں نے جو پبلک سپیکنگ کے پیریڈ میں سب سے سنتا تھا۔ یہ فقرے اسی کے ابتدائی فقرے ہیں۔

○ اس سے آگے بھی بہت خوبصورت فقرے ہیں۔ آپ کچھ یاد دلائیں گے؟

☆ اس سے آگے ہے۔

What is a picture?

Discipline of lines and colours.

What is a song?

Discipline of sounds.

○ صحیح! یہ پوری تقریر معظم کو ازبر تھی۔ سب کو سناتا تھا۔ ایک دن آیا تو کہنے لگا۔

"آج سر نے فریڈم پر تقریر لکھوائی ہے اور فریڈم کا رشتہ Responsibility سے، تعلیم سے جوڑا ہے۔ پتہ نہیں وہ ایسی ایسی گہری باتیں کیسے سوچ لیتے ہیں۔"

راشد صاحب! فریڈم پر تقریر کے وہ جملے کیا تھے جو میرے بیٹے کے دل میں اتر گئے تھے؟

☆ وہ فقرے یہ تھے۔

Freedom is responsibility

To be free is to be free to choose,

To choose better is to think better,

To think better is to be better educated.

Education promotes responsibility, and

Responsibility protects freedom.

So responsibility at long last is freedom.

More responsibility,

More freedom.

○ کیریکٹر بلڈنگ آپ کا شعبہ ہے، آپ کی پہچان ہے۔ معظم نے ملٹری کالج سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ملٹری کالج نے اسے بہت Change کیا۔ پڑھنے کا شوق اسے پہلے سے تھا۔ لیکن اس شوق کو مستحکم ملٹری کالج نے کیا۔ اس کی سوچ کو پختہ آپ نے کیا۔ میں نے ابھی کہا کہ آپ کا بڑا Fan تھا۔ میرے پاس ۶ جون ۱۹۸۹ء کا لکھا ہوا اس کا ایک خط محفوظ ہے۔ اس میں اس نے آپ کا ذکر کیا ہے۔

ہوا یوں کہ جمعہ کی صبح صبح میں نے اسے فون کیا۔ وہ بابر ہاؤس میں تھا لیکن نہ ملا۔ میں نے اس لڑکے سے جس نے فون اٹھایا تھا، کہا کہ معظم کو بتا دینا کہ اس کے ابو کا فون آیا تھا۔ وہ اس وقت آپ کے یہاں شیرشاہ ہاؤس میں گیا ہوا تھا آپ سے ملنے۔ میں اس خط کو بنیاد بنا کر آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ سے اس کی کیا باتیں ہوئیں۔ اس کے ذہن کا وہ رخ کیسے بنا جو شہادت کی شدید آرزو میں ڈھلا بلکہ شہادت پر منتج ہوا۔

☆ میرا خیال ہے کہ آپ پہلے مجھے وہ خط دکھایئے۔ تاکہ اسی حوالے سے میں کچھ یادیں تازہ کرسکوں۔

○ یہ لیجئے- (خط کی فوٹو)

ابا جی، اماں جی، ابو، امی

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے- میں بھی خیریت سے ہوں- ہارون بھی ٹھیک ہے- کل اباجی نے فون کیا تھا- در اصل مجھے سعید راشد صاحب نے بلایا ہوا تھا- وہ ریٹائر ہوگئے ہیں- مگر آپ جانتے ہی ہوں گے کہ وہ ایک بڑے تاریخ دان اور فلاسفر ہیں- ان کی باتیں بھی مکمل فلاسفی ہی ہوتی ہیں- کیڈٹس سے اتنا پیار ہے کہ انہوں نے اجازت دی ہوئی ہے کہ جس نے بھی کوئی بات Discuss کرنی ہو، کسی بھی وقت ہاؤس ماسٹر سے Permission لے کر آجائے-

ابو! ۸ جون ۱۹۸۹ء کو، بھائی جان ضرار کہہ رہے تھے، میں آؤں گا گیارہ بجے- میرے پرچے اچھے ہو رہے ہیں- اللہ تعالیٰ کا شکر ہے-

حساب میں میرے سب سے زیادہ نمبر ہیں- 97/100

مطالعہ پاکستان میں 35/50 اور فزکس میں 75/100

در اصل چکر یہ ہے کہ ٹائم کم ہونے کی وجہ سے کتاب نمبر 1 اور 2 کا اکٹھا پرچہ ہوا ہے- حالانکہ فزکس، حساب اور کیمسٹری کے دو دو ہوتے ہیں- ہارون بھی کہہ رہا ہے کہ اچھے ہو رہے ہیں-

ابو! صحیح بات ہے، Plain Cadet کی زندگی بے فکری کی ہوتی ہے- ذمہ داری آجائے تو آدمی کو ہر وقت فکر رہتی ہے- اور خاص طور پر Mess Secretary کی بہت مشکل ہے-

ہر وقت یہ فکر ہوتی ہے کہ ہر لڑکے نے کھانا کھایا ہے یا نہیں- نہیں کھایا اور بعد میں کسی آفیسر کو پتہ چل جائے تو میں ذمہ دار ہوں- کندھوں پر فیتیاں لگا لینا بڑا آسان ہے- ابھی تک اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' ٹھیک جا رہا ہے' آگے دعا کریں کہ اللہ مجھے بہت ہمت دے- اماں جی' اباجی سے تو میں ابھی تک ملا ہی نہیں-

خدا حافظ

آپ کا بیٹا معظم

اس میں جو اس نے لکھا ہے کہ ان کی باتیں بڑی فلسفیانہ ہوتی ہیں- وہ آپ سے کیا پوچھتا تھا؟

☆ میری ایک کتاب ہے ...... Learning to lead

وہ میں نے معظم کو پڑھنے کو دی تھی- اس میں ایک باب ہے-Wants and needs

ایک اور باب Sense of priorities کے موضوع پر ہے-

انہی Concepts کی وہ وضاحت چاہتا تھا- Wants اور خواہشیں لے کر آدمی پیدا ہوتا ہے اور اپنی Needs کی Awareness سے اور پھر ان کے حصول کی جد و جہد سے آدمی' آدمی سے انسان بنتا ہے- Sense of priorities کا' ترجیحات کا تعین آدمی سے انسان کی طرف سفر کی پہلی منزل ہے- چونکہ ترجیحات کا تعین Values کے حوالے سے ہوتا ہے' اس لئے ہر انسان کی ترجیحات اور Priorities اس کی Values کی تابع ہوتی ہیں- اصل چیز Values ہیں-

○ Values سے آپ کی کیا مراد ہے؟

☆ قدریں' پیمانے' بٹے' یعنی اچھا کیا ہے' برا کیا ہے' کیا قیمتی ہے' کیا بیکار ہے۔ انسان کے عمل کا انحصار اس کی Values پر ہوتا ہے۔

میں یہ کتاب Learning to lead اور In search of maturity اکثر سینئر طلباء کو دیا کرتا ہوں۔ لیکن کم کسی نے اس عمر میں ان کتابوں میں وہ دلچسپی لی ہوگی جو معظم نے لی۔

آپ نے نوٹ کیا کہ اس خط کے آخر میں کیا لکھا ہے؟

"کندھوں پر فیتیاں لگا لینا بڑا آسان ہے'
ان کو نبھانا مشکل ہے۔"

Responsibility معظم کی ایک Value تھی جو میس سیکرٹری کی حیثیت سے بروئے کار آئی۔ پھر پی ایم اے میں اس کی جھلک نظر آئی۔ آخر کار ایک بڑے Perspective میں' سیاچن میں' ایک پاکستانی مجاہد کی حیثیت سے اس کی کارکردگی اس کی Values کی مرہون منت ہے۔

غازی ہوں یا شہید' از خود نہیں بن جاتے' انہیں بنایا جاتا ہے۔ بیج میں پیڑ چھپا ہوتا ہے۔ لیکن بیج پیڑ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر ایک میں غازی یا شہید ہونے کی صلاحیت چھپی ہوتی ہے۔ اب تعلیم کا' تربیت کا اور سب سے زیادہ Role Models کا کمال ہے کہ وہ اس کے اندر کے امکانات کو بروئے کار لے آئیں۔

یہ کام ایک حد تک معظم کی مادر درسگاہ ملٹری کالج نے کیا۔ کالج کو اپنے ایسے مایہ ناز فرزندوں پر ناز رہے گا--- مجھے بھی ہے!

تبصرہ

"شہید سیاچن" کی اشاعت اول کا فریضہ راشد صاحب نے مجھے سونپ دیا تھا۔ اور مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ کمپوزنگ سے اشاعت تک' اس کتاب کی ترتیب و تزئین میں بے شمار کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔ اشاعت دوم کی ضرورت پیش آئی ہے تو توقع ہے کہ گزشتہ کمیاں پوری کی جائیں گی اور غلطیوں' کوتاہیوں کا ازالہ کیا جائے گا۔

پہلی مرتبہ راشد صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ پڑھنے بیٹھا تو چند صفحات کی ابتدائی تفصیلات کے بعد آنکھیں نم ہوگئیں' ہوتی چلی گئیں۔ معظم علی بلوچ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس نوجوان شہید سے میرا کوئی خونی نسبی تعلق نہیں۔ لیکن آج بھی اسی توجہ سے' اسی ذوق و شوق سے یہ کتاب نہ صرف خود پڑھتا ہوں بلکہ اپنی گھر والی کو——طاہرہ غزل کو' اپنے بچوں کو' اپنے عزیزوں' دوستوں یاروں کو' جاننے والوں کو پڑھاتا ہوں۔ شہید سے متعلق ان جان لوگوں سے بھی گفتگو کرتا ہوں۔ معظم علی شہید جیسا بیٹا اور بھائی اور دوست اور ساتھی بننا چاہتا ہوں۔ شہید جیسا دوست اور دشمن بننا چاہتا ہوں۔ شہید جیسا انسان اور اس جیسا مرد مومن بننا چاہتا ہوں۔ المختصر' شہید کا رول ماڈل اپنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہاں' یہ داستان شہادت پڑھتے' آج بھی آنکھیں اسی طرح نم ہو جاتی ہیں' ہوتی چلی جاتی ہیں۔

کیپٹن معظم علی بلوچ شہید کی داستان ایک عجیب' پراسرار سفر کی مانند ہے۔ چل پڑیں تو راہ میں بے شمار جذباتی موڑ آتے ہیں' حیران اور ششدر کرنے والے مناظر ٹھٹک کر رک جانے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایسی والہانہ ساعتیں آتی ہیں کہ رشک آنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کاش' معظم کی جگہ یہ سفر ہماری زندگی اور ہماری شہادت کا سفر ہوتا۔

اس سفر کے دوران' ہمیں الحاج فتح محمد مرحوم جیسے "جہلم کے سرسید" کے گھرانے میں ایک غیر معمولی بچے کی ولادت سعید کی خبر ہوتی ہے- دو سال کی عمر میں یہ بچہ دمشق میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزار پر حاضری دینے والے ڈاکٹر میجر یوسف اختر اور ان کی اہلیہ محترمہ شفیقہ کے درمیان کھڑا ایک معصوم حیرت سے مزار کو تک رہا ہے- "دعا کی قبولیت کی اس گھڑی" سے تا دم شہادت اس بچے کو دیکھتے چلے جایئے-

۱۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء کی شب' بوجوہ' الکرک' اردن میں پیدائش سے ۱۵ مئی ۱۹۹۵ء کی صبح' سیاچن کے محاذ پر شہادت تک' زندگی کے اس سفر میں' میں' بظاہر' ایک بچے کو بچپن' لڑکپن اور جوانی کے زینے طے کرتا تصور کرتا ہوں- لیکن مجھے بچپن جیسا بچپن' لڑکپن جیسا لڑکپن اور جوانی جیسی جوانی نظر نہیں آتی-

پروفیسر سعید راشد "شہید سیاچن" سے قبل متعدد کتابوں کی تصنیف و تالیف کے مرحلوں سے گزر چکے ہیں- ملٹری کالج' جہلم جیسے تدریسی' تعلیمی اور تربیتی ادارے میں چالیس سال کا طویل عرصہ گزار چکے ہیں- میں نے ان کی متعدد کتابیں پڑھی ہیں' "جراتوں کے نشان" پانے والوں سے متعلق ان کے موقف کا مطالعہ کرنے' تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے- خود مجھے راشد صاحب کا شاگرد رشید ہونے کا اعزاز حاصل ہے- میں دیکھتا ہوں کہ راشد صاحب اپنے ادارے سے فارغ التحصیل ہونے والے ان بے شمار غازیوں اور شہیدوں کی جراتیں رقم کرتے ہوئے ایک ایک واقعے کا پس منظر بیان کرتے چلے جاتے ہیں- ایک مورخ کی طرح' ایک ماہر نفسیات کی طرح' ان کا قلم وہ تمام تر محرکات' وہ تمام تر حکمتیں رقم کرتا چلا جاتا ہے- لیکن "شہید سیاچن" کسی ایسے جنون میں مبتلا ہے کہ راشد صاحب جیسے Caoring and Sharing مربی شہید کو شہادت کے سلیقے اور فلسفے سمجھاتے رہ گئے- اور وہ آبلہ پا یوں دیوانہ

وار اس دشت سفر سے گزر گیا۔ اللہ اکبر!

ہاں، معظم علی بلوچ کو میں نے دم بھر کے لئے رکتے، ٹھہرتے بھی دیکھا ہے۔

راشد صاحب کے ہاں، جس کا اعتراف کرتے ہوئے، شہید نے اپنے گھر کے نام ایک خط میں لکھا------

"در اصل مجھے سعید راشد صاحب نے بلایا ہوا تھا۔ وہ ریٹائر ہو گئے ہیں۔ مگر آپ جانتے ہی ہوں گے کہ وہ ایک بڑے تاریخ داں اور فلاسفر ہیں۔ .... کیڈٹس سے اتنا پیار ہے کہ انہوں نے اجازت دی ہوئی ہے کہ جس نے بھی کوئی Discussion کرنی ہو، کسی بھی وقت ہاؤس ماسٹر سے Permission لے کر آ جائے۔"

اپنے والد ڈاکٹر یوسف اختر کے پاس، جس کا تذکرہ شہید کے والد، بلا تمہید اور انتہائی بے بسی کے ساتھ کرتے ہیں، راشد صاحب کے ساتھ ایک طویل نشست کے دوران وہ کہتے ہیں۔

"ایک دن شہید معظم لاہور اپنی یونٹ سے گھر چھٹی آیا ہوا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد میرے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اور جب میں نے سلام پھیرا تو کہنے لگا۔

"ابو، ایک بات کہوں۔ آپ مانیں گے؟"

اس کی خواہشیں بڑی معصوم سی ہوتی تھیں۔ میں نے کہا۔

"ہاں، بیٹے! کہو، ضرور مانوں گا۔"

شہید کہنے لگا۔

"بس بیٹھے بیٹھے میری شہادت کی دعا کریں۔"

میرے لئے ایک امتحان تھا۔ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔

ایک طرف ایمان تھا' خدا کی رضا تھی۔ دوسری طرف باپ
کی فطری محبت!"

اپنی والدہ محترمہ کے قدموں میں' جس کا اظہار کرتے ہوئے محترمہ شفیقہ یوسف کہتی ہیں۔

"ملٹری کالج کے لئے Select ہونے کے وقت سے اس کی ایک ہی دھن تھی---- شہادت! شہادت!!--- جس میں پی ایم اے میں جا کر مزید اضافہ ہوا۔ سیاچن کی پوسٹنگ پر اس کی غیر معمولی خوشی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ جنگ کا علاقہ تھا۔ یہاں اس کی آرزو پوری ہوگی۔

اسماء کی شادی پر سیاچن سے آیا۔ ہمارا ارادہ اپریل مئی تک خود اس کے نکاح کرنے کا تھا۔ وہ ان دنوں مجھ سے بھی اور بھائی بہنوں سے بھی شہید ہونے کی باتیں کرتا رہا۔ چلتے چلتے بڑے لاڈ سے کہنے لگا۔

"ماں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ آپ کو میری خوشی چاہیئے نا۔"

میں نے کہا' ہاں! کیوں نہیں۔ ہر ماں اپنے بیٹے کی خوشی چاہتی ہے۔

"تو آپ میری خوشی کے لئے دعا کیجئے۔ آپ دعا کیوں نہیں کرتیں۔ مجھے شہادت چاہیے۔"

رشتے میں تایازاد ملک ضرار حیدر کے ہاں' جب وہ اپنی بہن اسماء کی شادی میں شرکت کے لئے سیاچن کی بلندیوں سے چند ساعتوں کے لئے اتر آیا ہے۔ انتہائی شگفتہ' لائٹ موڈ میں باتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن سیاچن کا ذکر ہوتا ہے تو بھائی جان ضرار بتاتے ہیں۔

سیاچن کا ذکر آتے ہی وہ یکا یک سنجیدہ ہوگیا۔ کہنے لگا۔

"بھائی جان! سچ پوچھیں تو میرا دل وہاں سے آنے کو نہیں چاہتا۔ پہاڑ اتنے بلند ہیں' ایسے برف پوش' آسمان اتنا صاف' اتنا نزدیک نظر آتا ہے' ایسا لگتا ہے کہ خدا بھی قریب' بہت قریب ہے۔ اس ماحول میں' اس فضا میں' مجھے اتنی اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ شائد' شائد' میری آرزو پوری ہو جائے' مجھے شہادت نصیب ہو جائے' شہادت نصیب ہو جائے......"

اس نے اس طرح' اس لب و لہجہ میں کہا کہ مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ میں اس لمحہ معظم کے چہرے کے تاثرات کو نہیں بھول سکتا۔ اس کی روح کھنچ کر اس کی آنکھوں میں آگئی تھی۔ کسی نے اس طرح ٹوٹ کر خدا سے زندگی نہیں مانگی ہوگی جس طرح بے اختیار ہو کر وہ خدا سے شہادت مانگ رہا تھا۔"

یوں تو یہ نوجوان ایسے کئی مقامات پر رکتا' ٹھہرتا' دعائیں طلب کرتا' آرزو کرتا' اپنی زندگی کی تمام تر ساعتوں سمیت' اپنی شہادت تک Share کرتا نظر آتا ہے۔ لیکن ایک شاہد' ایک گواہ نائیک محمد خان نے شہید کو ایک عجیب مقام پر رکتے' ٹھہرتے دیکھا ہے۔ نائیک محمد خان "شہید سیاچن" کا تابوت لے کر جہلم آئے تو شہید کے والد نے ان سے پوچھا کہ شہید سے متعلق کوئی خاص بات یاد ہو تو بتایئے۔ نائیک محمد خان اور ڈاکٹر یوسف کے درمیان مکالمہ آپ کی نذر کرتا ہوں۔

"صاحب! ہم کیا' ہمارا یاد کیا۔ ہمیں ایک بات یاد ہے جس نے ہمیں حیران کر دیا تھا۔"

"وہ کیا؟"

"وہ قصہ یہ ہے کہ جب ہم لوگوں نے اور ہمارے افسر کیپٹن معظم صاحب نے تابش پوسٹ پر اپنے دو ماہ مکمل کر لئے تو ہم سب خوش تھے کہ اتنا مشکل وقت ختم ہوا۔ ہم نے سامان سمیٹا اور واپس Base Camp کی طرف روانہ ہوئے۔

سر معظم آگے تھے اور میں دو قدم پیچھے۔ ابھی ہم پوسٹ سے سو یا ایک سو پچاس میٹر دور آئے تھے کہ یکایک کپتان صاحب رک گئے اور ------ رونے لگے۔

میں نے کہا' سر! کوئی تکلیف ہے؟ بولے۔

"نہیں' کوئی تکلیف نہیں۔ سوچتا ہوں' دو ماہ تک دشمن کے ساتھ لڑتا رہا ہوں۔ کتنا بدنصیب ہوں' بغیر شہید ہوئے واپس جا رہا ہوں۔"

صاحب! کیا تعریف کروں' ایسا افسر نہیں دیکھا' ایسا بندہ نہیں دیکھا۔"

ہاں! جیسا کہ میں نے عرض کیا' شہید سیاچن کی داستان ایک سفر ہے---- عجیب اور پر اسرار---- چل پڑیں تو' دیکھتے جایئے کہ شہید ایک بیج کی مانند اچانک پھوٹتا ہے اور تیزی سے سایہ دار شجر بن جاتا ہے' ثمر بار ہو جاتا ہے۔ یوں کہ اس کا ثمر آپ کی آنکھوں سے گرتا ہے۔ یوں کہ دامن موتیوں سے بھیگ جاتا ہے' بھر جاتا ہے۔

لیکن---- مجھے بتایئے کہ کبھی آپ نے ایسا بچہ' ایسا جوان رعنا دیکھا ہے جسے اپنے نفس پر اس قدر اختیار حاصل ہو جتنا بڑے بوڑھوں' بزرگوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا؟

اس بچے کے والدین کو اس کی ولادت سے قبل بتا دیا گیا تھا کہ ان کے ہاں ایک عظیم شہادت کے سفر کی داستان رقم ہونے والی ہے۔ لیکن غالباً والدین کو اس کی شہادت کے بعد بھی پوری طرح علم و ادارک اور اس کا احساس نہیں ہو پایا۔

یہ کہانی اس حوالے سے بھی بے حد انوکھی ہے کہ اس شخص نے، جس کا نام معظم علی اس کی ولادت سے قبل ہی طے کر دیا گیا تھا، کوئی معرکہ سر نہیں کیا، کوئی تمغہ، ستارہ نہیں جیتا۔ لیکن جب اس کا ذکر ہوتا ہے تو رگوں میں دوڑتا لہو آنکھوں کو لہو لہان کر دیتا ہے۔

معظم شہید کا جس جس انداز میں تعارف اس کی تایازاد بہنوں نے، اس کے دوستوں یاروں نے، اس کے فوجی ساتھیوں نے، اساتذہ نے کرایا ہے، وہ سبھی ایک ہی صداقت کی مختلف شہادتیں ہیں۔ تاہم اس کے اپنے گھر میں، اس کے والدین اور بھائی بہنوں نے حق ادا کر دیا ہے۔ شہید کا چھوٹا بھائی ہارون جس انداز میں چار سال بڑے----- صرف چار سال بڑے بھائی کو متعارف کراتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ چالیس سال بڑا ہو۔ ایک موقع پر ہارون کہتا ہے۔

"ایک مرتبہ توحید پر بحث ہو رہی تھی۔ کہنے لگے۔

"ہارون! توحید کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اللہ ایک ہے۔ بلکہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی قدرت میں ڈوب کر ایک ہو جائیں۔ جب مومن کی یہ حالت ہوتی ہے تو اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔"

کیا یہ کتاب کیپٹن معظم علی بلوچ کا تعارف ہے؟ کیا یہ سعی و کوشش اس جذبہ شہادت کو سمجھنے کی کوشش ہے جس میں لتھڑے ہوئے معظم علی کے جنازے کے جلوس میں شہید کے والد نے کئی مرتبہ دھکے کھائے؟ ایسے بے شمار

سوالات وقتاً" فوقتاً" میرے ذہن میں' ہر ذہن میں ابھرتے ہیں- لیکن میں معترف ہوں کہ میں اپنے سوالوں کے جواب نہیں پاتا- شائد اس لئے کہ شہادت کا یہ سفر' آئندہ ساعت کی گواہی کا یہ سفر' مستقبل پر ایمان کا یہ سفر------ سفر در سفر ہے- اور آئندہ ساعت کا علم صرف الرحمان الرحیم ذات والا صفات کو ہے جو ہماری نیتوں کا خالق------ اور انہیں بدلنے پر قادر ہے- میری دعا ہے کہ وہ لاشریک ہم لاعلم لوگوں کو اپنے علم میں شریک فرمائے- کہ علم صبر و شکر کرنا سکھاتا ہے-

جیسا کہ میں عرض کر چکا' "شہید سیاچن" کا مسودہ' پہلی دفعہ' میرے سپرد ہوا تھا- ترتیب اور کمپوزنگ کے مراحل سے گزرتے ہوئے میں نے ہزاروں مرتبہ اپنے بزرگ استاد پروفیسر سعید راشد کی اس محنت مشقت کے بارے میں سوچا- خراج تحسین و عقیدت ادا کرتے ہوئے مجھے اپنے گونگے پن کا احساس ہوتا ہے- میرا قلم وہ لفظ تلاش نہیں کر پاتا کہ بیان کر پاؤں- "شہید سیاچن" نامی اس کتاب میں شامل متعدد افراد کے ہمہ نوع تاثرات محفوظ کرنا اور ایک ایک کردار کی انفرادیت قائم رکھنا------ ہاں' یہ فریضہ صرف راشد صاحب انجام دے سکتے تھے-

اللہ رب العزت ان کی سعی قبول فرمائے! آمین ثم آمین!

☆ ہارون رشید

عنوانات

پس منظر

☆ الحاج فتح محمد مرحوم کی تعلیم وتربیت
ملک وقوم کی بے لوث خدمت!
شہید کے چچا' یحییٰ ملک کے قلم سے 31

تاثرات

☆ جنون کی حد تک آرزوئے شہادت!
تایازاد بڑی بہن' غزالہ شاہین ملک 43
☆ اک تصویر جدائی کی ہے' ایک منظر حیرانی کا!
تایازاد بڑی بہن' سلمیٰ حبیب 53

انٹرویو

گھر آنگن میں!

☆ اللہ! یہ جسم------
تجھ پر قربان ہونا چاہتا ہے'
اسے قبول فرما!
ڈاکٹر یوسف اختر 63

☆ پہلا پیار' پاکستان!
ڈاکٹر احتشام الرحمان 107

☆ ہماری طرح---- لیکن ہم سے مختلف!
غزالہ شاہین ملک 115

☆ میرا پروقار بھائی!
صائمہ شازیہ ملک 117

☆ بلو! پنجے نہ مارا کر-----
صالحہ زینب 121

☆ .... مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا!
ملک ضرار حیدر 129

☆ آرزوئے شہادت کے سوا'
کوئی انتہاپسندی نہ تھی
عذرا ضرار 133

☆ عافیہ' صالحہ اور ریما کی یادیں 135

☆ شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن!
یحییٰ ملک 136
☆ "اپنی اپنی آرزو"
تائی امی' کنیز شعیب 145
☆ "نہیں' اباجی!
---پاکستان کے خلاف کچھ نہ کہیں"
ڈاکٹر اسماء زینب 147
☆ اس کا سجود و قیام رسمی نہیں' بلالی تھا!
تایا محمد شریف ملک 158
☆ میرا بھائی' میرا دوست' میرا مرشد!
ہارون اویس بلوچ 160
☆ اصل کہانی صرف میں جانتا تھا
مہتاب احمد 177
☆ "کوئی اپنے گھر کے خلاف بھی بولتا ہے؟"
شہباز احمد 187
☆ عظیم دوست! عظیم تر انسان!!
کیپٹن ڈاکٹر تاشفین بن نذیر 188

سرائے عالمگیر، جہلم کے ملٹری کالج میں

☆ دست بہ کار' دل بہ یار!
کیپٹن طارق فرید 206

☆ ایک مختلف اور منفرد افسر
کیپٹن خالد 212

☆ "یہاں نہیں، یہ ڈیوٹی کا معاملہ ہے"
کیپٹن آفتاب رمیض
(14 اے کے ' رجمنٹ) 214

☆ وہ ایک عرصہ سے حالت شہادت میں تھا
ایک مرشد استاد، طارق محمود چوہدری کا موقف 216

☆ کالج کی تاریخ میں
"ٹاپ ٹین" میں سے ایک!
ہاؤس ماسٹر، میجر سبطین عباس 220

☆ اپنی پہلی تنخواہ سے سو روپے، میرے لئے!
(ڈاکٹر یوسف اختر کے استفسار)
میس ویٹر، بشیر کے انکشافات 222

پاکستان ملٹری اکیڈمی، کاکول میں

☆ شہادت کی خبر سن کر تعجب نہیں ہوا!!
کیپٹن سید عمر شہاب
(23 فیلڈ رجمنٹ، آرٹلری) 226

☆ ایک ہی چہرہ، حقیقی چہرہ!
کیپٹن احمد خان ملک
(26 کیولری) 229

☆ ہر جگہ یکساں "گریڈنگ"!
کیپٹن کاشف 231

☆ جیسے اہم ترین ہوں'
جیسے پاکستان کو میری ہی ضرورت ہو!
جینٹلمین کیڈٹ یوسف
(غزنوی کمپنی' پی ایم اے) 233

☆ فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا!
کیپٹن محمد ذوالفقار علی 236

☆ ایک لمحہ سوچے بغیر ----!
کیپٹن جواد
(4 بلوچ رجمنٹ) 243

سیاچن کے محاذ پر!

☆ اس کے لئے جینا مرنا ایک ہو گیا تھا!
تابش پوسٹ پر شہید کے ساتھ چند ہفتے
کیپٹن ظہیر 247

☆ اپنے لئے دعائے شہادت سے پہلے' میرے لئے دعا کرنا!
لیفٹیننٹ سیف اللہ
(35 پنجاب رجمنٹ) 249

☆ شہید معظم کی رضاکارانہ نشاندہی!
کیپٹن عبدالرحمان عارف کے تاثرات

(29 فیلڈ رجمنٹ' آرٹلری) 252

☆ بے باک اور صاف گو۔۔۔۔ لیکن معقول حد تک !
لیفٹیننٹ کرنل محمد محمود بٹ
(کمانڈنگ آفیسر' 35 پنجاب) 254

آخری لمحوں کے شاہد

☆ "پہلے میرے ساتھیوں کو پانی دو"!
قرون اولیٰ کے ایثار و قربانی کی روایت
کیپٹن حسنین
(35 پنجاب رجمنٹ' سیاچن والنٹیرز) 260

☆ ایک سچا مسلمان اور کھرا پاکستانی!
کیپٹن خواجہ فرید الدین
(35 پنجاب رجمنٹ) 262

☆ 15 مئی 1995ء۔۔۔۔۔
جب دو آفتاب غروب ہوئے!
کیپٹن مشتاق
(ڈاکٹر یوسف کے استفسار) 268

☆ صاحب کیا تعریف کروں' ایسا افسر' ایسا بندہ نہیں دیکھا!
نائیک خان محمد
(35 پنجاب رجمنٹ)
(ڈاکٹر یوسف کی ملاقات) 271

شہادت سے لحد تک

☆ "بیٹے! جب تمہاری ملاقات
رسول کریم ﷺ سے ہو تو۔۔۔۔۔۔۔
شہید سیاچن کے والد'
ڈاکٹر یوسف اختر کی چشم دید شہادتیں 275
☆ معظم شہید! گواہ رہنا!
ڈاکٹر یوسف کے پھوپھی زاد'
محمد شریف ملک کے تاثرات 291
☆ غازی صلاح الدین ایوبی کے مزار پر
شہید کے لئے دعا!
شہید کی والدہ' شفیقہ یوسف کی چشم نم! 297

تعزیتی خطوط اور پیغامات

الحاج فتح محمد کے فرزند ملک نجیب اللہ

پس منظر

الحاج فتح محمد مرحوم کی تعلیم و تربیت

ملک و قوم کی بے لوث خدمت!

الحاج فتح محمد مرحوم کی تعلیم و تربیت

ملک و قوم کی بے لوث خدمت!

شہید کے چچا، یحییٰ ملک کے قلم سے

ہم انگریز کی عطا کردہ جاگیر کے مالک ہیں نہ وڈیرے اور صنعت کار۔ ہمارا تعلق وطن عزیز کے اس طبقے سے ہے جس نے گزشتہ نصف صدی کے دوران اپنے وطن کی آزادی کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ یہ المیہ اپنی جگہ کہ ہمارے خون پسینے سے، ہماری محنت مشقت سے، ہماری قربانیوں سے، ------ جائز، ناجائز------ ان لوگوں کی تجوریاں بھرتی چلی گئیں۔

ہمارا گھرانہ وطن عزیز کا دیہی متمول گھرانہ رہا ہے۔ دیہی عوام کے ساتھ ہمارا گہرا رشتہ ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ جہاں ہم جیسے کروڑوں لوگ غم روزگار اٹھائے زندگی گزار رہے ہیں، وہاں اللہ رب العزت نے ہمارے گھرانے کو اپنے علاقے کی، ملک و قوم کی بے لوث خدمت کی توفیق بخشی۔

ہمارے آباء و اجداد بلوچستان کے رہنے والے تھے۔ بزرگ بوجوہ، شیر شاہ سوری کے دور میں تعمیر ہونے والے قلعہ رہتاس کی چھاؤنی میں آباد

ہوگئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام رہی اور مغلیہ خاندان کا سورج غروب ہوگیا۔ تاہم' اسی سال' ۱۲ فروری کو ہمارے گھرانے میں فتح محمد نامی ایک بچہ پیدا ہوا۔

شہید سیاچن' کیپٹن معظم علی کے جد امجد فتح محمد کی پیدائش کے زمانے میں رہتاس کی مسلم آبادی نہ صرف یہ کہ اقلیت میں تھی بلکہ غربت کا شکار بھی۔ شہر قلعہ رہتاس میں سوری اور جین' اہل ہنود اکثریت میں بھی تھے اور اموال و اسباب پر قابض بھی۔ ہندوؤں کی بہتر مالی حالت کے باعث غریب مسلمان ان کے زیر تسلط گزر بسر کر رہے تھے۔

مسلمانوں کے دگرگوں حالات ہی کے پیش نظر الحاج فتح محمد نے فیصلہ کیا کہ انہیں اس علاقے میں تعلیم کو عام کرنا ہے۔ یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ان کی ساتوں بیٹیوں نے نہ صرف خود تعلیم حاصل کی بلکہ محکمہ تعلیم میں ملازمتیں اختیار کر کے ضلع جہلم کے مختلف دیہی علاقوں میں تعلیم کو عام کیا۔

الحاج فتح محمد مرحوم نے اپنے بھائی کے بیٹوں' حتیٰ کہ سبھی عزیزوں' رشتہ داروں کو تلقین کی کہ وہ پڑھیں' پڑھائیں اور اپنی اولادوں کو بھی پڑھنے پڑھانے کے قابل بنائیں۔ ہمارے خاندان کے ہر گھرانے میں آپ کو سکولوں اور کالجوں کے اساتذہ ملیں گے۔

سید ضمیر جعفری کے جد امجد سید احمد شاہ مرحوم' رہتاس کے واحد مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ الحاج فتح محمد نے ۱۸۹۲ء میں ان ہی سے سکول کا چارج لیا۔

باباجی جب تک سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے' نہ صرف خود سید احمد شاہ صاحب کی کھڑاویں سامنے الماری میں ان کے پیش نگاہ رہیں بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی معلم کی تعظیم اور ادب کا درس دیا۔ بزرگوں کی زبانی

سنا ہے کہ عرصہ دراز تک باباجی شاہ صاحب کی کرسی پر بیٹھنے سے احتراز فرماتے تھے۔ مصلے پر بیٹھ کر ہی تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

اپنی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد' پنڈی سید پور کے علاوہ سات سال تک اکرہ موہڑہ' تحصیل جہلم اور بھون' تحصیل چکوال و تلہ گنگ میں باباجی نے تدریس کا کام انجام دیا۔ آپ اپنے شاگردوں میں بلا کی ذہانت اور قابلیت اجاگر کرنے میں ماہر تھے۔ آپ کی جانفشانی اور شفقت نے علاقہ کے لوگوں کی حالت بدل کر رکھ دی۔ درس و تدریس کے اس سرچشمہ سے' بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب' سبھی سیراب ہوئے۔ ضلع جہلم میں جگہ جگہ آپ سے فیض یاب ہونے والے طلباء اور مدرسین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آپ کے نقش قدم پر چلنا سعادت اور دنیا و آخرت میں نجات کا باعث تھا۔ اس دور کا فرنگی ڈپٹی کمشنر کرپ آپ کو "مدرسین کا باوا آدم" اور "جہلم کا سرسید" کہا کرتا تھا۔

مرحوم گھر گھر جا کر مسلمانوں کو اپنی اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا درس دیتے' نادار اور مستحق بچوں کی فیسیں معاف فرماتے' مفت کتابیں مہیا کرتے۔ حتیٰ کہ غریب اور قابل بچوں کو اپنے گھر میں جگہ دیتے اور پڑھاتے۔

باباجی ۱۸۹۲ء سے ۱۹۲۷ء تک رہتاس سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔

میری ان باتوں سے یہ تاثر نہ لیجئیے گا کہ ہمارے دادا صرف معلم ہی تھے۔ ملک و قوم کی بہتری کے لئے جو جذبہ ان کے دل میں تھا اور جو میں نے بیان کیا' وہ اس کہانی کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اب تو وہ بزرگ بھی چلے گئے جو ان سے فیض یاب ہوئے۔ میرے لئے تو یہ سنی سنائی' بھولی بسری باتیں ہیں۔ لیکن اس تعلیم کو فروغ دینے کے جذبے اور ان تھک محنت کے ساتھ ان کے کردار کا ایک اور پہلو بھی تھا..... اسلام کی تبلیغ میں ان کی

شبانہ روز مصروفیت!

ان کے مقام کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ جلالپور شریف کے امیر حزب اللہ سید محمد فضل شاہ صاحب' باباجی کو ہمیشہ اٹھ کر' گلے ملا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے' وہ بہت ضعیف تھے اور بار بار پیشاب آنے کی بیماری میں مبتلا تھے۔ سردی ہو یا گرمی' میں نے انہیں ہمیشہ باوضو ہی دیکھا۔ اگر وہ جاگتے ہوتے تو ہمیشہ قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے یا نوافل۔ کمزور نظر تھی لیکن ہمہ وقت قرآن خوانی جاری رہتی۔

سکول کی نوکری کے زمانے میں بابا سحری سے لے کر فجر تک بورڈنگ ہاؤس میں طلباء کو درس قرآن دیتے۔ سکول کے کھلنے سے پہلے ایک گھنٹہ اور بند ہونے کے بعد ایک گھنٹہ دینی تعلیم پر صرف ہوتا۔ مسلمان بچے قرآن پڑھتے جب کہ ہندو طلباء کو باباجی مندر بھیجتے۔ اس طرح مسلمان اور ہندو' دونوں آپ کی عزت اور احترام کرتے تھے۔ باباجی' عام لوگوں کو' طلباء اور اساتذہ کو' ملاقات کے لئے آنے والے ہر شخص کو حق کی دعوت دیتے۔ بلاناغہ روزانہ وقت سحر قرآن پاک اور وظائف کا ورد فرماتے۔ بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کی دو جلدیں تا دم آخر زیر مطالعہ رہیں۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ ان کی وفات پر والد صاحب نے یہ دونوں کتابیں رہتاس کی جامع مسجد کے مدرسہ میں صدقہ جاریہ کے طور پر دے دیں۔

۳۵ سال تک' رہتاس کے مڈل سکول میں رونق افروز رہ کر جب باباجی فارغ ہوئے تو زیارت حرمین الشریفین کے لئے تشریف لے گئے اور حج کی سعادت پائی۔

باباجی یکم ستمبر ۱۹۵۳ء کو جہلم شہر میں فوت ہوئے۔ ان کا مزار

اقدس رہتاس شہر کے مشرقی قبرستان میں ہے۔

آپ مجھے مشکل ترین فریضہ سونپ رہے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ میں ان مضامین سے انصاف کرسکوں گا۔ باباجی کی شخصیت پر کچھ کہنا کوئی آسان کام نہیں۔ وہ اپنے والد کے فرماں بردار بیٹے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ وہی کیا جیسا کہ والد صاحب نے حکم یا مشورہ دیا۔ باباجی نے اپنے فرزند ارجمند میں ایسی قومی و ملی تڑپ پیدا کردی کہ اپنے سب کاموں پر اپنے قصبے اور علاقے کے مفاد کو مقدم سمجھا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی ملک اور قوم کی خدمت میں صرف کردی۔ انہوں نے اپنے صحت کی پرواہ کی نہ کبھی موسم دیکھا۔ علاقے والوں کی ہر خوشی اور غم میں شریک ہوئے۔ اپنا اور گھر کا کام چھوڑا' دوسروں کا کام کیا اور اپنا سمجھ کر کیا۔

پانچ چھ سال پہلے کا واقعہ ہے' میں سعودی عرب سے صرف ایک روز کے لئے جاپان جاتے ہوئے' گھر آگیا۔ جہلم پہنچا تو پتہ چلا کہ اباجی رہتاس گئے ہیں۔ سکول کا کوئی کام تھا۔ دل کے مریض' گردے میں پتھری' پیٹ میں ہرنیا' ٹانگوں میں شدید درد------ یہ اباجی کی کیفیت تھی---- بڑے بھائی جان نے ذرا سمجھانے کی خاطر کہہ دیا کہ آپ اس حالت میں رہتاس نہ جایا کریں۔

اللہ اللہ! باپ کی فرمانبرداری تھی۔ جواب ملا۔

"آپ چاہے خوش ہوں یا ناراض' میرے والد نے وصیت کی تھی کہ رہتاس اور علاقہ کی خدمت کرنی ہے۔ مجھے رہتاس کے پتھروں سے بھی پیار ہے۔ جب تک دم میں دم ہے' میں والد صاحب کے حکم کے مطابق کام کرتا رہوں گا۔"

اباجی ایسے شخص تھے کہ دوست' دشمن' ہر کوئی ان سے صلاح و مشورہ

لینا ضروری سمجھتا تھا۔ ان کے جنازہ پر اور افسوس کرنے والے ہزاروں افراد میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ جرنیل بھی تھے۔ انہوں نے کبھی الیکشن میں حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن ان کی نگاہ میں جو بھی بہتر امیدوار ہوتا' اس کی بھرپور تائید بھی کرتے اور ہر ممکن مدد بھی۔ اباجی ہمیشہ ایک ہی بات کرتے تھے۔

"کام کرو۔ نتیجہ اور جزا اللہ پر چھوڑ دو۔"

اباجی کے بارے میں مزید کچھ کہنے سے پیشتر قارئین کے لئے رہتاس کے محل وقوع کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ شیر شاہ سوری نے اس علاقے کو لٹیروں سے محفوظ کرنے کے لئے ایک بلند پہاڑی منتخب کی۔ جس کے بیچ میں سے پرانی "جرنیلی سڑک" یا "گرینڈ ٹرنک روڈ" گزرتی تھی۔ موجودہ جی ٹی روڈ جہلم شہر کے بعد دینہ سے گزرتی ہے۔ چوراہے میں شمال کی طرف جائیں تو منگلا ڈیم اور چھاؤنی آتی ہے۔ اگر جنوب کو مڑ جائیں تو ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر قلعہ رہتاس واقع ہے۔ ابھی تک کوئی پکی سڑک نہیں بنی۔ ساڑھے چار میل میں سے دو تین میل کا راستہ نالہ "تین پرا" اور نالہ "گھان" سے گزرتا ہے۔ صرف فور وہیل ڈرائیو گاڑیاں چلتی ہیں۔ موسم ٹھیک ہو اور راستہ بنا ہوا ہو تو اکا دکا پرانی کاریں بھی کبھی کبھی اس راستہ پر نظر آجاتی ہیں۔ بارش ہو رہی ہو' خاص طور پر موسم برسات ہو تو کئی روز تک راستہ بند ہو جاتا ہے۔ نالہ گھان پہاڑی کے عین نیچے ساتھ ساتھ گزرتا ہے۔ رہتاس بالکل چوٹی پر ہے اور نالہ گھان میں تقریباً" ایک یا ڈیڑھ میل کا راستہ ہے جو پتھریلا اور ریتلا ہے۔

کچھ سال پہلے تک رہتاس کی عورتیں سروں پر' ایک نہیں' دو دو گھڑے اٹھا کر صبح و شام گھان سے گھر کے استعمال کے کے لئے پانی بھر بھر کر لایا کرتی تھیں۔ کئی لوگوں نے گھروں میں گدھے پالے ہوئے تھے۔ جن سے پانی ڈھونے کا کام لیا جاتا تھا۔ چونکہ پانی وافر مقدار میں میسر نہ تھا اس لئے لوگ نالہ گھان پر جا کر نہایا کرتے تھے۔ میں خود جب کبھی بچپن میں والد صاحب کے

ساتھ چھٹی جاتا تھا تو دوسرے لڑکوں کے ساتھ نالہ گھان پر ہی نہانے جایا کرتا تھا۔ کچھ سال پہلے تک اگر کوئی بیمار پڑ جاتا تو اسے ساڑھے چار میل دور' دینہ جا کر دوا لینی پڑتی تھی۔

لڑکیوں کے لئے کوئی ہائی سکول نہیں تھا۔ لوگ مٹی کے تیل کے لیمپ جلا کر روشنی کیا کرتے تھے۔ یہ تھا رہتاس' جو میں نے اپنی جوانی تک دیکھا اور وہاں رہا بھی۔ جیسا بھی تھا---- ایک بات کہوں------ وہ وقت اچھا تھا۔ لوگ مخلص تھے۔ محنت سے جی نہیں چراتے تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد باباجی سکول سے الگ نہیں ہوئے تھے۔ آزادی کے بعد رہتاس کی پہلی ایجوکیشن کمیٹی نے چندہ اکٹھا کرکے باباجی کی سرپرستی میں رہتاس میں اسلامیہ ہائی سکول قائم کیا۔ لیکن باباجی کا منصوبہ اس سے آگے کا تھا۔

باباجی نے اپنی آخری عمر میں اپنے نور نظر ملک نجیب اللہ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ شہر کے سکول کو گورنمنٹ ہائی سکول کے درجے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اباجی اس وقت سروس میں تھے۔ انہوں نے والد صاحب کے اس حکم پر ایسی محنت کی اور ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ باباجی کی زندگی میں ہی' محکمہ تعلیم کی مدد سے' سکول کو مڈل سے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول بنوا دیا۔ اب رہتاس اور علاقے کے بچوں کو دور دراز میٹرک کی تعلیم کے لئے نہیں جانا پڑتا تھا۔ اباجی نے بھی ہائی سکول بنوانے کے بعد اس کو اس کے حال پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ مستقل نگرانی کرتے رہے۔ نئے کمرے بنوانے کی منظوری' پرائمری سکول کو علیحدہ کرنے کے لئے ایک اور توسیع' ہندو املاک کو استعمال کرنے کی منظوری' ہیڈماسٹر کے رہائشی مکان کی تعمیر' قابل سے قابل ہیڈماسٹر کی رہتاس میں تقرری' یہ سب کام اباجی نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔

اباجی نے گورنمنٹ کے متعلقہ محکموں سے مل کر ۱۹۶۲ء میں رہتاس والوں کے آنگنوں میں بھی بجلی کے قمقمے روشن کر دیئے۔ ۱۹۷۱ء میں سب

مراحل سے گزرنے کے بعد خود گورنر عتیق الرحمان سے واٹر سپلائی سکیم کی منظوری حاصل کی۔ وہ کام جو کروڑ پتی ہندو بھی نہ کر سکے' ایک غریب نیک دل ہیڈماسٹر کے بیٹے نے اللہ کے فضل اور اپنی محنت اور لگن سے کر دکھایا۔ اب مسلمان عورتوں کو نالہ گھان پر جا کر نہانا نہیں پڑتا تھا۔ اب مسلمان خواتین کو سر پر پانی کا بوجھ اٹھا کر میل ڈیڑھ میل کی پہاڑی نہیں چڑھنا پڑتی تھی۔ اب گھر گھر میں پانی پہنچ گیا تھا۔

باباجی نے ہمیشہ عورتوں کی تعلیم پر زور دیا تھا۔ یہ جانتے ہوئے اباجی نے ایک اور پراجیکٹ شروع کیا۔ اور آخر اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں رہتاس میں لڑکیوں کا مڈل سکول بھی قائم ہوگیا۔ رہتاس کے علاوہ علاقے کی دیگر لڑکیاں بھی رہتاس پڑھنے آتی ہیں۔ اس کو قائم کرنے اور چلانے کے لئے اباجی ہر ایک کو دل کھول کر راہ خدا میں چندہ دینے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۸۰ء کو اباجی کی سرپرستی ہی میں رہتاس کی ایجوکیشن کمیٹی نے لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی سے ملاقات کرکے سکول کو ہائی سکول کا درجہ دلوایا۔ اس سے پہلے وقت کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے رہتاس میں ٹیلی فون اور ڈسپنسری بھی اباجی بنوا چکے تھے۔ اگرچہ سڑک مکمل نہیں ہوئی لیکن اباجی' جی ٹی روڈ کو رہتاس سے ملانے کی سڑک کی منظوری بھی اپنی زندگی میں کروا کر رخصت ہوئے۔

اباجی ریٹائر ہونے کے بعد کیپٹن معظم علی شہید کے والد میجر ڈاکٹر یوسف اختر کے ہاں مستقل طور پر رہائش پذیر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنے بیٹے کی شہادت کا اعزاز اور بلند ترین رتبہ جو ملا وہ تو ملا ہی' لیکن والدین کے بڑھاپے میں ان کی خدمت کا ثواب بھی ہم تینوں بھائیوں میں سے انہی کو نصیب ہوا۔

انہی کی رہائش گاہ پر رہتاس اور علاقے کے منصوبے بنتے تھے۔ اباجی

بھائی صاحب کے مکان ہی سے افسران کے ساتھ خط و کتاب اور ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ قائم رکھتے تھے۔ اباجی شاذ و نادر ہی گھر پر ملتے تھے' دن کو وہ رہتاس میں ہوتے یا علاقے کے کسی گاؤں میں یا رفاہ عامہ کے کسی کام کے سلسلے میں کسی افسر سے ملنے گئے ہوتے۔

رہتاس میں بہت گھرانے شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ "سنی شیعہ فساد" اباجی کی زندگی میں کبھی نہیں ہوا۔ ہر محرم پر ڈیوٹی مجسٹریٹ اور ڈی سی اپنی کامیابی کو پکا کرنے کے لئے اباجی کو ساتھ رکھتے تھے۔ شیعہ حضرات کے جلوس کے پروگرام کو اپنے ضابطے میں رکھنا' کسی Arguement کو فریقین کی تسلی کے ساتھ ختم کر دینا' محرم کے جلوس کو وقت پر شروع کرنا' وقت پر ختم کرنا' اپنے روٹ پر چلانا' یہ سب کام اباجی کے صلاح و مشورے سے بخوبی سر انجام دیئے جاتے تھے۔

جہلم میں رہتے ہوئے' اباجی نے جہلم شہر کے لئے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔ جہلم سٹی جیل اور اس کے قیدیوں کی دگرگوں حالت دیکھ کر ان سے پیچھے نہ رہا گیا۔ اپنی وفات سے ایک دن پہلے تک بہبود اسیران کے لئے وہ کوشاں تھے۔ یہ کام وہ کئی سال تک کرتے رہے۔ موسم کے مطابق قیدیوں کو کپڑے مہیا کرنا' ان کی دوائیوں کا بند و بست کرنا' ان کی اور ان کے لواحقین کی شکایات کو دور کرانا' یہ ان کا کام تھا۔

غریبوں کی چپکے سے مدد کرنا ان کا وطیرہ تھا۔ غرضیکہ کوئی جاننے والا ہو یا اجنبی' ہر ایک کی داد رسی کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ یہاں میں ایک بات کہتا چلوں۔ اپنی عمر کے آخری دس پندرہ سالوں میں قریباً" قریباً" اپنے گھر والوں کے کام کرنے کی بجائے دوسروں کے کام میں مدد کرنا عبادت سمجھا۔ ان کی وفات کے بعد کئی لوگ ایسے ملے' جنہوں نے ان کی امداد کا ذکر کیا۔ نہ ہم ان لوگوں کو جانتے تھے اور نہ ہی اباجی کی امداد کی تفصیلات۔

ایک دو واقعات بتاتا ہوں۔ آپ خود اندازہ لگا لیجئے۔

اپنی وفات سے چند روز پہلے انہوں نے جلال پور شریف پیغام بھیجا تھا کہ وہ عرس پر ملنے آئیں گے۔ میں نے جب سنا تو ان کی جگہ خود جانے کا فیصلہ کیا۔ دینہ کے ریٹائرڈ بریگیڈئر محمد مشتاق صاحب' میں اور ایک دو اور اصحاب ایک ہی کار میں گئے۔ اس دن کے کوئی ایک دو ہفتے بعد ان میں سے ایک صاحب دینہ میں ملے۔ کسی طرح باتوں باتوں میں اباجی کا ذکر آیا تو میں نے کہا' میں ان کا بیٹا ہوں۔ وہ فورا" اٹھ کر ملے اور شکوہ کیا کہ سارا دن سفر میں ان کے ساتھ رہا اور تعارف نہیں کرایا۔ کہنے لگے۔

"مجھ پر ملک صاحب کے بہت احسانات ہیں۔

مرتے دم تک جو میں نہیں لوٹا پاؤں گا۔"

یہ صاحب روہتاس کے نہیں بلکہ دینہ کے رہنے والے ہیں۔

ابا جی کے جنازے پر ایک اجنبی آئے۔ کہنے لگے۔

"میری بیٹی کی شادی پر مجھے ضرورت تھی۔

ملک صاحب نے "اتنی" رقم دی۔ وہ میں واپس کرنا چاہوں گا۔"

ایسی ہی عادات اللہ تعالیٰ نے کیپٹن معظم علی شہید کو دیں۔ ہمیں تو باپ دادا نے ہمیشہ یہی سکھایا ہے۔

"نیکی کرو اور بھول جاؤ۔"

"دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔"

ابا جی ۱۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو رہتاس میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۶ جنوری ۱۹۹۴ء کو جہلم میں وفات پائی۔ اپنی وصیت کے مطابق مرحوم اپنے اباجی کے پہلو میں رہتاس ہی میں دفن ہوئے۔ ابتدائی تعلیم رہتاس میں حاصل کی' پھر اسلامیہ کالج' پشاور میں بھی پڑھتے رہے۔ آخر کار سول انجینئرنگ کالج سے سول انجینئرنگ کرنے کے بعد محکمہ انہار میں اپریل ۱۹۳۰ء سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ہمیشہ محنت

اور دیانت داری سے کام کیا اور ہمیشہ پاکستان کی اہم ترین نئی نہریں بنانے کے Projects پر کام کرتے رہے۔ بھارت سے جب Indus Basin کے پانی کے ضمن میں مذاکرات ہو رہے تھے تو نیو یارک اور واشنگٹن جانے والے حکومت پاکستان کی طرف سے وفد میں بھی شامل ہوئے۔

تمام باتوں میں ایک پہلو تشنہ رہ گیا ہے اور وہ ہے ان کا مذہبی رنگ۔

ظاہر ہے جو انسان بے لوث خدمت کرے' اپنے ماں باپ کی نصیحت پر عمل کرے' حقوق العباد پورے کرنے کی مثال قائم کرے' اپنے باپ کو ہر وقت اللہ کی عبادت کرتے' اپنے استاد کا ادب و احترام کرتے دیکھے' اپنی محنت اور کوشش سے اپنے Profession میں نام بنائے' ایسا شخص مذہبی لحاظ سے کیسا ہوگا۔ بیماری کے باوجود پورے پورے روزے رکھنا' پیٹ کے ہرنیا' ٹانگوں کی سوجن اور درد کے باوجو' پانچ وقت نماز پڑھنا' تہجد ادا کرنا' نماز کے ساتھ نوافل ادا کرنا' بلا ناغہ قرآن شریف اور وظائف پڑھنا' یہ ان کی عادات تھیں۔

مطالعہ کرنا ان کی "کمزوری" تھی۔ تلاوت ختم ہوئی تو اخبار شروع۔ وہ پڑھی تو سیرت النبیؐ کی کوئی کتاب لے لی۔ وہ پڑھی تو دعاؤں کی کوئی کتاب لے لی۔ غرضیکہ "فارغ بیٹھنا" ان کے لئے نہایت "دشوار" تھا۔ ہر وقت کام' کام اور کام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

اپنے خاندان کے ہر بڑے چھوٹے کے بارے میں آگاہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ گاہے گاہے' چاہے ایک منٹ کے لئے ہی کیوں نہ ہو' ہر رشتے دار کو گھر جا کر ملتے۔ ان کی "غمی خوشی" میں برابر کے شریک ہوتے۔

اباجی کی زندگی کے کسی پہلو کو لے لیجئے ایک مثال ثابت ہوگا۔

He lived a full life.

تاثرات

جنون کی حد تک آرزوئے شہادت!

اک تصویر جدائی کی ہے' اک منظر حیرانی کا!

جنون کی حد تک آرزوئے شہادت

تایازاد بہن' غزالہ شاہین ملک

"جوجو" گو چار حروف کا مجموعہ ہے' لیکن پکارا جائے تو لگے سارے جہاں کا پیار اس میں سما گیا ہے۔ بیان کروں اسے تو ایسے الفاظ میں بیان نہ ہو پائے۔ لکھنے بیٹھوں تو لگے قلم میں شاید سیاہی ساتھ نہ دے۔ اور سنانے لگوں تو اس کی انتہا نہ ہو پائے۔

میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑی' اور اس وقت کے "جوجو" کی تایازاد ہوں۔ گھریلو ماحول اور بزرگوں کی دعاؤں کی وجہ سے میرے والد اور دونوں چھوٹے بھائیوں میں کبھی فرق نظر نہ آیا جس سے یہ محسوس ہو سکے کہ یہ ایک نہیں' تین ہیں۔

"جوجو" یعنی معظم کی پیدائش گو الکرک' اردن میں ہوئی' تقریباً" اڑھائی سال کے عرصہ کے بعد' البتہ' وہ پاکستان آیا۔ رات ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ صحن میں "جوجو" سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت وہ ہلکے لیمن رنگ کی نیکر اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ سفید جوتے اس کے Handsome ہونے میں مدد دے رہے تھے۔ گول مٹول چہرہ آج بھی اسی انداز سے میری نظروں کے

سامنے گھومتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ بلانے پر "جوجو" میری طرف اسی طرح آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا ہے۔ "جوجو" پرکشش شخصیت کا مالک اس عمر میں بھی پروقار نظر آتا تھا۔

بچپن عمر کا ایک ایسا ہی حصہ ہوتا ہے کہ بڑوں کو ہر چھوٹے بچے پر پیار آتا ہے۔ لیکن "جوجو" میں جانے کون سی قوت پنہاں تھی جو ہمیں مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی تھی۔ غرضیکہ وہ ہمارے دلوں میں بسا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم سب کا پیار ایک دوسرے کے دل میں گزرے ہوئے دن سے زیادہ خلوص کا حامل ہوتا تھا۔

میرا تعارف "جوجو" سے "غزالہ باجی" کے نام سے ہوا۔ تاہم' اس نے مجھے پہلے "آپا باجی" کہہ کر پکارنا شروع کیا۔ اس طرح گھر میں چھوٹے بڑے سب چھیڑنے کے انداز میں "آپا کدھر ہے" کے الفاظ استعمال کر کے ہنستے تھے۔ اور آج تقریباً" بیس سال کے بعد یہ لفظ------ "آپا!"------ کبھی کبھی یوں لگتا ہے کہ وہ مجھے انتظار کے لمحوں کی راہ دکھا کر نہ آنے والی گھڑی کا احساس دلا گیا ہے۔

دھیرے دھیرے وہ اور الفاظ بھی سیکھ چکا تھا۔ پانی کے لئے "بادہ" کا لفظ استعمال کرنے لگا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا' اس کی شرارتیں بڑھتی گئیں۔ چھوٹی موٹی شرارتوں کی وجہ سے دادا ابو نے اسے "شیطان کی ٹوٹی" کا خطاب دیا۔ ایک دن صحن میں لگی Tap کا بڑی حیران کن نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا اچانک بولا۔

"امی امی' اے شیطان ٹوٹی ہوں------ ٹوٹی!"

سب ہنس دیئے۔ اسی طرح ایک دفعہ ہم سب اکٹھے براجمان تھے صحن میں۔ "جوجو" میاں کی کہانی انہی کی الفاظ میں کچھ یوں تھی۔

"آ۔ آں۔ آ۔ جانے آ۔ گڈی آئی۔ ٹین۔ ٹین

چلنی آ۔ کوچھک چھک ـــــ کو' آنی اے اے ناں۔ گولی۔
بندوق۔ ماری اے۔ ٹھاہ ـــــ ٹھاہ ـــــ کہانی ـــــ
ہوں ـــ(اشارے سے ختم کرتے ہوئے)۔"
دھیرے دھیرے وقت بیت گیا۔

ہر قسم کا لباس پہن لیتا تھا۔ حلیم طبع اور خوش اخلاقی کے باعث اس کا کردار خلوص اور چاہت کا بھرپور تاثر دیتا تھا۔ وہ ہر کسی کا کام کرنے کا شوق رکھتا تھا۔ میری والدہ (معظم کی تائی امی) اور "جوجو" دونوں کا آپس میں پیار ایسا تھا کہ بیان کرنے کو الفاظ نہیں ہیں میرے پاس۔ جب کبھی بازار سے سودا سلف خریدنے کے لئے تیاری کرتیں' جوجو' پہلے ہی سے ٹوکری اٹھائے' دروازے پر ہمیشہ تیار ملتا۔

"تائی امی! میں آپ کے ساتھ بازار جاؤں گا'
چیزیں وغیرہ اٹھا کر لاؤں گا۔"

نوشہرہ میں جب ان کی رہائش تھی' پڑوس میں چچا کے دوست کیپٹن اجمل قیام پذیر تھے۔ تین بجے سہ پہر ان کے ہاں میں' جوجو اور کزن عاطف گپ شپ کے لئے گئے۔ وہ نیند کی آغوش میں تھے۔ باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لہٰذا ہم گھر کے اندر جانے میں کامیاب ہوگئے۔ ریفریجریٹر میں سے ان کی پکی ہوئی ہنڈیا کے ابلے ہوئے چنے نکالے اور گھر بھاگ آئے۔ شام کو پانچ بجے "جوجو" ان کو رات کے کھانے کی دعوت دے آیا۔ رات کھانے پر مسز اجمل عجیب سی کیفیت سے دوچار تھیں کہ یہ سالن تو میرے ہاتھوں کا بنا ہوا لگتا ہے۔ چاولوں میں چنے ڈال دیئے گئے تھے۔ خیر' کھانے کے بعد معلوم ہوا انہیں کہ ہماری چیزیں اور ہماری ہی دعوت!

کچھ عرصہ بعد' ۱۹۷۸ء میں میری شادی ہوئی اور میں لندن آگئی۔ اس وقت جوجو تقریباً" چھ سال کا تھا۔ ایئرپورٹ تک سب گھر کے افراد آئے جن میں

جوجو سرفہرست تھا۔ لندن جتنا عرصہ رہی "جوجو" کے ساتھ ملاقات کا ذریعہ خط و کارڈ ہوا کرتی تھی۔ جولائی ۱۹۷۹ء میں عید کے موقع پر اس نے مجھے "یاد فرمایا" اور ساتھ ہی سالگرہ کی تاریخ بھی یاد دلائی۔ یہ عید کارڈ آج بھی میرے پاس ایک یادگار کی حیثیت سے محفوظ ہے۔ مختصر یہ کہ بچپن ہی سے اس نے کبھی کسی کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ اور ہر موقع پر دوسروں کو اپنے پیار کا احساس دلاتا رہا۔ اسی پیار کی خوشبو کو آج بھی ہم اپنی سانسوں میں محسوس کرتے ہیں۔

۱۹۸۵ء میں میں وطن واپس آئی تو "جوجو" اب "معظم علی" بن چکا تھا' درمیانے قد کا خوش شکل اور محنتی کردار کا مالک! مسکراہٹ ہمیشہ اس کے چہرے پر عیاں رہتی تھی۔ ماتھے پر کبھی شکن نظر نہ آئی۔ جس جس قدر وہ پروان چڑھتا رہا' ان خصوصیات میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ تھکن نام کا لفظ اس کے منہ سے کبھی نہ سنا۔ کام کرنے کے لئے پھرتیلا پن اس کی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

خاندان میں بھی وہ ہر دلعزیز تھا۔ Week End پر جب کبھی گھر آتا' اس کی کوشش یہی ہوتی کہ ہر کسی سے ملے۔ گو ہم سب بھائیوں بہنوں میں بہت پیار ہے۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ جہاں پیار ہو' وہاں لڑائی بھی ہوتی ہے۔ ہم میں لڑائی تو کبھی نہیں ہوئی لیکن ایک دوسرے کی کوئی بات اچھی نہ لگی تو غصے میں' اونچے لہجے کا اظہار کردیا۔ معظم میں یہ خوبی تھی کہ میں نے آج تک نہ اسے اونچے لہجے میں بات کرتے دیکھا اور نہ ہی غصے کا اظہار کرتے۔ اس نے کسی بات کا برا نہیں مانا۔ بہت کم میں نے اسے غصے میں دیکھا۔ اگر کوئی بات ناگوار گزرتی تو وہ اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں سر کے بالوں میں دو تین دفعہ پھیر لیتا۔ مگر بات کرنے والے کو ذرا بھر بھی اس کا علم نہ ہو پاتا۔

کہتے ہیں' پیٹ دوزخ ہے۔ اس میں جتنا ڈالا جائے' نہیں بھرتا۔ کھانے

کی چیزیں یوں تو بہت ہیں مگر پسند اور شوق کی بات ہی کچھ اور ہے۔ عام طور پہ ایک لفظ استعمال کیا جاتا ہے "چسکوڑا"۔۔۔۔۔ معظم بھی طرح طرح کے کھانوں کا دلدادہ تھا۔ یوں تو مزیدار ڈشیں بہت سی ہیں مگر دال چنے کا حلوہ اسے پسند تھا۔ اکثر امی (تائی امی) سے اس کی فرمائش کرتا۔ امی کا یہ حال تھا کہ انہیں معلوم پڑتا کہ معظم فلاں تاریخ کو آ رہا ہے تو واہ جی! کیا کہنے۔ پیار ایسا کہ اس کے آنے سے پہلے ہی حلوہ تیار ہوتا۔ پھر اسے گول گول پیڑوں کی شکل میں بنا لیا جاتا تو ہم بھی موقع کی تلاش میں رہتے۔ دونوں کو بات کرتے دیکھتے تو چھیڑ دیتے۔ حلوہ دال کی بات ہو رہی ہے۔ امی آتیں' اپنا تھیلا اٹھائے ہوئے' سب بھاگم بھاگ ان کے پیچھے۔

"تائی جی۔۔۔ امی۔۔۔ تائی جی!" آوازیں آتیں۔

ادھر ادھر سے بڑوں کی آواز آتی۔ "کیا شور مچا رکھا ہے؟"

"کچھ نہیں۔۔۔۔ کچھ نہیں۔" ہم سب بول پڑتے۔

امی علیحدہ علیحدہ حصے بنا' لفافوں میں ڈال کر ساتھ لاتیں۔ کوئی پتہ نہ چلتا کہ معظم کا لفافہ کس وقت اسے ملا ہے۔ ہم نے چھیڑنے کے انداز میں شور مچا دینا کہ ہم کو دو۔۔۔۔۔ آ۔۔۔۔۔ مجھے تین۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔ وہ لفافہ کدھر ہے۔ معظم تیرا حصہ۔۔۔۔۔ اپنا حصہ دکھاؤ نا۔۔۔۔۔ معظم نے مس مس کرنا (یعنی ہنسنا) اور امی نے ہنسی روکنے کے لئے ناک پر انگلی پھیرتے ہوئے کہنا۔۔۔۔۔۔کوئی زیادہ نہیں' آٹھ' دس دیئے ہیں اس بیچارے کو۔ میں نے کہنا آٹھ اور دس کو جمع کرکے دو سے ضرب دیدیں۔ امی نے ہنس کر کہنا۔۔۔۔۔۔ "آھو!" اور معظم نے یہ کہہ کر تردید کر دینی "او باجی۔۔۔۔۔!"

ایک دفعہ ہم معظم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ گپ شپ چل رہی تھی۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اس کی ہونے والی "بیگم" کا ذکر چل نکلا۔

"معظم!--- تو اپنی بیگم کو چائے کی عادت ڈال دے۔ ہم
نے ساری زندگی تو تیرے سر پر سوار نہیں رہنا ہے۔ یہ
سامنے گھر میں نے بھلا کیوں بنوایا ہے۔ کہ رہوں گی ادھر
اور کھانا پینا ادھر! ہم نے تمہارے گھر آنا ہوگا۔ اور چائے
بنانی پڑے گی تمہارے لئے۔"

معظم بولا!

"لو جی۔ یہ کس نے کہہ دیا کہ آپ لوگوں کو میں چائے
پلاؤں گا۔ آپ لوگ میرے گھر جب بھی آؤ گے تو میں
پچھلے دروازے سے نکل جاؤں گا۔ میرا Batman کہے گا'
صاحب گھر پر نہیں ہیں۔"

واقعی' معظم کا یہ مذاق آج سچ ثابت ہوا۔

جس وقت بھی پتہ چلتا کہ معظم آیا ہے' ہر کوئی خواہش کرتا کہ کسی نہ کسی طرح بھاگ کر اس سے مل آئے۔ میں بھی سامنے گھر سے بھاگ آتی' اس سے ملنے کے لئے۔ دادا ابو کا بھی بہت چہیتا تھا اور وہ بھی اس کی قدر و عزت کرتے تھے۔ یوں تو معظم کی کردار سازی میں بھی دادا جی نے اہم کردار ادا کیا ہے لیکن چاہت کا اندازہ یہاں ہی سے لگائیے کہ معظم نے گھر پہنچتے ہی دادا ابو کے کمرے میں داخل ہونا۔ دیکھتے ہی دادا ابو بستر سے اٹھ کر جوتے پہننے لگتے۔ ساتھ میں یہ جملہ ادا ہوتا خوشی سے "او یار۔ ٹھہر جا' ٹھہر جا۔" چپل پہن چکتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے' گلے لگا کر ملتے اور کہتے "آؤ جی صاحب بہادر! کیاحال ہے؟" اور دادا پوتے کی گفتگو شروع ہو جاتی۔ میں کبھی پیار کے رعب کا سہارا لے کر شکوہ کرتی۔ "یہ کیا ہوا' ہم ملیں' اخبار سر پر مار دیتے ہیں۔ اور ادھر--- باادب' باملاحظہ' ہوشیار!" الٹا ڈانٹ سنتی' "چل' چل' تو نے کون سی کمائی کرنی ہے۔"

معظم سن لیتا تو سرہلا کر کھانس دیتا' مسکراتے ہوئے۔

گھر ادھر آنا جانا رہتا تھا۔ ہم بھی کبھی موقع کی تلاش میں رہتے اور بغیر کچھ کہے سنے آن دھمکتے۔ اگر کبھی باورچی خانے میں چائے وغیرہ بنا رہی ہوتی یا ویسے ہی کوئی کام کر رہی ہوتی تو معظم نے پاس سے گزرنا اور اپنی ٹھوڑی ایک خاص انداز سے سر پر رگڑنا - ایک دفعہ میں پوچھ بیٹھی "معظم یہ کیا؟"

"او باجی------ دیکھو نا ظہیر بھائی جان امی کو سر پر پیار اس طرح دیتے ہیں۔ میں نے بھی اپنے پیار کا اظہار اسی طرح کردیا ہے۔"

اسی طرح میری بیٹی ریما کو بھی چھیڑلیتا۔ وہ اکثر دو چوٹیاں کیا کرتی تھی۔ بیٹھی ہوئی اپنا کام کر رہی ہوتی یا پاس سے گزرتی۔

"ریما! ٹھہرنا۔ تم اچھی نہیں لگ رہی ہو۔"

دونوں چوٹیوں کو پکڑتا اور سر پر گرہ لگا کر باندھ دیتا۔ ریما چیختی "کیا کر رہے ہو' ماموں!" وہ ہنس دیتا۔ جب کبھی بھی معظم سے ملاقات ہوتی۔ ادھر ادھر کے مذاق ہوتے رہتے۔ بات چیت جو بھی ہوتی رہی ہے' وہ آج بے معنی اور بے تکی سی لگتی ہے۔ اور خیال آتا ہے' کاش! یہ گفتگو معنی خیز ہوتی۔ رات کو اکثر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ جاتے۔ سب اپنی اپنی بولیاں بولتے۔ معظم بھی ساتھ دیتا مگر بہت کم۔ ہم سب کا یہ عالم ہوتا کہ نہ ہمارے منہ بند ہوتے اور نہ ہماری زبانیں تھکتیں۔ مگر معظم کو اکثر کھویا ہوا پایا۔ بات مکمل کرتا تو تھوڑی دیر بعد میں نے اسے سر جھکائے خیالوں میں کھویا اور گم ہوا پایا۔ پہلی آواز پر نہیں بلکہ دوسری آواز پر چونک جاتا اور کہتا "ہوں' جی باجی!"

دیر تک جاگنے کا پروگرام نہ بھی ہوتا تو بھی حتی الوسع کوشش یہ ہوتی کہ چائے بنائی جائے اور وہ بھی خود۔ معظم جلدی سے اٹھ جاتا۔

"بیٹھو بیٹھو' آپ سب میرے ہاتھ کی چائے پیو۔ بڑی مزیدار بناتاہوں۔"

ویسے اسے الائچی والی چائے بہت پسند تھی۔ اس نے ہم سب کے لئے

چائے بنانی اور پھر برتن بھی خود دھونے۔ ہم اسے چھیڑتے کہ ہمارا بیٹ مین آج Long Leave کے بعد آیا ہے' چائے تو بنائے گا نا۔ معظم نے بخوشی اثبات میں سر ہلا دینا۔ ہم سب کو اپنے بیتے ہوئے سنہرے دنوں کی یاد سے سرشار کرتا۔ مگر فالتو بات سے پرہیز کرتا۔

پھر ٹی وی پر ایسی Movies دیکھتا جو جنگ کے بارے میں ہوتیں۔ راشد منہاس اور میجر طفیل کے حالات زندگی پر بنائی گئی فلمیں اس کی توجہ کا مرکز بنیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا اخلاق دوسروں پر اچھا تاثر چھوڑتا تھا۔ جب کبھی بھی کوئی غلطی کرتا وہ اس کی وہیں اصلاح کردیتا۔ خاص کر چھوٹے بہن بھائیوں اور بھتیجوں بھانجوں کی۔ ہر کسی میں وہ ایسی خوبیاں دیکھنا چاہتا تھا' جس سے وہ ایک سلجھا ہوا انسان اور مکمل کردار کا نمونہ نظر آتا ہو۔ گاہے گاہے بچوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی تلقین کرتا رہتا۔ ریما نے اسے خط لکھا جس کا جواب اپریل ۱۹۹۵ء میں دیا گیا۔ ریما کو لکھا۔

"تم اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہو۔ وہ تمہیں انجینئر یا ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس طرح تم قد میں اونچی ہو اسی طرح تم کو پڑھائی میں بھی اونچا ہونا ہے۔ دنیا میں نام پیدا کرو ورنہ کوئی نہیں پوچھتا۔ جس طرح مجھ جیسے سادے بندے کو کوئی نہیں پوچھتا۔

فرسٹ آنے پر مبارک باد!

اور تمہارا تحفہ آنے پر تم کو مل جائے گا۔"

جنوری ۱۹۹۵ء میں سیاچن سے جب بڑی بہن اسماء کی شادی پر آیا تو اپنے آبائی گاؤں رہتاس دادا ابو کی قبر پر فاتحہ کے لئے جانے کا پروگرام بنایا۔ مجھے ان لوگوں نے سکول سے لیا۔ میں چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ رہتاس پہنچی۔ قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مجھے ایک طرف لے گیا اور سرگوشی کی صورت

میں بات کی۔

"باجی! جب میں شہید ہو کر آؤں تو دادا ابو جان کی
قبر کے ساتھ دفن کروانا۔"
میں نے اس سے کہا۔
"تمہارا کیا کام ہے دادا ابو کے ساتھ! یہ دادی امی
کے لئے جگہ ہے۔۔"
"نہیں باجی!"
میں نے ذرا غصے میں کہا "بس کر معظم!"
"باجی او باجی۔ میں Serious ہوں۔ آپ مذاق نہ
سمجھیں!"

واپسی پر ہم چھوٹی بہن سلمیٰ کے گھر گئے۔ حسب معمول عام سا سالن پکا ہوا تھا۔ حسیب بھائی (میرے بہنوئی) بازار سے کباب سپیشل بنوا کر لے آئے۔ وہ میرے حصے کا کباب میری پلیٹ سے اٹھاتا اور یہ کہہ کر کھانا شروع کر دیتا۔

"باجی! آپ کو تو گوشت پسند نہیں۔
آپ نے تو نہیں کھانا نا۔ میں کھا لیتا ہوں۔"

بس اسی طرح کے ہلکے پھلکے مذاق میں کھانا وغیرہ کھایا اور گھر واپس آ گئے۔

۱۴ فروری ۱۹۹۵ء کو جب واپس سیاچن جانے لگا تو مجھ سے کہا کہ میری بات یاد رکھنا اور میرے لئے شہادت کی دعا کرنا۔ اس کے جانے کے بعد خیال آیا کہ وہ رہتاس والی بات یاد دلا رہا تھا۔

اور وہ سیاچن چلا گیا۔ وقت گزرا۔۔۔۔۔۔

۱۵ اور ۱۶ مئی کی درمیانی شب کروٹ بدل بدل کر گزاری۔ وقفے وقفے سے آنکھ کھل جاتی مگر درود شریف پڑھ کر دوبارہ سونے کے لئے آنکھیں بند کر

لیتی---- ذرا بھر بھی معظم کی طرف دھیان نہ گیا۔ ایک بجے کے قریب سکول میں معظم کے شہید ہونے کی اطلاع ہوئی اور پونے چار بجے معظم بھی کاندھوں پر سوار' ایک خاص شان و شوکت کے ساتھ آن پہنچا!

ہمیشہ گھر کے چھوٹے دروازے سے آتا تھا مگر------

آج وہ بڑے دروازے سے داخل ہوا۔

آہ! معظم تو کتنا عظیم ہے۔ تیری عظمت کو سلام کہتی ہوں۔

ایک لمحہ کے لئے یاد آیا' جب معظم نے کہا تھا۔

"باجی! نماز پڑھ کر میری شہادت کے لئے دعا کیا کرو۔"

"معظم! ہم تجھے "جنرل معظم علی" کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو سٹیج پر کھڑا سلامی لے رہا ہوگا۔ اس وقت ہم بوڑھے ہو چکے ہوں گے۔"

ہنس دیا اور بولا!

"او باجی! بڑھاپے میں یعنی زندگی گزار کر شہادت
پانا' یہ بھی کوئی بات ہوئی؟ مزا تو تب ہے کہ جوانی میں
شہادت نصیب ہو۔"

میں نے کہا' "ساتھ نہ لے جانے کا بہانہ بہت اچھا ہے۔"

یہ وہ معظم تھا' جو بچپن ہی سے شہادت پانے کا خواہش مند تھا۔ بلکہ یہ خواہش جنون کی حد تک تھی۔ اور آخر کار وہ اپنے اس پکے ارادے میں کامیاب ہوگیا جس کا اظہار خود اس کا چہرہ کر رہا تھا۔ اور لوگ بھی فاتح معظم علی کی اس فاتحانہ زندگی کی داد دے رہے تھے۔

آج کا دن معظم کی اپنی زندگی کا پیغام بن کر ابھرا اور اس کا نام ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں اس رب کریم نے لکھ دیا جو دو جہانوں کا مالک ہے۔ اور جس کے آگے ہم گناہ گار بے بس ہیں۔

یہ دن ایسے لگے کہ سال بیت گیا
ہوئی ہماری ہار اور تو جیت گیا

اک تصویر جدائی کی ہے'
اک منظر حیرانی کا!

تایازاد بڑی بہن' سلمٰی حبیب

محبت سے آباد رستوں پر گرنے والے آنسو پھول بن جاتے ہیں۔ اور یہ پھول ہمیشہ یادوں میں مسکراتے رہتے ہیں۔ ہمارا ہر راستہ معظم علی بلوچ کے گھر تک جاتا تھا۔ اور اس کی فیملی کا ہمارے گھر تک...... اس کی ذات ہمارے لئے نوید تھی۔ اس کو میں نے گود میں اٹھایا..... کھلایا بھی ...... بلکہ یوں کہنا چاہئیے کہ وہ عجیب مانوس طبیعت کا مالک تھا۔ بچپن میں بھی صبر و استقامت کا مظہر تھا۔ بڑی بڑی چوٹیں لگتیں مگر رونے کی بجائے خاموشی سے دیکھتا رہتا۔ ہم تمام گھر والے پریشان ہو جاتے مگر اس کے چہرے پر اطمینان سا ہوتا...... وہ ریڈیو بھی سنتا' ٹی وی بھی دیکھتا مگر اس کی ذات سادگی کا نمونہ تھی۔ آج کل کے نوجوان لڑکوں کی طرح نہ تو اچھل کود کرتا اور نہ ہی کوئی شوخی تھی۔ وہ اپنے وطن سے دل سے محبت کرنے والا لڑکا تھا۔ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے

پیچھے اسرار چھوڑ جاتے ہیں' انوار چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں شہادت کا جذبہ لئے آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔

مجھے یاد ہے کہ جب بھی وہ مجھے ملتا تو نہایت خلوص و شفقت لئے۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ ذاتی مسئلے بھی ہوتے تو ڈسکس کرلیتے۔ اکثر ہماری محفلیں جمتیں اور خوب گپ شپ ہوتی۔ ایک دفعہ میں اور اس کی آپو اسماء یعنی ہم تینوں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ خاندان کے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ معظم پہلے تو ہنسا۔ پھر سنجیدہ ہوگیا اور بولا۔

"باجی! خاندان کے لوگ باتیں کرتے ہیں تو کرنے دیں۔ آپ اپنی طرف سے تو اچھا کرتی ہیں نا۔"

میں نے اس سے کہا۔

"معظم! بات اچھائی کی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم لوگ ان کے بارے میں کوئی Hurt کرنے والی بات نہیں کرتے تو وہ کیوں ہمیں Hurt کرتے ہیں؟"

"باجی! ہر انسان کی اپنی تربیت ہوتی ہے۔ اپنا انداز ہوتا ہے۔ آپ اپنی فیملی کو لے لیں۔ دیکھیں میرے ابو' آپ کے ابو اور چھوٹے چچا' ہم سب میں کتنا پیار ہے' ہم ایک دوسرے کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ بات تو اپنی فیملی کی کریں نا۔ یہ تو خدا کا شکر ہے' ہم سب میں اتنا پیار ہے کہ کسی اور فیملی میں نہیں ہے۔ اب دوسرے رشتہ داروں کا اپنا انداز ہے۔ بس آپ خدا سے یہ دعا کیا کریں کہ خدا ہمیں دوسروں کو Hurt کرنے سے بچائے اور ہم لوگوں کو نیکی کے راستے پہ چلائے۔"

آپو جو پاس بیٹھی ہوئی تھی' وہ بھی بڑی محظوظ ہوئی' مسکرائی اور بولی۔

"دیکھا باجی! معظم نے کتنی اچھی بات کی ہے۔ بس حوصلہ رکھیں۔ دلیر بن جائیں۔"

معظم بھی ہنسا۔ اور پھر میرے لئے اور آپو کے لئے چائے بنانے کچن چلا گیا۔ اس قسم کی ہزاروں ایسی باتیں ہیں کہ لکھوں تو پھر لکھتی چلی جاؤں۔

وقت گزرتا گیا' اسے "فوجی کمانڈو" بہت اچھے لگتے تھے۔ خود کہتا' "میں کمانڈو بنوں گا۔" اس کے کمرے میں آرمی کے مختلف پوسٹر لگے ہوتے تھے۔ مجھے یقین ہو چلا کہ میرا یہ بھائی' یہ چھوٹا سا کزن اپنی منزل حاصل کرلے گا۔ اس کا آرمی میں جانا مجھے بھی بہت اچھا لگا تھا۔ جب وہ کیڈٹ کالج میں داخل ہو گیا تو اور زیادہ محبوب ہوگیا۔ کبھی میں بھی "ویک اینڈ" پر چچا کے ساتھ اسے ملنے چلی جاتی۔ بہت خوش ہوتا اور فخر سے وہاں کی Activities کے بارے میں بتاتا۔ پھر انہی دنوں میری شادی ہوگئی۔ میں نے مذاق مذاق میں اس سے کہا کہ تم نے کب مجھے ملنے آیا کرنا ہے۔ اس نے کہا۔

"آپ دیکھ لیں کہ میں آپ کو ملنے آیا کروں گا۔"

یہ بات اس نے سچ کر دکھائی۔ وہ جب بھی گھر آتا' میرے سسرال' جو کہ دینہ میں تھا' مجھے ضرور ملنے آتا۔ مجھے اتنی خوشی ہوتی کہ میں اسے بتا نہ پاتی۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا چلا گیا۔ وہ جہلم سے نکل کر کاکول پہنچ گیا۔ اتنا جوش و خروش اس میں ہوتا کہ ہم خود حیران رہ جاتے کہ معظم کتنا جنون رکھتا ہے فوجی کمانڈو بننے کا۔

میرے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تو اس نے کارڈ بھیجا۔ جب خود ملنے آیا تو بولا۔

"آپ کو ایئر فورس بہت پسند ہے نا۔ تو اسے

پائلٹ بنائیے گا۔"

میں نے کہا۔

"معظم! بہت ہی مشکل ہے ایئرفورس میں۔ البتہ آرمی میں ضرور کراؤں گی۔ اس کے بڑے ہونے تک تم کرنل جنرل بن چکے ہوگے۔ جب تم سفارش کرو گے تو ایڈمشن ہو جائے گا۔"

میری بات سن کر وہ خوب ہنسا۔ پھر بولا۔

"باجی! وقت نہ جانے کیا کرے، دیکھا جائے گا۔"

میں یہ بات سن کر فوراً بولی۔

"دیکھو معظم! یاد رکھنا میری بات۔ اس وقت آنکھیں نہ چرانا بلکہ میرے بیٹے کو ایڈمشن تم نے ہی دلوانا ہے....."

جب وہ کوئٹہ گیا تو وہاں سے میرے لئے سوئٹر لایا۔ پھر گلگت سے چادر لے کر آیا۔ اور بار بار پوچھتا "باجی! کلر اچھا ہے نا۔" تو میں نے کہا، بہت ہی پیارا۔ بلکہ میں ہنسی کہ تم Choice بڑی غضب کی رکھتے ہو۔ جواباً شرما گیا اور بولا۔

"باجی! مجھے تو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیسی لوں۔ بس یہ اچھی لگی تو لے لی۔"

انہی دنوں اس کی آپو اسماء کی شادی کے دن آگئے۔ معظم جس دن پہنچا، سب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہم سب نے رات خوب شغل لگایا۔ اور باتیں کیں۔ میں نے نوٹ کیا کہ وہ بات کرتے ہوئے ایک دم چپ سا ہو جاتا۔ ذہن میں آیا کہ پوچھوں۔ مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کردیا کہ بہن کی شادی ہے۔ اس لئے ذرا خاموش خاموش ہے۔

مہندی والی رات مجھے یاد ہے کہ جب سب گھر والے تھک کر سو گئے

تو میں اپنے بچوں کو سلا کر کچن کی طرف آئی۔ معظم اور آپو دونوں باتیں کر رہے تھے۔ معظم نے فوراً پوچھا "چائے چلے گی؟" میں نے کہا "نیکی اور وہ بھی پوچھ کر؟ بھائی جلدی بنا۔" ہم تینوں نے چائے پی۔ ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ باتوں ہی باتوں میں اچانک اس نے مجھ سے پوچھا۔

"باجی! آپ اپنے گھر خوش ہیں؟"

ایک سیکنڈ کے لئے میں حیران ہوگئی کہ معظم کو آج یہ کیا بات یاد آئی۔ کیونکہ کبھی ہم نے اس موضوع پر بات نہ کی تھی۔ اس باعث مجھے وہ بہت ہی پیارا اور اپنا سا لگا کہ اسے دوسروں کی خوشیوں کا کتنا خیال ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور شرارت سے آپو سے بولی کہ اسماء! معظم یہ بتانا چاہ رہا ہے کہ آپو کے بعد میری باری ہے شادی کی۔ یعنی بڑا ہوگیا ہے بچہ۔

اسماء ہنسی اور معظم پھر بولا' "باجی! میں نے آپ سے پوچھا ہے۔"

میں نے آرام سے اسے کہا۔

"معظم! تم جیسے بھائی جب موجود ہوں تو پھر بہنوں
کو کوئی غم نہیں ہوتا...... میں خوش ہوں اپنے گھر۔"

یہ سن کر چند سیکنڈ وہ خاموش رہا اور پھر باتوں میں مصروف ہوگیا۔ میں دونوں بہن بھائی کو باتوں میں مصروف دیکھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ جہاں بچے سوئے ہوئے تھے۔

جب اس کی چھٹی ختم ہوئی تو حسب عادت وہ مجھے ملنے آیا۔ میں بہت خوش ہوئی۔ ابو بھی اس کے ساتھ تھے۔ بیٹے کو گود میں اٹھایا اور پھر بولا۔

"ارے باجی! اس کے پاؤں فلیٹ ہیں۔ اگر آپ
نے اسے فوج میں کروانا ہے تو شروع ہی سے سپیشل جوتے
بنوالیں۔"

میں نے بھی غور سے اپنے بیٹے کی جانب دیکھا تو احساس ہوا کہ واقعی

وہ صحیح کہہ رہا ہے۔ میں ہنسی اور بولی "چلو' یہ بھی مسئلہ حل کر لیں گے۔ مگر میری بات یاد رکھنی ہے۔ داخلہ تم نے ہی دلوانا ہے۔"

وہ اپنے انداز میں مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ گھر کے تمام افراد سے ملا اور پھر وہ اپنا دایاں کاندھا آگے کی طرف جھکا کر بولا۔ "اچھا باجی..." میں نے پہلے تو تھپکی دی اور پھر کاندھے پر پیار کیا اور ساتھ ہی کہا۔

"اللہ حافظ! خدا تجھے خیریت سے واپس لائے۔"

جب سے معظم بڑا ہوا تھا میں نے کبھی اسے پیار نہیں دیا تھا۔ ایک جھجک سی تھی' ہمیشہ کاندھے کو پیار سے تھپتھپا دیتی۔ مگر شاید یہ آخری ملاقات تھی۔ اسی لئے بے اختیار میں نے اس کا دایاں کاندھا چوما۔ وہ میرے آگے آگے چلا اور میں اس کے ساتھ - میری عادت تھی کہ میں اسے گلی میں جاتا دیکھتی رہتی۔ جب وہ گلی کا موڑ مڑ جاتا تو میں اپنے گھر پلٹتی۔ اس دن بھی میں کھڑی تھی کہ چند قدم چل کر وہ ایک دم واپس میرے پاس آیا اور بولا۔

"باجی! خاص دعا اب کیا کریں۔ میں سب سے اوپر ہوتا ہوں۔"

"خاص دعا کے لئے بہت وقت ہے۔ چل جا' وہ دیکھ' ابو کدھر تک چلے گئے ہیں۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک' اطمینان مگر ساتھ ہی کچھ نمی سی دیکھی..... اس بات کو محسوس کر کے میں نے فوراً" ٹھٹک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس نے بھی شاید محسوس کر لیا تھا۔ تبھی جلدی سے پلٹا اور بولا۔

"اچھا باجی! اللہ کے حوالے۔"

میں نے کہا "خدا حافظ!" اور وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا ابو کے پاس پہنچ گیا۔ جب وہ گلی کا موڑ کاٹ چکا تو ایک دم ہی میری چھٹی حس نے کہا کہ "کہیں یہ اس کا آخری چکر تو نہیں۔" بس عجیب سا ہی خیال آرہا تھا یا وہم پیدا

ہو رہا تھا۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے خدا کو مخاطب کیا۔

"اے اللہ! تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں۔

تو اسے اپنی امان میں رکھنا اور خیریت سے لانا۔"

اور پھر وہ شہادت پانے میں کامیاب ہوگیا۔ شاید کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

جانے والا یادوں کے دو عکس ادھورے چھوڑ گیا
اک تصویر جدائی کی ہے اک منظر حیرانی کا

یہ جدائی کسی صورت ختم نہیں ہوسکتی۔ ہم جس طرح بھی اسے یاد کریں آخر کو تو وہ جدا ہی ہے نا۔ ہم سب سے چھپ گیا ہے۔ اور حیرانی اس بات کی کہ اس چھوٹی سی عمر میں اس نے کتنی جلدی اپنی منزل حاصل کرلی' اتنی تیزی سے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی جلدی وہ ہم کو چھوڑ جائے گا۔ وہ فخر خاندان اور فخر شہداء ہے۔ وہ ایک سچا اور کھرا محب وطن شخص تھا۔ ہماری زندگی کے آخری لمحوں تک وہ ہمیں یاد رہے گا۔ خدا اس کی شہادت قبول کرے۔ آمین!

انٹرویو

گھر آنگن میں!

☆ اللہ ! یہ بچہ ------
تجھ پر قربان ہونا چاہتا ہے'
اسے قبول فرما!
☆ پہلا پیار' پاکستان!
☆ ہماری طرح ------
لیکن ہم سے مختلف!
☆ میرا پروقار بھائی!
☆ بلو! پنجے نہ مارا کر.....
☆.... مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا!

☆ آرزوئے شہادت کے سوا'
کوئی انتہا پسندی نہ تھی
☆ عافیہ' صالحہ اور ریما کی یادیں
☆ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن!
☆ "اپنی اپنی آرزو!"
☆ "نہیں' اباجی!
...... پاکستان کے خلاف کچھ نہ کہیں"
☆ اس کا سجود و قیام رسمی نہیں 'بلالی تھا!
☆ میرا بھائی 'میرا دوست' میرا مرشد!

ڈاکٹر یوسف اختر کا تعارف

س: ڈاکٹر صاحب! ہمیں اس انٹرویو میں پیدائش سے شہادت تک معظم شہید کی زندگی کا احاطہ کرنا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ سلسلہ شروع ہو' کچھ اپنے بارے میں فرمایئے۔

ج: میرا نام یوسف اختر ہے۔ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہوں۔ ۱۹۶۵ء میں ڈھاکہ سے ایم بی بی ایس کیا تھا۔ وانا سے ایم اے' ایم ایس کا سرٹیفکیٹ ملا۔ ۶ جولائی ۱۹۶۶ء کو آرمی میڈیکل کور میں کمشن لیا۔ فروری ۱۹۷۸ء میں اپنی خوشی سے میجری سے ریٹائر ہوا۔ اب اپنے کلینک اور پاک فیملی ہسپتال میں میڈیکل پریکٹس کرتا ہوں۔ بڑا بیٹا زہیر ذہنی طور پر معذور ہے۔ منجھلی بیٹی اسماء ڈاکٹر ہے۔ اس کی شادی ہوچکی ہے۔ معظم دوسرا بیٹا تھا۔ اس سے چھوٹا ہارون ای ایم ای کالج میں Paying Cadet کے طور پر زیر تعلیم ہے۔

اللہ ! یہ بچہ
تجھ پر قربان ہونا چاہتا ہے'
اسے قبول فرما!

شہید کے والد' ڈاکٹر یوسف اختر

س: ڈاکٹر صاحب! شہید کے بارے میں کچھ فرمائیے۔

ج: معظم کا پورا نام معظم علی ہے۔ معظم ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء کی شب اردن میں' الکرک کے سرکاری ہسپتال میں پیدا ہوا۔ ان دنوں میں فوج کے میڈیکل مشن کے ساتھ الکرک' اردن میں پوسٹ تھا۔ اور رہائش الکرک کے قریب ایک قصبہ ربہ میں تھی۔

ہسپتال میں بچے کو رجسٹرڈ کرنے کے لئے جب نرس نے اس کا مجوزہ نام پوچھا تو میں نے بتایا کہ اس کا نام معظم علی ہوگا۔

"معظم علی؟ یہ کیسے؟" نرس نے استفسار کیا۔ "آپ کا نام تو یوسف ہے۔"

میں نے کہا' میرا نام جو کچھ بھی ہو' ہم نے پہلے سے طے کیا ہوا ہے

کہ بیٹا ہوگا تو اس کا نام معظم علی رکھیں گے۔

نرس نہ مانی۔ اس کا موقف یہ تھا کہ بیٹے کے نام کے ساتھ آبائی نام ضرور ہونے چاہئیں۔ میں نے اسے بتایا' میرا نام یوسف اختر ہے'میرے والد کا نام نجیب اللہ ہے۔ دادا کا نام فتح محمد تھا۔ اس نے کہا "اچھا" اور از خود رجسٹر میں نومولود کا نام "معظم یوسف نجیب فتح" لکھ دیا۔ الکرک ہسپتال کے بچوں کی پیدائش کے رجسٹر میں معظم کا نام اسی طرح درج ہے۔

س: بیٹے کا نام معظم رکھنے کی کوئی خاص وجہ تھی؟

ج: جی ہاں! پیدائش سے چند ہفتے پہلے معظم کی تائی امی کو خواب میں ایک بزرگ کے ذریعے بشارت ہوئی تھی کہ نومولود کا نام معظم علی رکھا جائے۔ بچہ بڑے ہو کر فوج میں جائے گا۔ انہوں نے ہمیں لکھا کہ انہوں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ ہم نے اسے اشارہ سمجھا اور بیٹے کا نام "معظم علی" رکھا۔

س: جو نسیم حجازی کے ایک تاریخی ناول کا عنوان ہے۔

ج: جی ہاں' نسیم حجازی کو ہمارے گھرانے میں سب ہی نے پڑھا ہے۔ میری بیگم' شفیقہ کو بھی تاریخی کتابیں پڑھنے کا شوق رہا ہے۔ وہ بھی معظم کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے "معظم علی" اور "......... اور تلوار ٹوٹ گئی" جیسے بہت سے تاریخی ناول پڑھ چکی تھیں۔ ان کے ذہن میں بھی معظم علی اور ٹیپو' طارق بن زیاد اور یوسف بن تاشفین کے نام اور کردار گھومتے رہتے تھے۔ وہ ذاتی طور پر ٹیپو سلطان کی دلدادہ تھیں۔

معظم کے بچپن کے ابتدائی دو سال ربہ میں گزرے۔ ربہ میں ہمارے پڑوسی میجر جنرل سکندر الٰہی رانا تھے۔ ان کی بیٹیاں صباحت اور آمنہ معظم سے بہت مانوس تھیں۔ یہ ابتدائی دو سال معظم کے رانا صاحب کے گھر میں ہی گزرے۔ صباحت اور آمنہ اس سے کھیلتی کھلاتی رہتی تھیں۔ ہمارے گھر اس کو Feed کرنے یا رات کو سلانے لایا جاتا تھا۔۔۔۔

بچیوں نے اس کا نام "ننھا فرشتہ----Little Angel----" رکھا ہوا تھا۔

س: Was he that cute?

ج: Yes, he was !

صرف Cute ہی نہیں۔ ہر بچہ اچھا بچہ ہوتا ہے۔ ہر بچہ معصوم ہوتا ہے اور معصوم نظر آتا ہے۔ لیکن معظم کی معصومیت میں بھی انفرادیت تھی۔ ربہ میں ہمارا قیام ہمارے لئے اور معظم کے لئے ایک اور لحاظ سے بھی ایک نعمت ثابت ہوا۔

س: وہ کیسے؟

ج: ربہ ایک تاریخی قصبہ ہے۔ انجیل مقدس میں اسے Rabbath کے نام سے پکارا گیا ہے۔ الکرک جو اردن کا ضلعی ہیڈ کوارٹر ہے' ایک صلیبی قلعہ ہے جو صلیبی جنگوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے فتح کیا تھا۔ ہماری یہ خوش قسمتی تھی کہ ہماری پوسٹنگ اس علاقے میں ہوئی تھی جہاں تاریخی مقامات بکھرے ہوئے تھے۔

معظم کو یہ بھی سعادت نصیب ہوئی کہ آنکھ کھولتے ہی اسے ہمارے ساتھ حضرت شعیب علیہ السلام' حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت زید بن حارثؓ' حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اور حضرت جعفر طیارؓ کے مزارات پر حاضری کا موقع ملا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان بزرگوں کے مزارات کے احاطہ میں اپنی بہن اسماء کے ساتھ کھیلتا رہا تھا۔ معظم نے اپنی زندگی کی ابتداء ہی اس پاک خطے کی فضاؤں میں سانس لینے سے کی جو انبیاء اور اولیاء کا مدفن ہے۔

دمشق میں ہم میاں بیوی حضرت یحییٰ علیہ السلام اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دینے کو گئے تو معظم ہمارے ساتھ تھا۔ جب ہم نے صلاح الدین ایوبی کے پرجلال مزار پر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو

معظم ہم دونوں کے درمیان کھڑا حیرت سے مزار کو دیکھ رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ شفیقہ دعا کرتی جاتی ہیں اور بار بار معظم کے سر پر ہاتھ پھیر رہی ہیں۔ مزار کی دیوار سے باہر آتے ہی میں نے پوچھا' آپ نے کیا دعا مانگی۔ معظم کے سر پر بے چینی سے ہاتھ کیوں پھیر رہی تھیں۔ کہنے لگیں' معظم کے پیدا ہونے سے پہلے میں نے دعا کی تھی' اللہ بیٹا دے تو میں اس کی نذر کر دوں گی۔ اللہ نے بیٹا دیا۔ مجھ عاجز کی دعا قبول کی۔ آج اسلام کے اس جلیل القدر مجاہد کے مزار پر بے اختیار میرے منہ سے یہ دعا نکلی' میرا بیٹا میرا چندا میرے پہلو میں کھڑا ہے۔ اُسے اسلام کے لئے' پاکستان کے لئے قبول کر' قبول کر!

پروفیسر صاحب! وہ گھڑی شاید اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبولیت کی گھڑی تھی۔ بائیس سال سات ماہ بعد سیاچن کے برف زاروں میں یہ دعا بروئے کار آئی...... الحمد للہ!

س: وہ بیٹا خوش نصیب ہے جو راہ حق میں جان دیتا ہے۔ وہ ماں خوش نصیب ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑے یوں راہ حق میں پیش کرتی ہے۔ یہ راز' نہ معلوم کیسے' شہید نے شعور کی آنکھ کھولتے ہی پالیا تھا کہ.......

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن!

س: مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہی شہید ہونے کے لئے ہوا تھا۔ ابھی وہ دس گیارہ سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ شہادت کی آرزو کرنے لگا تھا۔

س: میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بچہ آخر بچہ ہی ہوتا ہے۔ اس ابتدائی عمر میں معظم میں آپ کو کوئی ایسی بات نظر آئی؟ کوئی Indication ملی؟ اشارہ ملا کہ یہ بچہ غیر معمولی ہے؟

ج: غیر معمولی تو نہیں۔ لیکن اس میں Initiative تو بچپن ہی سے تھا۔ یہ واقعہ تو ربہ ہی کا ہے یعنی ابھی معظم دو سال کا تھا۔

ایک روز جب ہم سب دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کر رہے تھے' معظم اپنے بیڈ روم سے Sneek کر کے باورچی خانہ جا پہنچا۔ وہاں اپنے حساب سے کھانا پکانے میں مصروف ہوگیا۔ باورچی خانے سے کوئی چیز گرنے کی آواز آئی تو شفیقہ بھاگ کر کچن پہنچیں۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی بلی گھس آئی ہے۔ وہاں جا کر کیا دیکھتی ہیں کہ فرائی پان چولہے پر دھرا رکھا ہے۔ اس میں دو انڈوں کی زردی' سفیدی تیر رہی ہے' ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا تیر رہا ہے۔ اور ہمارے معظم صاحب مصالحے کا ایک ڈبہ کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"کیا ہو رہا ہے؟" امی نے پوچھا۔

معظم نے اطمینان سے کہا۔

"آپ کے لئے آملیٹ بنا رہا ہوں۔"

اپنا کام خود کرنے 'خصوصاً" چائے وائے بنانے کی عادت معظم کی تادم آخر رہی۔ اپنے ملٹری کالج کے زمانے سے جب بھی وہ گھر آتا تو اپنی چائے خود بناتا تھا۔ اور دوسروں کو' خاص کر اپنے بہن بھائیوں کو پلاتا۔

س: بچپن کا کوئی خاص شوق؟

ج: جانوروں' خصوصاً" بلیوں کا شوق تھا۔ ربہ' اردن میں جنگلی بلیاں تھیں جو بہت خونخوار ہوتی ہیں۔ معظم نے انہیں بھی پالتو بنایا ہوا تھا۔ ڈیڑھ دو برس کی عمر میں بھی بلیوں سے پیار کرتا تھا۔ اپنے کھانے پینے کی چیزیں اپنے ہاتھ سے انہیں کھلا دیتا۔ بلیوں کا شوق اسے آخر دم تک رہا۔ آخری بار جب سیاچن سے چھٹی پر آیا ہوا تھا تو بہن کو بتانے لگا۔

"میری اگلی پوسٹنگ بہاولپور میں ہوگی۔ میں وہاں بلی ضرور پالوں گا۔"

"اس کی شاید ضرورت پیش نہ آئے۔" بہن نے مسکرا کر کہا۔

"شاید اس وقت تمہارے ساتھ بلی سے بھی پیاری اور شاندار چیز ہو۔"

معظم اشارہ سمجھ گیا۔ مسکرا کر کہنے لگا۔ "دیکھا جائے گا۔"

ستمبر ۱۹۷۴ء میں ہم لوگ پاکستان واپس آگئے۔ اس سے پہلے کہ میں معظم کی دستان حیات کا اگلا ورق الٹوں' یہ بتاتا چلوں کہ پاکستان آنے سے پہلے ہم نے مع معظم' بچوں کے ساتھ روضہ ء رسولؐ پر حاضری دی تو ایک بار پھر میں نے اور شفیقہ نے دعا کی۔ .

"یااللہ! یہ بچہ تیری نذر ہے۔

اسے توفیق دے کہ یہ دینی منصب کے کام آئے۔"

پاکستان آکر معظم نے اپنی رسمی تعلیم جہلم کانونٹ سکول سے شروع کی۔ چھٹی میں ایف جی پبلک سکول' جہلم کینٹ میں داخلہ ملا تو اس وقت اس کی عمر دس گیارہ سال کی تھی۔ کانونٹ ہی کے زمانے سے اسے پاکستانیت کا رجحان واضح طور پر محسوس ہونے لگا تھا۔ پبلک سکول پہنچتے پہنچتے وہ کٹر پاکستانی بچہ بن چکا تھا۔ یہ پاکستانیت ہمارے گھرانے کی پہچان ہے۔ خاص طور پر اس کی امی اس کو پاکستان بننے کے وقت کے واقعات سناتی رہتی تھیں۔ ان کی اپنی دلچسپی اسلامی تاریخ میں رہی ہے۔ نسیم حجازی کے ناولوں کا ہمارے گھر میں پورا سیٹ موجود تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے پانچویں چھٹی میں پہنچتے پہنچتے اس نے ان ناولوں اور اسلامی کتابوں کو پڑھنا اور چاٹنا شروع کردیا تھا۔ گھر کی تربیت سے بھی زیادہ کوئی غیر مرئی طاقت تھی جو اسے اسلام اور پاکستان کی طرف کھینچ رہی تھی کہ وہ بچپن ہی میں گھر بھر سے زیادہ Involved پاکستانی ہوگیا تھا۔

س: اس کی کوئی Concrete مثال؟

ج: ایک واضح مثال اس کی یہ ہے کہ دن میں ٹی وی یا ریڈیو پر ایک آدھ بار پاکستانی پرچم کے ساتھ قومی ترانہ ضرور بجتا ہے۔ جب اس طرح چھت کے نیچے قومی ترانہ بج رہا ہو تو اس کے لئے رسمی مواقع کی طرح تعظیما" کھڑا ہونا غالبا" ضروری نہیں ہوتا۔ عملاً بچے وغیرہ بہت کم اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ لیکن معظم کی روش اور تھی۔ جب بھی قومی ترانہ بجتا' وہ پورے اہتمام سے مٹھیاں

بند کرکے سیدھا ساکت و صامت کھڑا ہو جاتا۔ خواہ کوئی کھڑا ہو یا نہ ہو۔ مجھے یہ کھڑا ہونا محض Ritual کے طور پر نہ تھا' پورے جذبے' پوری Feelings کے ساتھ تھا۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ترانے کے الفاظ کو دل سے Follow کر رہا ہے۔

پاکستان اس کے ایمان کا حصہ تھا۔ملک کے حالات ایک عرصہ سے ایسے رہے ہیں اور ہیں کہ تبصرہ کرتے وقت کوئی نہ کوئی سخت بات منہ سے نکل ہی جاتی ہے۔ پاکستان سے اس کی عصبیت اس درجہ تھی کہ وہ پاکستان کے خلاف کوئی بات سن ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ لیکن اگر دیکھا تو اس وقت جب کوئی پاکستان کے کسی پہلو پر تنقید کرتا۔ آخر آخر میں اسلام سے متعلق اس کی عصبیت اس درجے کی تھی کہ اسے صحیح معنوں میں "بنیاد پرست" کہا جاسکتا تھا۔ ان معنوں میں ہر اچھا مسلمان بنیاد پرست ہوتا ہے۔

۱۹۷۴ء میں پاکستان آنے کے بعد میری پوسٹنگ نارووال ایریا کی ایک یونٹ میں ہوگئی تھی۔ چنانچہ معظم اپنی والدہ کے ساتھ جہلم میں اپنے تایا ابا کے گھر رہا۔ یہاں پہلی بار اس کا اپنے خاندان کے افراد سے رابطہ ہوا۔ دادا' دادی' تایا' تائی امی اور ان کے بچے' سب اس سے پیار کرتے تھے۔ وہ تھا ہی اتنا Loving اور Cute۔ سب اسے لاڈ پیار کرتے تھے۔ اس عمر میں اس کی دو دلچسپیاں تھیں۔ ایک بلیاں' دوسرے اڑتے ہوئے پرندے۔

بلیوں سے تو وہ مستقبل کھیلتا رہا۔ یہ شوق اس کا ربہ سے شروع ہوگیا تھا۔ اڑتے ہوئے پرندوں کو غور سے دیکھتے رہنا اس نے جہلم میں آکر سیکھا۔ پرندوں سے بھی وہ بہت Fascinate ہوتا تھا۔

س: نفسیاتی لحاظ سے پرندوں سے اس کی Fascination بہت اہمیت رکھتی ہے۔

ج: ڈیڑھ سال بعد میری پوسٹنگ نوشہرہ ہو گئی۔ نوشہرہ' فیملی سٹیشن ہے۔ اس لئے میں نے فیملی کو نوشہرہ بلوا لیا۔ اب معظم چار سال سے اوپر کا ہو چکا تھا۔ نوشہرہ ہی میں اس کی "بسم اللہ" ہوئی اور اس کی رسمی تعلیم عربی کے قاعدے سے شروع ہوئی۔ قاعدہ پڑھنے وہ شام کو مسجد میں جاتا تھا جو گھر کے بالکل سامنے تھی۔ ساتھ ہی اسے رسالپور کانونٹ سکول میں کے جی ون میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ یوں معظم کی تعلیم ۱۹۷۶ء میں شروع ہوئی۔

س: شروع شروع میں اکثر بچے بدکتے ہیں۔ معظم کا رویہ کیسا تھا؟

ج: شروع دن سے ہی وہ سکول کے لئے خود تیار ہوتا اور شوق سے سکول جاتا۔ بس میں معظم کے ساتھ ہی اسماء اور اس کا ماموں زاد بھائی بھی جاتا تھا۔ لیکن بس میں سب سے پہلے بھاگ کر وہی بیٹھتا تھا۔ سکول سے واپس آکر بڑی ذمہ داری سے ڈریس تبدیل کرتا اور سکول کا کام خود ہی کرتا۔ عصر کے وقت مسجد میں قاعدہ پڑھنے جاتا۔ قاعدے کو بھی اس نے کبھی Miss نہیں کیا۔ جہلم میں اس کی ہابی ...Bird Watching تھی۔ نوشہرہ میں اس نے ایک اور ہابی Pick کی۔

س: وہ کیا؟

ج: Train Watching!

مسجد سے قاعدہ پڑھ کر آنے کے بعد وہ میرے اردلی علیم خان کے ساتھ گھر کے قریب سے گزرتی ہوئی ریلوے لائن کے قریب جا کر کھڑا ہو جاتا اور چھک چھک' شوشو کرتی ٹرینوں کو دیکھ کر خوش ہوتا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔

ریل گاڑیاں بھی اسے Fascinate کرتی تھیں۔ ایک بار اس نے اپنے دادا ملک نجیب اللہ مرحوم کے ساتھ جہلم سے نوشہرہ تک کا سفر اپنی بہن اسماء کے ساتھ کیا اور کئی دن بہت تفصیل سے اس سفر کی روداد سناتا رہا۔

س: کہتے ہیں' اپنے بچے بھی تین قسم کے ہوتے ہیں- ایک وہ جن کی عزت کی جاتی ہے- دوسرے وہ جن سے خدمت کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے- تیسرے وہ جنہیں Tolerate کیا جاتا ہے- معظم کو آپ کس زمرے میں رکھتے ہیں؟

ج: معظم کی عزت بھی کی جاتی تھی اور اس سے محبت بھی- عزت اس کے لائف سٹائل کی وجہ سے اور محبت اس لئے کہ دوسروں کے کام آتا تھا- چھوٹے بڑے کی خدمت میں پیش پیش رہتا تھا- اس چھوٹی عمر میں بھی اس میں سمجھ تھی' شعور تھا جو بڑوں بڑوں میں بھی کم ہی ہوتا ہے-

س: اس کی کوئی مثال؟

ج: اس کی ایک ایسی ٹھوس مثال میرے ذہن میں ہے کہ جی چاہتا ہے کہ کھڑے ہو کر اس کی یاد کو Salute کروں- میں نے شروع میں بتایا تھا کہ میرا بیٹا زہیر سلطان ذہنی طور پر معذور ہے- کسی بچے کی معذوری والدین کے لئے بڑا امتحان ہوتی ہے- ایسے بچے کے والدین اس بچے کے بارے میں بڑے Sensitive ہو جاتے ہیں- دوسرے بچے خواہ کتنے ہی اچھے ہوں' اس بچے کی معذوری کی خلش دل سے نہیں جاتی- اور وہ نہیں چاہتے کہ اس بچے کو کوئی Slightly بھی نظر انداز کرے' یا معذوری کی نظر سے دیکھے- زہیر معظم سے چار سال بڑا ہے- معظم کا کمال یہ تھا کہ اس نے زہیر کو ہمیشہ Full Respect دی- جب چھوٹا تھا تب بھائی جان زہیر یا زہیر بھائی جان کہتا تھا- اور جب پی ایم اے میں تھا یا جب سیاچن سے آتا' سب سے پہلے زہیر سے زہیر بھائی جان کہہ کر ملتا- کبھی اس نے زہیر کو صرف نام سے نہیں پکارا- کبھی اس سے Rude نہیں ہوا- ہر چند کہ زہیر کی معذوری اس نوعیت کی ہے کہ اس کے لئے ادب اور بے ادبی کوئی معنی نہیں رکھتی- اس کے باوجود معظم نے بھائی کا ادب ملحوظ رکھا-

س: How great!

ج: کتنی بڑی بات ہے' کیسا عظیم رویہ ہے۔ معظم میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ لیکن زہیر کے ساتھ اس کا جو رویہ تھا۔

I respect him for that....

بعض اوقات اولاد میں سے کوئی اتنا اونچا ہوتا ہے کہ والدین اس کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ..... Moazzam was that great

اسی طرح وہ اپنی بہن اسماء کو بھی آپو کہتا۔ دونوں کا آپس میں بہت پیار تھا۔ لیکن معظم نے بڑی بہن کو ہمیشہ بڑی بہن ہی سمجھا۔ اس کا چھوٹا بھائی ہارون نوشہرہ میں ۱۹۷۶ء میں پیدا ہوا تو معظم کی عمرے + 4 سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود کہ ماں باپ کی پوری توجہ نومولود کی طرف ہوگئی تھی۔ اس نے کبھی Sibling Jealousy کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ پہلے دن سے اس سے لاڈ کرتا رہا۔ دونوں بھائیوں کے مزاج میں فرق ہے۔ جیسا کہ ہوتا ہے۔ دونوں کی سوچ کے دھارے مختلف ہیں۔ Aspirations مختلف ہیں۔ معظم کو بھی اس کا احساس تھا۔ اس نے بھی اصرار نہیں کیا کہ ہارون بھی اس کے Ideals کو اپنائے۔ لیکن ہارون کے کیریئر سے اس کا Concern ماں باپ سے بھی زیادہ تھا۔ ہارون کی اپنی Ambitions کے مطابق وہ اس کی کیریئر پلاننگ کرتا رہتا۔ ہارون کو بھی ملٹری کالج میں داخلہ ملا تھا۔ اس نے اس سے کبھی نہیں کہا کہ لازمی طور پر فوج میں جاؤ۔ ہارون کا رجحان انجینئرنگ کی طرف تھا۔ معظم نے اسی شوق کو ہوا دی۔

اوائل ۱۹۹۵ء میں ہارون نے ای ایم ای کالج میں Paying Cadet کی حیثیت سے داخلے کی درخواست دے رکھی تھی۔ معظم بہت Concerned تھا۔ شہادت سے دو دن پہلے معظم کے ایک این سی او کا بنکر سے فون آیا۔

"سر معظم پوچھ رہے ہیں کہ ہارون کا کیا بنا۔ اس کو ای ایم ای کالج

میں داخلہ ملا یا نہیں؟"

یہ وہ وقت تھا جب اس کی پوسٹ پر دشمن حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ اس نازک وقت بھی جب انسان کو اپنا ہوش نہیں ہوتا' اسے اپنے بھائی کی فکر تھی۔

س: اب تک معظم کی جو داستان زندگی میں نے سنی ہے' اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ معظم کا تعلق انسانوں کے اس بہت قلیل مگر بہت قیمتی قبیلے سے تھا جسے مختار مسعود نے "آواز دوست" میں "اہل احسان" کہا ہے۔ جو جیتے ہیں تو دوسروں کے لئے جیتے ہیں' مرتے ہیں تو دوسروں کے لئے مرتے ہیں۔ جو بنیادی طور پر "انسان دوست" ہوتے ہیں۔ باعث خیر کثیر——— جو آیہ رحمت ہوتے ہیں۔ اپنے پرائے کا غم کھانا' مصیبت میں غیروں کے کام آنا' گرتوں کو تھام لینا' انہیں آتا ہے۔

They are caring and sharing.

A healing heart they have and

move about with a healing touch......

بقول اقبال' حسن طبیعت اور سوز دروں ان کی پہچان ہوتی ہے۔ معظم کو بھی یہ امتیاز عظیم حاصل تھا۔ خود اس کا نام معظم اس کے مقام کی دلیل ہے۔

ج: یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ اللہ کریم نے اسے ہمارے گھر کے آنگن میں اتارا اور یوں ہمیں وہ عزت دی جو کسی کسی کے حصے میں آتی ہے۔

س: ہم معظم کی اٹھان کی بات کر رہے تھے۔

ج: جی ہاں! میں بات وہیں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے سلسلہ کلام ٹوٹا تھا۔ میں بتا رہا تھا کہ وہ بعض Attitudes لے کر پیدا ہوا تھا۔

س: مثلاً"؟

ج: جب وہ ہمارے ساتھ نوشہرہ میں تھا تو اس کی عمر بمشکل پانچ یا چھ سال

تھی- اس عمر میں بھی وہ نوشہرہ سے جہلم آتے ہوئے اٹک کے قلعہ پر' جہاں فوج کے کمانڈوز "ایس ایس جی" کا ایک تربیتی مرکز ہے' اصرار کر کے گاڑی رکواتا- خود مین گیٹ کے سنتریوں کے پاس جاتا' ان سے ہاتھ ملاتا اور کہتا'

"میں بھی کمانڈو بنوں گا-"

آپ غور کیجئے- اس عمر میں اس نے کمانڈوز کے "سپیشل رول" کو تھوڑا بہت سمجھ لیا تھا- کمانڈوز کی زندگی میں جو Thrill جو Adventure اور خصوصاً" جو چیلنج ہے' اس کا تھوڑا بہت ادراک اسے ضرور تھا- ورنہ صرف کمانڈوز سے رشتہ جوڑنے کی کیا ضرورت تھی- اٹک کے قلعہ پر گاڑی رکوا کر ایس ایس جی کے جوانوں کو دیکھنے کی کوشش کرنا' سنتری سے گپ شپ کرنا اتنے تواتر سے ہوتا تھا کہ ایک پٹھان سنتری معظم کو پہچاننے لگا- معظم کو اوپر آتا ہوا دیکھ کر وہ کہتا-

"آؤ میرے بچے' ہمیں معلوم ہے تم کمانڈو بنے گا-"

اور معظم خوش ہو جاتا- پھر گاڑی میں دیر تک مجھ سے کمانڈوز کے بارے میں پوچھتا رہتا- کمانڈوز کی سیاہ وردی اسے بہت پسند تھی- ایک روز مجھ سے پوچھنے لگا' کمانڈوز جب دشمن کے علاقہ میں پیراشوٹ سے اترتے ہیں تو پہلے کیا کرتے ہیں- وغیرہ وغیرہ- جو کچھ مجھے کمانڈوز کے بارے میں معلوم تھا' میں بتاتا رہتا- اس کی طبیعت میں خطر پسندی تھی- ۱۴ مئی ۱۹۹۵ء کی سہ پہر تابش پوسٹ پر جس ایکشن میں وہ شہید ہوا' ں میں اس نے کمانڈوز ہی کی سی خطر پسندی کا مظاہرہ کیا- دشمن نے اسے راکٹ کا نشانہ بنایا- اگر وہ بنکر ہی میں دبکا رہنا پسند کرتا تو یوں شہید نہ ہوتا- بہادری نام ہی خطر پسندی اور سخت کوشی کا ہے-

فروری ۱۹۷۸ء میں' میں نے آرمی میڈیکل کور سے Voluntary او Early ریٹائرمنٹ لے کر جہلم میں مستقل رہائش اختیار کر لی-

س: جی ٹی روڈ پر آپ کا یہ مکان آبائی ہے؟

ج: جی نہیں۔ یہ والد گرامی ملک نجیب اللہ کی زیرِ نگرانی بنا تھا۔

س: آپ کے دادا مولوی فتح محمد کہاں Settled تھے؟

ج: رہتاس میں۔ قلعہ رہتاس میں ایک عرصہ والد ہیڈ ماسٹر رہے۔ وہیں آباد ہوئے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ رہتاس ہمارا مستقر ہے۔

جہلم آکر معظم شہید کانونٹ سکول کی کلاس ون میں داخل ہوا۔ ۱۹۸۳ء تک، پانچویں تک، معظم اسی ادارے میں رہا اور بہت اچھا رہا۔ یہاں اسے بہت اچھی ٹیچرز سے واسطہ پڑا۔ مس میری کو وہ بات یاد کرتا تھا۔ اس زمانہ میں وہاں ایک سکاٹش پرنسپل Sister Maureen تھیں۔ ان سے بہت مانوس تھا۔ ان Nuns اور Sisters کے Devotion سے براہ راست یا بالواسطہ اس سکول کے سب ہی بچے متاثر ہوئے۔ معظم جب بڑا ہو اور سن شعور کو پہنچا تو وہ کانونٹ کی ٹیچرز مس میری اور مس الگزنڈرا کو بہت یاد کرتا تھا۔ پانچویں کے اواخر میں، میں نے معظم کو ایف جی پبلک سکول کی پانچویں ہی میں داخل کرادیا تھا تاکہ چھٹی میں داخلہ کی کوئی دقت نہ ہو۔ ایف جی پبلک سکول میں بھی معظم نے تقریباً پانچ سال پڑھا۔ ۱۹۸۸ء میں اس نے اے گریڈ میں میٹرک کا امتحان اس سکول سے پاس کیا۔

س: کانونٹ یا ایف جی پبلک سکول کے زمانہ کی کوئی خاص بات؟

ج: میرے علم میں کوئی خاص بات نہیں، سوائے اس کے کہ ایف جی پبلک سکول میں اس کا Maths بہت اچھا تھا۔ یہ شوق اسے اپنے دادا ابا سے ورثے میں ملا تھا۔

س: Maths بہت Concentration چاہتا ہے۔

ج: Studies کے بارے میں وہ ہمیشہ Serious رہا۔

He was always studies oriented.

آپ نے ابھی کانونٹ اور ایف جی کے دور کے بارے میں پوچھا تھا۔

اس وقت کوئی واقعہ تو میرے ذہن میں نہیں۔ لیکن یہ بتانا چاہوں گا کہ میٹرک کرتے کرتے سیرت النبیؐ سے متعلق کتاب رحمت اللعالمین' ڈاکٹر حمیدالدین کی تاریخ اسلام' سید سلیمان ندوی کی خطبات مدراس' مولانا مودودی کی خطبات' دس مسلمان سلاطین' دس سپہ سالاران اسلام' صحابیات' خالد سیف اللہ ' صادق حسین کی سراج الدولہ' محمد بن قاسم' صلیبی معرکے اور یوسف کی درس زندگی' بے شمار کتابیں وہ پڑھ چکا تھا۔ نسیم حجازی کا پورا سیٹ اس کی ذاتی لائبریری میں ہے۔ معظم علی' اور تلوار ٹوٹ گئی کے مکالمے اسے ازبر تھے۔ مولوی فتح محمد جالندھری کا ترجمہ قرآن فتح الحمید تھوڑا بہت ہر روز پڑھتا تھا۔ ملٹری کالج کے زمانہ میں یا اس کے بعد اسے جو تھوڑا بہت وقت پڑھنے کا ملا' وہ پڑھتا رہا۔ سروسز کلب کی کتابیں میرے پاس ہوتی تھیں' وہ بھی دیکھتا۔ ملٹری کالج کی کتابیں تذکرہ شہداء' جراتوں کے نشان' اکرم نشان حیدر' کرنل حق نواز کیانی شہید ستارۂ جرات' اس نے پڑھی تھیں۔ بانگ درا پڑھتا رہتا تھا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

کا پوسٹر اس نے آٹھویں درجہ ہی میں اپنی الماری کے اوپر لگا لیا تھا۔

ملٹری کالج' جہلم میں داخلے کے لئے معظم نے ۱۹۸۶ء میں بھی کوشش کی تھی۔ سب ٹیسٹ اور انٹرویو Clear کر لئے تھے۔ آخر میں قد کی کمی کی وجہ سے آخری Selection میں نہ آسکا۔ لیکن اس کی مسلسل خواہش تھی کہ ملٹری کالج جائے۔ چونکہ یہ فوج میں جانے کا پاسپورٹ تھا۔

آخر ۱۹۸۸ء میں فرسٹ ایئر Special Entry میں اسے میرٹ پر داخلہ ملا۔ یہ اس کی زندگی کا اہم موڑ تھا۔ اس دن سے اسے اپنی منزل قریب نظر آنے لگی تھی۔

یہاں میں یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ معظم نے سائنس کے اے گریڈ میں میٹرک کیا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ ایف ایس سی (پری میڈیکل) میں داخلہ لے تو

بہتر ہو گا کہ اس طرح میڈیکل میں جانے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ ہر ڈاکٹر کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا ڈاکٹر بنے۔ چونکہ میری بیٹی اسماء میڈیکل کر رہی تھی اس لئے اور بھی دل چاہتا تھا کہ بیٹا بھی ڈاکٹر بنے۔ گو ہمیں پہلے سے اندازہ تھا کہ اس کا رجحان فوج کی طرف ہے۔ میٹرک کے بعد ہم نے پوچھا' اب کیا آرزو ہے تو اس نے بھی دوٹوک جواب دیا۔

"میڈیکل کا بالکل نہیں۔ میری منزل فوج ہے۔ اس لئے میں ملٹری کالج جانا چاہتا ہوں۔"

میں نے اسی دن داخلہ فارم منگوائے اور داخلہ کی کارروائی شروع کردی۔ اس کا داخلہ اس کی شدید خواہش پر اور میرٹ پر ہوا۔

معظم کو ڈائری لکھنے کی عادت تھی۔

س: یہ بھی علامت ہے اس کے ذہنی طور پر Disciplined اور Oriented ہونے کی۔ ورنہ اس عمر میں ڈائری لکھنے کے جھنجھٹ میں کون پڑتا ہے۔

ج: چنانچہ ملٹری کالج میں داخلہ کے بعد وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے:

"میں اب ملٹری کالج' جہلم میں' F.Sc. میں' پڑھ رہا ہوں۔ میں آرمی میں جانا چاہتا ہوں۔ میں نے ۶ ستمبر۱۹۸۶ء کو ٹیسٹ دیئے اور سلیکٹ ہوگیا۔ میں یہاں پر ۸ اکتوبر کو آیا اور ۱۰ اکتوبر سے پڑھائی شروع ہوگئی ہے۔ مجھے ٹیپو سلطان ہاؤس ملا ہے اور ڈرام یعنی کمرہ نمبر۹۔ میرا کالج نمبر ۵۲۶۹ ہے۔"

ٹیپو سلطان ہاؤس کا ماٹو ہے———Duty First

یہ ماٹو اس کے حسب حال تھا۔ ہاؤس کا نام چونکہ اس کے آئیڈیل ہیرو کے نام پر تھا' یہ ہاؤس ملنے پر وہ بہت Excited تھا۔ اس نے اسے اشارہ غیبی

سمجھا۔ خود اس کی ماں نے بھی یہی سمجھا۔

س: کچھ Apprehensions تو نہیں ہوئیں؟

ج: ضرور ہوئی ہوں گی۔

صورت حال یہ تھی کہ ۸۶-۱۹۸۵ء سے شہادت کی خواہش کا اظہار شروع ہوگیا تھا۔ اپنے کمرہ میں اس نے اقبال کا معروف مصرعہ-----

"شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن"

اور سلطان ٹیپو کا مشہور مقولہ------

"شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

آویزاں کر رکھا تھا۔ ہم میاں بیوی کی ذہنی حالت عجیب سی تھی۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ ٹیپو بنے۔ ٹیپو بننے کا جو مطلب تھا' وہ بھی ہم جانتے تھے۔ اس کی روز بروز شدید تر ہوتی خواہش کا بھی ہمیں علم اور احساس تھا۔ لیکن والدین ہونے کے ناطے اس کی شہادت کے خیال سے Reconcile نہ کرسکتے تھے۔ شہادت سے متعلق یہ مصرع اس کے ذہن پر چھا گیا تھا۔ اس نے ڈائریوں کے پہلے صفحوں پر بار بار یہ مصرع لکھا ہے۔

ملٹری کالج میں وہ پڑھائی اور Duties کے معاملے میں بہت Serious رہا۔ چونکہ یہ اس عظیم مقصد کے حصول کی ایک منزل تھی۔ یہی رویہ اس کا پی ایم اے میں رہا۔ ملٹری کالج میں اس کے شب و روز' وہ چیز جسے جدید مینجمنٹ سائنسز میں Continuous Quality Quest کہتے ہیں' اسی تگ و دو میں گزرتے رہے۔

ملٹری کالج میں تعلیم کے دوران جب بھی وہ "ویک اینڈ" پر یا چھٹی پر گھر آتا تو رات کے کھانے کے بعد وہیں میز پر بیٹھے بیٹھے ملٹری کالج کے شب و روز کی "داستان امیر حمزہ" چھیڑ دیتا۔ یہ ہوا اور یہ ہوا۔ اور پھر اس نے یہ کیا---- میں نے یہ جواب دیا-زیادہ تر باتیں میس کی ہوتیں۔ چونکہ وہ ہاؤس

کا میس سیکرٹری تھا۔

یہ قصے سن سن کر جو اکثر Repeat بھی ہوتے تھے' چھوٹا بھائی ہارون بہن سے اکثر کہا کرتا۔

"آپو! بھائی جان جب آتے ہیں
تو آتے ہی ٹیپ ریکارڈ کی طرح آن ہو جاتے ہیں۔"

واقعی ایسا ہی ہوتا تھا۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ "ویک اینڈ" ہو' مختصر چھٹی ہو یا ٹرم کی لمبی چھٹی' وہ آتے ہی دادا' دادی' بھائی' بہنوں سے ملنے کے بعد تایا' تائی امی کو فون کرتا۔ تایازاد بہنوں غزالہ اور سلمٰی سے ملتا۔ رشتے میں تایا' شریف ملک سے ضرور ملنے جاتا۔

س: آپ نے معظم کی "بنیاد پرستی" کی بات کی۔ دیکھنا یہ ہے کہ مذہبیت کس طرح اور کتنی اسکی رگ و پے میں اتری تھی۔ بقول شاعر:

"جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے"

ج: آپ نے اچھا کیا' یہ سوال اٹھایا۔ یہ معظم کا Strongest Point تھا۔ اسلامی قدریں...... ایثار' احسان' خدمت...... اس کی رگ و پے میں سما گئی تھیں۔

س: مثلاً ؟

ج: مثلاً یہ کہ شہادت سے ہفتہ عشرہ پہلے کا واقعہ ہے۔ سیاچن میں معظم کے ایک Colleague کیپٹن نصر اللہ خان برف کا ایک تودہ گرنے سے' اپنے چند جوانوں کے ساتھ' شہید ہوگئے تھے۔ معظم نے بہت Involve ہو کر اس حادثہ پر ملال کیا۔ بلکہ ان شہیدوں کے ایصال ثواب کے لئے اپنی شہادت سے صرف تین دن پہلے دو نفلی روزے رکھے۔

جب پی ایم اے میں تھا تو ان مواقع پر جہاں .G.Cs ٹریننگ کی سخت Exercises کے بعد سیدھے بستر پر آ گرتے ہیں' معظم بلا استثنیٰ' نماز ادا

کر کے سوتا۔

دردمندی، خدمت اور قربانی اس کی Internalized Values تھیں۔ بہن اختر بیگم شریف ملک کا چشم دید واقعہ ہے کہ ان کے گھر کی خادمہ کا بوڑھا شوہر سائیکل پر جلانے کی لکڑی کا "بالن" لے جا رہا تھا، جو اس سے سنبھل نہیں پا رہا تھا۔ معظم اس وقت سیکنڈ لیفٹیننٹ تھا اور ان کے ہاں ملاقات کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس نے بوڑھے کی یہ حالت دیکھی تو سائیکل کو سہارا دیتے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیا۔ اور اس کے منع کرنے کے باوجود، اصرار کر کے، میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر، اسے اس کے گھر چھوڑ آیا۔۔۔۔۔ بغیر کسی تکلف کے، اس طرح Naturally جیسے اسے یہ خدمت بجا ہی لانا تھی۔

اس کے دل کی طرح اس کا ہاتھ بھی فراخ تھا۔ کیپٹن ہونے سے پہلے بھی کسی سوالی کو اس نے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔ ہم گھر میں پیشہ ور فقیر اور ضرورت مند میں تمیز کرتے تھے۔ معظم اس فرق کو اکثر نظر انداز کر جاتا۔ میں نے ایک آدھ بار اسے سمجھایا بھی کہ پیشہ ور اور غیر پیشہ ور میں تمیز کر لیا کرو۔ کہنے لگا۔

"ابا جی! یہ تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔"

It is better to err in the right side.

"بجائے اس کے کہ ضرورت مند خالی ہاتھ جائے،
کیا پیشہ ور مانگنے والوں کو دے دینا اچھا نہیں؟"

اس نے مجھ سے اختلاف بھی اس سعادت مندی سے کیا کہ میں چپ ہو گیا۔ اس کی عادت تھی کہ سوالی کو، نوٹ کی مالیت دیکھے بغیر، دیتا تھا۔ کسی نے ٹوکا تو کہا۔

"اس کی قیمت مت دیکھو۔

ہمارے رزق میں دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔"

میں نے آپ کے Character Building Module میں ایک سٹکر

I am Caring and Sharing.

کا دیکھا ہے۔ معظم کو خدا نے ایسا بنایا تھا کہ وہ سراپا Caring and Sharing تھا۔

میں نے پہلے بتایا کہ وہ ٹیپو ہاؤس کے ماٹو Duty First سے بہت متاثر تھا۔ بلکہ جس طرح اس نے اس ماٹو کو اپنے دل میں اتار لیا تھا' شاید ہی کسی اور نے اتارا ہو۔

اس کی شہادت کے بعد میں اس کے ہاؤس ماسٹر میجر سبطین عباس صاحب سے ملا۔ اور پوچھا کہ' بقول آپ کے' معظم کالج کے Top Ten میں تھا۔۔۔۔۔ تو آپ نے اسے میس میں سیکرٹری ہی کیوں بنایا؟

سبطین صاحب نے کہا۔

"بظاہر تو یہ عہدہ دوسرے عہدوں سے جونیئر ہے۔
لیکن ذمہ داری اور Integrity میں سب سے سینئر ہے۔
چونکہ میس میں کھانے پینے کا معاملہ ہے' کھانا پینا ہر جگہ' خاص طور پر پبلک سکول میں جہاں ہر وقت بھاگ دوڑ کی وجہ سے سب کو بھوک لگی رہتی ہے اور دوستوں کی نظریں میس سیکرٹری پر جمی رہتی ہیں۔ میس کی ذمہ داری کو' بغیر رو رعایت کے پوری Integrity سے نبھانا معظم کا کام تھا۔ اس کی Total Integrity ہی کو دیکھ کر اسے میس سیکرٹری بنایا گیا تھا۔"

معظم ۱۷ مئی ۱۹۸۹ء کی ڈیٹ لائن کے نیچے اپنی ڈائری میں لکھتا ہے:

"مجھے ٹیپو ہاؤس کا میس سیکرٹری بنایا گیا ہے۔ میں
بہت خوش ہوں کہ اتنے لڑکوں میں مجھے چنا گیا۔"

س: یہ آخری فقرہ غور طلب ہے کہ اتنے لڑکوں میں مجھے چنا گیا۔ یہ اس کے Salf Image کا غماز ہے اور Sense Of Responsibility کا بھی۔ آپ نے شہید کی ڈائری سے یہ Extracts سنائے۔ اس طرح کی ڈائری جو بندہ صرف اپنے لئے لکھتا ہے' کسی کی نفسیاتی کیفیات کی ترجمان اور ترجیحات کی غماز ہوتی ہے۔

س: معظم کی ڈائری میں اور کیا کیا ہے؟

ج: قرآن حکیم کی آیات کا انگریزی ترجمہ' احادیث مبارکہ' قائد اعظم کے اقوال' اقبال کے اشعار۔ یہ ہیں ڈائری کے Contents--------

س: کوئی رومانی شعر' جو اس عمر کا تقاضا ہے؟

ج: نہیں۔ کسی کی ذاتی ڈائری اس کے بعد پڑھنا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ میں دونوں ڈائریوں کو اول تا آخر پڑھ گیا۔ ان میں ایک لفظ بھی منفی نہیں تھا۔ کسی واقعہ پر' کسی کی ذات' پر کوئی منفی چھینٹا نہیں تھا۔

س: شہید کی سیرت نگاری کا تقاضا ہے کہ ڈائری سے کچھ اقتباسات Reproduce کئے جائیں۔

ج: اس سے پہلے کہ میں کچھ اقتباسات سناؤں تاکہ آپ اسے کتاب میں جگہ دے سکیں' میں یہ دہرانا چاہتا ہوں کہ اس کی اسلامی عصبیت بہت پختہ تھی۔ ان معاملات میں' جن کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی' اس کی اپنے رائے ہوتی تھی۔ معظم نومبر ۱۹۸۹ء کی ایک ڈیٹ لائن کے نیچے لکھتا ہے:

"آج ہمیں محسوس ہی نہ ہوسکا کہ نیا سال شروع
ہوچکا ہے۔ کچھ لڑکوں نے Happy New Year کہا۔
میں چپ رہا۔ ہمارا سال تو یکم محرم سے شروع ہوتا ہے۔"

س: براہ کرم شہید کی ڈائری کے صفحات کی فوٹو کاپیاں منگوا دیجئے۔ کہ شہید کے کردار کے مطالعہ کے لئے اس سے زیادہ ٹھوس شہادت Evidence Authentic بھلا کیا ہو سکتی ہے۔

ج: اس ڈائری کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

"Those who leave their homes, In the cause of Allah and then stain or die, on them will Allah bestow verily goodly provision, truly Allah is he who bestows the be provisions"

(Al-Hajj, 58)

"And think not of those who are stain in the way of Allah , a dead: Nay, they are living, with their LORD they have provisions:

(AL-IMRAN. 169)

"Two drops are most dear to Allah; the drop of tear shed in the fear of Allah and the drop of blood shed in the way of Allah"

(HOLLY PROPHET, P.B.U.H)

"He who gives his life in the way of Allah feels the pain as if an ant has bitten him".

(HOLLY PROPHET, P.B.U.H)

"Keep up your morale. Do not be afraid of death. Our religion teaches us to be always prepared for death. We should face it bravely to save the honour of Pakistan and Islam. There is no better salvation for a Muslim than the death of a martyr, for a righteous cause"

(Quaid-e-Azam)
October 30, 1947
University Stadium Lahore.

"Unflinching faith, Invincible courage and eagerness to embrace SHAHADAT in the cause of Allah, invite tidings of divine help and sure victory against the forces of evil".

"Shahadat means martyrdom or testimony"

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے چند اشعار اس کی ڈائری میں ملتے ہیں۔

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں

○

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

○

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

○

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں
جو کبوتر پر جھپٹنے کا مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

س: معظم کی ڈائری کے یہ صفحات اس کے خیالات اور ترجیحات کی مکمل تصویریں ہیں۔ وہ ایمان و یقین کی جس منزل سے گزر رہا تھا' اس کی مکمل عکاسی ان اقتباسات سے ہوتی ہے۔ اٹھتی جوانی کی یہ عمر نادانیوں کی ہوتی ہے۔

ج: لیکن خدا نے اس کے قلب و نظر کو روشن کردیا تھا۔

س: اور شہادت کو اس کا مقدر کردیا تھا۔

ج: ملٹری کالج میں وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہمیشہ ہمہ تن مصروف رہا۔ میں کہا کرتا تھا۔ بیٹے!

Not failure but low aim is a crime.

اس نصیحت کو اس نے گرہ میں باندھ لیا تھا۔

۶ ستمبر ۱۹۸۹ء کو وہ کالج کے ان Top Ten لڑکوں میں سے تھا جو پی ایم اے کاکول کی پاسنگ آوٹ پریڈ دیکھنے کے لئے Select ہوئے تھے۔ وہ اس اعزاز سے زیادہ اس Opportunity سے خوش تھا جو اسے اپنی عقیدت گاہ کی زیارت کرنے کے لئے ملی تھی۔ جس پی ایم اے میں داخلے کے وہ خواب دیکھا کرتا تھا' آج وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے جا رہا تھا۔ اس کا ذکر بھی اس کی ڈائری میں ہے۔ اور مابعد کے واقعات کا بھی۔

س: میرا خیال ہے کہ اس کی ڈائری سے اقتباسات نقل کرنا بہتر ہو گا۔

ج: ٹھیک ہے۔ میں فوٹو کاپی کروا دیتا ہوں۔

معظم اپنی ڈائری میں لکھتا ہے

"چھ ستمبر کو ہم دس لڑکے

Khalid Mehmood	5248	Tipu Sultan House
Mubashir Hussain	5257	Sher Shah House
Aftab Rameez	5287	Aurangzed House
Mansur Ahsan	5255	Tipu Sultan House
Iftikhar Ahmed	5281	Aurangzeb House
Naeem Shehzad	5251	Aurangzeb House
Ahmed Bilal	5274	Tipu Sultan House
Nasır Raja	5265	Sher Shah House
Azwar Ch	5259	Aurangzeb House
Moazzam Ali	5269	Tipu Sultan House

جو پوسٹ و یکیشن ٹیسٹ میں فرسٹ آئے تھے' وہ 80th کورس کی پاسنگ آوٹ پریڈ دیکھنے گئے۔ کالج کوسٹر ساتھ گئی تھی۔ ہمارے دو آفیسر ساتھ گئے' میجر جواد اور کیپٹن جاوید۔

ہم لوگ تقریباً ۱۲ بجے دن ایبٹ آباد پہنچے۔ لنچ کے بعد ہم گھومنے پھرنے چلے گئے۔ ہمیں ایک اولڈ عالمگیرین' جو فرسٹ ٹرم میں تھا' ملا۔ ایک Cafe لے گیا۔ وہاں سے ہم کاکول پی ایم اے کی طرف چل پڑے۔ عجیب احساسات تھے' عجب جذبات تھے۔ اگلے دن ہم تیار ہو کر پاسنگ آؤٹ دیکھنے گئے۔ زبردست پریڈ تھی۔ لنچ کے بعد سرائے عالمگیر کی طرف واپسی کا سفر شروع کیا۔

۱۳ ستمبر ۱۹۸۹ء

"اس دن ہمارے کالج میں ڈیفینس منسٹر کرنل (ریٹائرڈ) سرور چیمہ گیسٹ سپیکر کے طور پر آئے۔ تقریر میں وہی پچھلے گیارہ سال کا رونا تھا۔"

۱۴ ستمبر ۱۹۸۹ء

"Raising Day کے لئے فل ڈریس ریہرسل تھی۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۵ء کو کالج کا آغاز ہوا تھا۔"

۱۵ ستمبر ۱۹۸۹ء

"۱۵ ستمبر کو کالج کا Raising Day منایا گیا۔ چیف گیسٹ جنرل (ریٹائرڈ) اقبال خان تھے جو عالمگیرین ہیں۔ ان کا کالج نمبر ۱۱۸۷ تھا۔

۸ اکتوبر تا ۵ نومبر ۱۹۸۹ء

"ہمارے کالج میں Annual Day کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ سارا سارا دن پریڈ کروا کروا کر مار ڈالتے ہیں۔"

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء شہید معظم کی زندگی کا ایک اور جذبوں سے بھرپور دن

تھا۔ اس دن وہ کلاس کے ساتھ چھمب جوڑیاں سیکٹر دیکھنے گیا۔ وہ خوش تھا کہ آج میں دشمن کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا۔ پاک فوج کے مجاہدوں کو اپنے ملک و قوم کی حفاظت کے لئے مورچہ بند دیکھوں گا۔ اس تاریخ کو وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے۔

"گجرات کے راستے ہم کالج کوسٹر پر ڈھولک نگر تک گئے۔ ہمارے ساتھ میجر تاج اور کیپٹن مقصود تھے۔ ڈھولک نگر سے ہمیں کیپٹن وقار (پنجاب رجمنٹ) نے گائیڈ کیا۔ وہاں سے ہم جنرل افتخار میموریل' افتخار آباد گئے۔

جنرل افتخار ۱۹۷۱ء میں شہید ہوئے تھے۔ وہاں ہمیں میجر عاشق حسین ملے۔ جنہوں نے ہمیں چھمب کی فتح کے بارے میں بریف کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ادھر ہماری ۴۱ پنجاب Deploy ہے اور ادھر انڈیا کی ۱۷ جاٹ۔ وہاں سے ہم منڈیالہ پل گئے۔ اس پل کی دوسری طرف ہماری آخری چوکی ہے۔ پل دونوں طرف سے ٹوٹا ہوا ہے۔ اس سائیڈ پر ہینگنگ برج بنایا ہوا ہے۔ اب ہم انڈین چوکی سے صرف ۲۰۰ گز کے فاصلہ پر تھے۔ وہاں پر فوجیوں کی زندگی دیکھ کر بہت جذبہ پیدا ہوا۔"

۷ نومبر ۱۹۸۹ء

"ہمارا Annual Day تھا۔ چیف گیسٹ یسطور الحق ملک چیف آف نیول سٹاف تھے۔"

۱۰ مارچ تا ۱۱ اپریل ۱۹۹۰ء

"ہمارے F.Sc کے امتحان ہوئے۔ بس ٹھیک ہی ہوئے۔"

۲۴ اپریل ۱۹۹۰ء

"وہ سفر جو ملٹری کالج، جہلم میں ۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو
شروع ہوا تھا، اختتام پذیر ہوا۔ اور ہم سب بچھڑ کر اپنے
اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔"

س: آئی ایس ایس بی کی تیاری سے متعلق شہید کی کیفیات بتائیے۔

ج: ۲۴ اپریل ۱۹۹۹۰ء کی شام ہی سے معظم نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آئی ایس ایس بی کی تیاری شروع کردی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ دو میل کی دوڑ، کچھ دیر پی ٹی، ناشتہ کے فوراً بعد اخبارات کا مطالعہ، جنرل نالج اور انٹیلی جینس ٹیسٹ، کتابوں پر ارتکاز، غرض تیاری کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کی جانب اس نے توجہ نہ دی ہو۔ پاکستان ملٹری اکیڈمی چونکہ اس کی منزل مقصود سے ایک قدم کے فاصلے پر تھی، اس لئے وہ وہاں جانے کے لئے بے حد بے چین تھا اور کوئی چانس نہیں لینا چاہتا تھا۔ ماں، دادی، دادا، ہر بزرگ سے یہی درخواست تھی۔

"پی ایم اے کے سلیکشن کے لئے دعا کریں۔"

"شہادت کے لئے دعا کریں۔"

شہید معظم اپنی ڈائری میں لکھتا ہے۔

۱۶ جولائی ۱۹۹۰ء

"مجھے آئی ایس ایس بی کی کال آئی۔ ۱۷ اگست کو
آئی ایس ایس بی کے لئے گوجرانوالہ رپورٹ کرنا ہے۔"

اس دن شہید معظم خوش تھا۔ کیونکہ منزل دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ہر ایک کو کال کے متعلق بتا رہا تھا۔ بزرگوں کے علاوہ، رشتے میں سب بھائی بہنوں کو اپنی کامیابی کے لئے دعاؤں کا کہہ رہا تھا۔

۱۷ تا ۲۱ اگست ۱۹۹۰ء

"۱۷ اگست کو میں اور ناصر گوجرانوالہ کینٹ کے
لئے ریل کار پر گئے۔ وہاں سے کوسٹر پر آئی ایس ایس بی
سنٹر پہنچے۔ Alamgirians کی تعداد سات تھی۔

Moazzam Muddasir Nibah Nasir

Mumataz Usman and Faisal

اگلے دن Psych-Day تھا۔ اس کے بعد
GTO-Days تھے۔ پھر آخری دن واپسی۔"

۲۵ اگست ۱۹۹۰ء

"مجھے آئی ایس ایس بی کی طرف سے لیٹر آیا کہ
میں Recommend ہو گیا ہوں۔ بہت خوش ہوا۔"

۳۔۴ ستمبر ۱۹۹۰ء

"میرا میڈیکل سی ایم ایچ، جہلم میں ہوا۔ میں اللہ
تعالیٰ کے فضل و کرم سے فٹ ہو گیا۔ اب صرف فائنل
سلیکشن رہ گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سلیکٹ ہو کر پی ایم
اے، کاکول جاؤں گا۔"

آخری برسوں کی بے قرار آرزوؤں کی تعبیر ۹ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو بروئے کار آئی جب اس نے پی ایم اے میں جوائننگ کی۔ نئے نئے جی سیز اکیڈیمی کی روایتی Ragging اور شروع کی سختیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ لیکن اس کی تو یہ حالت تھی کہ ----

جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

س: It is all a state of mind.

رویہ بدلے، Attitude بدلے تو ہر چیز بدل جاتی ہے۔

ج: آپ نے صحیح کہا۔ چونکہ معظم ملٹری اکیڈمی کو اپنی پرواز کا ایک مرحلہ

سمجھتا تھا۔ اس لئے اکیڈمی سے اسے So to say محبت سی ہو گئی تھی۔ مڈٹرم بریک اور ٹرم بریک پر جب کبھی گھر آتا تو' بقول اپنے بھائی کے' "ٹیپ ریکارڈر کی طرح آن" ہو جاتا۔ پی ایم اے میں کچھ عرصہ سے پاکستانیات اور اسلامیات کے مضامین لازمی قرار دیئے گئے تھے۔ اس حوالے اور اس ماٹو کے حوالے سے جو فوج کو دیا گیا تھا' یعنی "ایمان' تقویٰ' جہاد فی سبیل اللہ " وہ بے حد مطمئن تھا۔ یہ ماٹو بہتوں کے لئے قال ہوگا لیکن اس کے حسب حال تھا جس میں وہ پوری طرح Involved تھا۔

"ایمان' تقویٰ' جہاد فی سبیل اللہ !"

شہید معظم نے اپنی ڈائری میں اس ماٹو کی جو تشریح لکھی وہ اس طرح ہے۔

IMAN

To have faith and trust in Allah and consider oneself,

a. A slave of none but Allah.
b. A follower of none but His Messenger.

TAQWA

It signifies

a. The fear of Allah.
b. Guarding one's tongue, hands and heart from evil.
c. Rigteousness, piety and good conduct.

JIHAD-FI-SABILILLAH

The real objective of Islam is to shift the hardship of man over man to the Lordship of Allah on earth. To stake one's life and every thing else to achieve this sacred purpose is jihad.

س: اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس ماٹو کے بارے میں کتنا Serious تھا۔

ج: آپ کو یاد ہوگا' معظم نے اپنی ڈائری میں اقبال کے جو اشعار نقل کئے

ہیں- ان میں سے ایک مصرع یہ ہے-

سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں!

یہ سخت کوشی اس کی پہلی ترجیح تھی' Priority تھی' چونکہ یہی جہاد کی روح ہے- پی ایم اے میں اپنے زمانہ تربیت میں نہ صرف وہاں کی Life Tough کو ہنسی خوشی برداشت کیا بلکہ اس سے آگے بھی صحیح معنوں میں سخت کوش' وہ سختیوں کا متلاشی رہا-

کہ جن سختیوں کو اٹھانا ہے مشکل
وہی ہیں کچھ اے دل اٹھانے کے قابل

س: آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟

ج: پی ایم اے میں Para Trooping کا بہت سخت کورس کرایا جاتا ہے- معظم نے اس کورس کو حاصل کرنے کی جد و جہد بہت سنجیدگی سے کی- اس سلسلے میں دو ایک خط Quote کرنا چاہوں گا-

۱۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو معظم نے اپنے خط میں لکھا-

Dear Abu and Ammi
Assalam-O-Alaikum,

Hope you are all well. I am also happy here and enjoying. It is quite tough life but we will get used to it.... I have decided to apply for the tests for the selection in para Trooping and I will work hard to pass.

Your Loving Son
Moazzam

۱۷ اگست ۱۹۹۱ء کو شہید نے لکھا-

"پیارے ابو اور امی!

السلام علیکم- میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت سے

ہوں- آپ سب بھی بخیریت ہوں گے- میں اس دفعہ Para Trooping کے ٹیسٹ کی تیاری کر رہا ہوں- میں اپنی تو پوری کوشش کروں گا- آگے اللہ کی مرضی- اگر اس دفعہ نہ جا سکا تو اگلی مرتبہ تو انشاء اللہ ضرور جاؤں گا- کیونکہ 2nd Term میں ۲۰ اور 3rd term میں ۱۰ سیٹیں ہوتی ہیں- مرضی تو میری یہی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس دفعہ ضرور جاؤں- آگے اللہ کی مرضی- میں روزانہ گیم کے وقت Test کی تیاری کرتا ہوں- کمانڈوز ٹیسٹ لینے کے لئے ستمبر کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں آئیں گے- ہمارے Exams تقریباً ۱۲ ستمبر کو شروع ہوں گے- بس دعا کریں- انشاء اللہ تعالیٰ اچھے نمبر لوں گا-

اماں جی- اباجی کی خدمت میں میرا سلام دیں-

اللہ حافظ

آپ کا بیٹا

معظم"

۱۴ دسمبر ۱۹۹۱ء کو اس نے لکھا-

"پیارے ابو جان و امی جان!

السلام علیکم- اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں خیریت سے ہوں- آپ کا خط اور پیسے مل گئے تھے- ہم ابھی Exercise پر جا رہے ہیں- جمعرات کو واپس آئیں گے- پہلی Tactical Exercise ہے- دعا کریں- اللہ تعالیٰ ہر موقع پر مدد فرمائے- ہم لوگ اور آدھی تھرڈ پاک بٹالین Blue Land کا حصہ ہیں- فرسٹ پاک بٹالین اور

باقی آدمی تھرڈ بٹالین Fox Land ہے۔ باقی پھر لکھوں گا۔

اللہ حافظ

آپ کا بیٹا

معظم"

ایک دفعہ شہید Para Trooping کی ٹریننگ کے دوران پشاور سے جہلم آیا تو اس کے ہاتھ اور دونوں بازو کہنیوں تک بری طرح چھلے ہوئے تھے۔ پوچھا تو ہنس کر کہنے لگا۔

"جیپ کے پیچھے زمین پر گھسیٹا جاتا ہے۔ تاکہ ہوا کے دوران اگر پیرا شوٹ جسم کو کھینچے تو اس کو الگ کرنے کی مشق ہو جائے۔ ابو' وہاں پر ہمارا پہلا پریڈ گراؤنڈ کا ایک چکر ہوتا ہے۔ ایک کیڈٹ پاکستان کے جھنڈے کو لہراتا ہوا سب سے آگے دوڑتا ہے اور باقی سب پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ ابو! اس مملکت اسلامیہ کے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔"

شہید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنی محنت سے Instructors کی نظروں میں آتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ آخری ٹرم میں وہ اورنگزیب کمپنی کا جونیئر انڈر آفیسر بنا دیا گیا جو کہ کیڈٹ کے لئے ایک اعزاز ہوتا ہے۔ اور پھر وہ دن شہید کی زندگی میں آیا جب اس کے خواب کی پہلی سیڑھی ختم ہو رہی تھی۔

۱۵ اکتوبر-------پاسنگ آوٹ!

جب ہر فرد خوش ہوتا ہے۔ کیڈٹ بھی اور سٹاف بھی' ماں باپ بھی اور قریبی عزیز و اقارب بھی۔ جہلم سے شہید کے تایا ابا محمد شعیب' تائی امی کنیز فاطمہ' میں اور اس کی امی' بڑی بہن اسماء' چھوٹا بھائی ہارون اور چھوٹی بہن صالحہ ۱۴ اکتوبر کو ایبٹ آباد پہنچے اور کنیز فاضل صاحبہ کے گھر اترے۔ شام کو

معظم شہید آیا ملنے کے لئے۔

Radiant and excited

جاتے ہوئے کہہ کر گیا۔ "صبح جلدی آئیں تاکہ آگے جگہ مل سکے۔"

۱۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء کی صبح سویرے کاکول پہنچے۔ آرمی آفیسر انگلوژر میں جگہ ملی۔ شہید کیڈٹ سعد کے ہمراہ آکر ملا اور پھر چلا گیا کیونکہ پریڈ گراؤنڈ کے ساتھ ہی دوسری گراؤنڈ میں سب کیڈٹ اپنی اپنی کمپنی میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ وقت مقررہ پر قوم کا یہ قابل فخر سرمایہ اپنی اپنی فارمیشن میں بینڈ کی دھن پر مجاہدانہ چال چلتے ہوئے گراؤنڈ میں داخل ہوا۔ ایک عجیب سماں تھا۔ یہ جوان اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ملک و قوم کے لئے لٹانے پر تیار ہو رہے تھے۔ آج ان کا بطور کیڈٹ آخری دن تھا۔ اور کل سے انہوں نے پاکستان کمشن میں آجانا تھا۔ ہر کمپنی اپنی مقررہ جگہ پر رکتی چلی گئی۔ اور پھر پاکستان کا جھنڈا اپنی شان دکھاتا ہوا' لہراتا ہوا' چند کیڈٹوں کے جلو میں گراؤنڈ میں اور سب سے آگے آکر رک گیا۔ جنرل آصف نواز مرحوم سلامی کے چبوترے پر آئے۔ پریڈ کا معائنہ ہوا اور پھر مارچ پاسٹ۔ شہید اپنی کمپنی کے آگے نمبر دو کی حیثیت سے ہاتھ میں تلوار اٹھائے چل رہا تھا۔ ایک عجیب سا بانکپن اور خوشی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ گراؤنڈ میں مختلف تقاریر کے بعد پاس آؤٹ ہونے والے کیڈٹ نرالی شان سے پیچھے میس کی بلڈنگ کی طرف آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بینڈ کی دھیمی سر پر سیڑھیاں چڑھتے گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قوم کے یہ محافظ واقعی اب اپنی اگلی سیڑھی' اگلی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

میس کے اندر داخل ہوتے ہی ٹوپیاں اچھالی جاتی ہیں' خوشی سے شور مچایا جاتا ہے۔ پریڈ سے فارغ ہو کر ہم سب اورنگزیب کمپنی کی بلڈنگ کی طرف چل پڑے۔ اور شہید کے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد شہید کمرے میں آگیا۔ وردی اتاری' لباس تبدیل کیا۔ میجر ریحان کمپنی کمانڈر آئے۔

ہمارے سر فخر سے بلند ہوتے گئے جب میجر ریحان صاحب نے شہید کے پچھلے دو سال کے متعلق بتایا اور تعریف کی۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

شہید معظم نے اپنا قرآن کریم کمرے سے نہ اٹھایا۔ پوچھنے پر کہنے لگا۔

"ابو! یہ Tradition ہے۔ یہ قرآن کریم جو
دوسرا کیڈٹ JU بنے گا' اس کے کام آئے گا۔ وہ پڑھے
گا۔"

پاکستان ملٹری اکیڈیمی سے کمشن ہو کر اور اپنی یونٹ میں رپورٹ کرنے سے پہلے جو ہفتہ عشرہ معظم نے گھر پر گزارا' وہ اس کے لئے اور سارے خاندان کے لئے بے حد خوشی کا عرصہ تھا۔ "خوشی" اس سرخوشی اور Pride کے لئے بہت کم لفظ ہے' جو ہم سب نے محسوس کی۔ معظم پر خوشی اور شکر گزاری کی ایک ایسی کیفیت طاری تھی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۹۲ء کا وہ لمحہ میں کبھی بھول نہیں سکتا جب معظم اپنی یونٹ ۳۵ پنجاب کی وردی پہن کر اور آفیسر کی چھڑی لے کر اپنے کمرے سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ برسوں پہلے دیکھا خواب آج حقیقت بن کر سامنے تھا۔ میں نے معظم کے چہرے پر جو چمک دمک' جو Pride کی لہر دیکھی' اس کو لفظوں میں نہیں بیان کیا جاسکتا۔ اس وقت میرے تحت الشعور میں معظم کی شہادت کی اس خواہش کا اظہار ہوا جسے ہم رد کرسکتے تھے نہ قبول کرسکتے تھے۔ ماں نے دیکھا تو بلائیں لیں۔ بار بار کہتی تھیں۔

"خدا نظر بد سے بچائے'
میرا چاند کیسا شاندار نظر آرہا ہے۔"

میرا خیال ہے جب وہ یہ جملہ کہہ رہی تھیں تو ان کے تحت الشعور میں بھی وہی اندیشے ابھر رہے تھے جو میرے ذہن میں تھے۔

معظم کو اس کی چوائس پر انفنٹری رجمنٹ' پنجاب رجمنٹ میں کمشن

دیا گیا۔ اس نے Parent یونٹ ۳۵ پنجاب میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۲ء کی صبح رپورٹ کیا۔ اور یونٹ کے دستور کے مطابق اسے جوانوں کے ساتھ لائن میں رہنا پڑا۔

س: اس تجربے سے گزرنا آسان نہیں ہوتا' جب تک کوئی اسے ذہنی طور پر قبول نہ کرے۔

ج: معظم افسروں کے کچھ دنوں یونٹ میں جوانوں کے ساتھ رہنے کے فلسفے کو خوب سمجھتا تھا۔ اور چونکہ عسکری روایات اس کی رگ و پے میں خون کے ساتھ دوڑ رہی تھیں اس لئے فوجی زندگی کا ہر مرحلہ اس کے لئے ایک Pleasure بن جاتا تھا۔

شروع میں کئی ماہ تک وہ گھر نہیں آیا۔ لیکن فون پر وہ اپنی یونٹ کی باتیں اسی ذوق و شوق سے کرتا جس طرح وہ کالج اور اکیڈمی کی کیا کرتا۔ بھائی بہنوں میں ایک معصوم مذاق سا بن گیا تھا کہ دیکھیں آج فون پر بھائی جان اپنی یونٹ کے کونسے کارنامے اور حیرت انگیز واقعات سناتے ہیں۔

س: ہوتا یہ ہے کہ جہاں بندے کی پہلی محبت' First Love ہو وہاں کی ہر بات اسے اچھی لگتی ہے۔

ج: سیاچن میں اس کے کمپنی کمانڈر میجر افتخار بتا رہے تھے کہ ایک دفعہ میں اپنے بنکر میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ رات ایک بجے کا وقت تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ مٹی کے تیل سے جلنے والا لیمپ کچھ مدہم ہوا' اس میں ہوا کی کمی واقع ہوئی۔ میں نے سنتری کو آواز دی تو ایسے معلوم ہوا جیسے باہر سے معظم علی نے جواب دیا ہو۔ اتنے میں معظم رائفل سنبھالے اندر آیا۔ اور سلیوٹ کیا۔ پوچھنے پر کہ تم کیا کر رہے ہو' یہ سنتری کی ڈیوٹی اور تم؟ ایک آفیسر؟...... کہنے لگا۔

"سر! سنتری کو بخار تھا۔
میں نے اس سے کہا' جاؤ' تم آرام کرو۔
میں تمہاری جگہ ڈیوٹی دوں گا۔"

میجر افتخار ایک اور واقعہ بتا رہے تھے کہ ایک دفعہ ایک خطرناک مشن پر رات کو ایک پارٹی بھیجنا تھی۔ اس رات دشمن کا بھی خطرہ اور گلیشیر پر موسم بھی اللہ پناہ۔ شہید معظم نے اس پارٹی کا کمانڈر اپنے آپ کو بنوایا۔ اور پھر لسٹ پر نظر دوڑا کر کہا۔

"سر' فلاں جوان کا نام نکال دیں۔ اس کو ڈراپ کردیں۔ میں اس کے گھریلو حالات جانتا ہوں۔ اس کی ماں بڑی دکھی عورت ہے۔ اگر اس کو کچھ ہوگیا تو اس کی ماں کا کیا بنے گا۔"

میجر صاحب نے کہا کہ تم کو اپنا اور دوسرے دس جوانوں کا خیال نہیں؟ جواب ملا۔

"سر! ہم سب کے گھروں کے حالات ٹھیک ہیں۔"

یہ تھا معظم شہید' جو خطرے کے وقت بھی دوسروں کا خیال رکھتا۔

۱۰ اپریل ۱۹۹۳ء کو اس نے اپنے ابو امی کو خط میں لکھا۔

"امید ہے کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے کرم سے خیریت سے ہوں گے۔ میں بھی ادھر خیریت سے ہوں۔ پچھلے کچھ دنوں سے اتنی زیادہ مصروفیت ہے کہ روز سوچتا ہوں' فون کروں گا۔ لیکن بعد میں ٹائم ہی نہ ملا۔ امی' ابو! روزانہ نماز کے بعد خاص طور پر میرے لئے دعا کیا کریں کہ میں نماز پڑھا کروں۔ اور برائیوں سے بچا رہوں۔ ابھی پریکٹیکل لائف میں قدم رکھنے کے بعد مجھے پتہ چلا ہے کہ اصل میں دنیا کیا ہے۔ بس دعا کرتے رہا کریں۔ میں نے ترجمے کے ساتھ قرآن کریم شروع کیا ہے۔ بس دعا کرتے رہا کریں۔"

شہید نے ساری زندگی اور خاص طور پر فوجی زندگی اصولوں کے ساتھ

اور سخت جان ہو کر گزاری۔ ۳۱ جولائی ۱۹۹۴ء کو ایک خط میں لکھا۔

"میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل خیریت سے ہوں اور آپ سب کے لئے اپنی بٹالین کی بلند ترین پوسٹ پر دعا کرتا ہوں۔ مجھے ۲۲ جولائی کو فلائٹ مل گئی تھی۔ اور سکردو پہنچ گیا تھا۔ ۲۸ تاریخ کو میں Karmanding (ایک جگہ کا نام) سے پوسٹ کو چل پڑا تھا۔ آج ۳۱ کو میں اپنی پوسٹ پر پہنچ گیا ہوں۔ ادھر ویسے تقریباً" ۲۱۰۰۰ فٹ کے لگ بھگ بلندی ہے۔ زیادہ ہی ہے' کم نہیں۔ آکسیجن کی کافی کمی ہے۔ منہ پورا کھولیں تو سانس لے سکتے ہیں۔"

۱۷ اگست ۱۹۹۴ء کو اس نے خط میں لکھا۔

"میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل خیریت سے ہوں۔ اس وقت ہم سارے بنکر میں بیٹھے ہیں۔ باہر برف پڑ رہی ہے۔ میں جب یہاں آیا تھا تو میرا Pack جس میں سارا سامان تھا' تقریباً" ۳۰ کلوگرام تھا۔ تمام رستے میں اٹھا کر لے کر آیا۔ لوگوں نے بہت کوشش کی اٹھانے کی مگر میں نے اجازت نہیں دی۔ یہاں تک کہ سپاہی کہنے لگے کہ سر' ہم آگے جاتے ہی نہیں۔ اگر آپ پیک اٹھائیں گے۔ میں نے مذاق کیا۔

"اس میں چرس ہے۔
میں تمہیں کیسے دے دوں۔"

یہاں پر ہم نے Routine یہ رکھی ہوئی ہے کہ فجر کی نماز کے بعد سوائے سنتری کے باقی سو جاتے ہیں۔ نو بجے اٹھتے ہیں۔ ناشتے کی بجائے گیارہ بجے Brunch کرتے

ہیں- ظہر کی نماز کے بعد تمام لوگ ایک ایک سپارہ پڑھتے ہیں- پھر نارمل کوئی گیم وغیرہ- ورنہ پھر دشمن کی توپوں کا فائر- مغرب کی نماز کے بعد روزانہ تمام لوگوں کو جمع کر کے قرآن کریم کا ایک رکوع مع ترجمہ کے سناتا ہوں- رات کو عموماً" فائر وغیرہ شروع ہو جاتا ہے- باقی لوگ تو سو جاتے ہیں' سنتری کے علاوہ- لیکن مجھے بار بار راؤنڈ لگانے پڑتے ہیں- ہمارے جو چار بندے شہید ہوئے تھے- ہم نے اس کا بدلہ لے لیا ہے- دشمن کے ایک ہیلی کاپٹر کو Crew سمیت تباہ کیا ہے اور سات آدمی آرٹلری فائر سے مارے ہیں-"

س: شہادت کا جو Fixation معظم کے ذہن میں تھا' اس کی خاص توجیہ؟

ج: بچے پر تربیت' ماحول' گھر کے کلچر' Role Models...... سب چیزوں کا اثر ضرور ہوتا ہے- Fixation نہیں بنا- شہادت کی آرزو جس طرح اس کے دل و دماغ پر چھا گئی تھی اور اس کی First Love بن گئی تھی' اسے تائید غیبی ہی کہا جاسکتا ہے-

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

یہ شعر آٹھویں کلاس ہی سے اس کا مقصود نظر بن گیا تھا' کبھی چارٹ کی طرح کمرہ میں لٹکایا جا رہا ہے- کبھی کاپیوں پر لکھا جا رہا ہے- شہید کی ڈائریاں میں نے دیکھی ہیں- پہلی ڈائری ملٹری کالج میں داخلے کے دن ۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء سے کالج کو الوداع کہنے کے دن ۵ ستمبر ۱۹۹۲ء تک کے عرصے پر محیط ہے- دوسری سروس کے دوران کی ہے جو اس نے دسمبر ۱۹۹۳ء کی ۱۲ تاریخ کو شروع کی اور جس پر آخری تحریر ۲۱ مئی ۱۹۹۴ء کی ہے- دونوں ڈائریاں اسی شعر سے شروع ہوتی ہیں- شہادت یوں حاصل کی' بقول میرے ماموں زاد بھائی ملک خورشید احمد کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے معظم نے اللہ سے چھینی ہو-

شہید معظم نے ملٹری کالج میں اپنی ڈائری میں لکھا ہے۔

۲۴ اگست ۱۹۸۹ء

" مجھے PMA میں جانے کی سخت خواہش ہے۔
اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں Select ہو جاؤں گا۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر میں آرمی میں نہ جا سکا تو ایک تو اس کالج والوں نے بلا وجہ مجھ پر پیسہ خرچ کیا اور دوسرا میری زندگی کا مقصد ختم ہو جائے گا۔"

"My aim is only to join Army and to serve my religion and my belovest country <u>and lay my life as a martyr </u>INSHA ALLAH. I will succeed".

شہید معظم نے اس سے پہلے اپنے ایک خط میں جو اس نے میرے نام ۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء کو لکھا تھا' یوں لکھا ہے۔

"ابو! ویسے ایک دن بعد ہی خط لکھنے کی وجہ نہیں بنتی مگر خط لکھنے سے دل کی بھڑاس نکلتی ہے۔ ابو' بس دعا کیا کریں کہ میں زیادہ سے زیادہ پڑھا کروں۔ ویسے ابو' میں آپ کو بہت تنگ کرتا رہتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیا کریں۔ امی کو کہا کریں کہ میرے PMA کی سلیکشن کی دعا کیا کریں۔ اور ابو' میری شہادت کے لئے بھی۔ ابو' یہ میری خواہش ہے اور آپ نہیں جانتے کہ یہ بات سوچتے وقت میرے کیا جذبات ہوتے ہیں۔ ابو' یہ خط اپنے سوا کسی کو نہ پڑھائیں۔

سب کو سلام

اللہ حافظ

آپ کا بیٹا معظم"

PMA سے فارغ ہونے کے بعد' شہید جب بھی چھٹی آتا تو ہر ایک سے یہی کہتا۔

"دعا کیا کریں کہ جب بھی وقت آئے تو

میں ثابت قدم رہوں۔ اور شہید ہو جاؤں۔"

ایک دن شہید معظم لاہور اپنی یونٹ سے گھر چھٹی آیا ہوا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد شہید میرے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اور جب میں نے سلام پھیرا تو کہنے لگا۔ ابو' ایک بات کہوں۔ آپ مانیں گے؟ اس کی خواہشیں بڑی معصوم سی ہوتی تھیں۔ میں نے کہا' ہاں' بیٹے کہو' ضرور مانوں گا۔ شہید کہنے لگا۔

"یہیں بیٹھے بیٹھے میری شہادت کی دعا کریں۔"

میرے لئے ایک امتحان تھا۔

بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔

ایک طرف ایمان تھا' خدا کی رضا تھی'

دوسری طرف باپ کی فطری محبت۔

س: تو آپ نے کیا دعا مانگی؟

ج: میں شہادت کی دعا کیسے رد کرتا۔ میں نے دعا کی' اللہ یہ بچہ تجھ پہ قربان ہونا چاہتا ہے' تو اسے قبول کر۔ بس کچھ مہلت عطا کر۔ تاکہ ہم ماں باپ کا دل بھی کچھ ٹھنڈا ہو۔

س: آپ نے اتنی دعا کی۔ بڑی ہمت کی بات ہے۔

س: راضی بہ رضائے الٰہی ہونا ایمان کا تقاضا ہے۔

۱۹۹۴ء کے اوائل میں اس کی یونٹ کو سیاچن جانے کا حکم دیا گیا۔ ان احکام کے بعد جب پہلی دفعہ گھر آیا تو خوش تھا' کہنے لگا۔

" سیاچن Declared War Zone ہے۔ خوب

مزہ آئے گا۔ کفار سے دو دو ہاتھ کرنے میں۔ میری ثابت

قدمی کی دعا کریں اور دعا کریں کہ وقت آنے پر گولی سینے پر
کھاؤں۔"

سیاچن سے متعلق ایک Sticker میری الماری پر لگایا۔

SIACHEN!

NO GUTS NO GLORY !!

دسمبر ۱۹۹۳ء میں چھٹی پر آیا تو اپنے کزن ڈاکٹر احتشام الحق کی شادی پر احتشام کے ساتھ ساتھ رہا۔ اور جب اس سے آخری دفعہ ملاقات کی تو اس کو بھی شہادت کی دعا کے لئے تاکید کی۔ اپنی فوجی زندگی کے لئے اس نے اپنے آپ کو بہت سخت جان بنایا ہوا تھا۔ وہ کبھی نہ رویا' سوائے دو موقعوں پر۔ ایک دفعہ ملٹری کالج سے چھٹی آیا اور جب واپس جانے لگا تو روہانسا ہو گیا۔ اور دوسری دفعہ اپنے دادا ابا ملک نجیب اللہ مرحوم کے جنازہ پر رویا مگر بے آواز۔ ایک طرف کھڑے ہو کر آنسو پونچھتا رہا مگر خاموشی سے۔ اپنی ڈائری میں وہ لکھتا ہے۔

January 26, 1994

Early in the morning after I had taken bath, I was told by duty clerk that my grand father has died. It was a great shock for me. For a moment it seemed as if I was paralysed. He was really a great man, my teacher as well as guide of complete life. It would not be wrong, if I say that my parents did not have to worry about our training and education during his life. I have seen him more worried about our future, then even our parents.

May Allah Bless his soul.

January 29, 1994

Today our complete family went to Rohtas fort to the grave of Abba Ji. It was quite difficult to control one self.

میں نے ابھی کہا تھا کہ معظم نے سخت کوشی کی زندگی کو اپنی پہلی ترجیح' First Priority بنایا تھا۔ اس کی منزل تو شہادت تھی۔ وہ سختیوں سے کیا ڈرتا۔ بلکہ پرخار راستوں کی تلاش میں رہتا۔ وہ ہر خطرے کو چیلنج کرنا چاہتا تھا۔ سیاچن کی پوسٹنگ پر بڑوں بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ لیکن معظم کو تو جیسے اپنی منزل مل گئی تھی۔

معظم سیاچن سے آخری دفعہ جنوری ۱۹۹۵ء میں اپنی بڑی بہن ڈاکٹر اسماء اکمل کی شادی پر ایک ماہ کی چھٹی پر آیا تھا۔ ہر چند کہ بڑی بہن کی شادی ایسا موقع تھا جس پر اسے خوب چہکنا چاہیئے تھا' خوب Enjoy کرنا چاہئے تھا۔ لیکن وہ اپنے معمول سے زیادہ خاموش رہا۔ اس کے چہرے کی غیر معمولی سنجیدگی کو سب ہی نے محسوس کیا اور سیاچن کے Hang Over سے تعبیر کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے قضا و قدر سے کوئی اشارہ مل گیا تھا کہ:

مت بے چین ہو'

تیری دعاؤں کے مستجاب ہونے کا وقت قریب آرہا ہے۔

جب معظم نے فیصل آباد بہن کو خدا حافظ کہا تو اس نے خدا حافظ اس لب و لہجہ سے کہا' حافظ کے لفظ پر اتنا زور دیا کہ اسماء نے چونک کر کہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔ اس طرح کیوں خدا حافظ کہہ رہے ہو؟"

"بس دل چاہا اس طرح خدا حافظ کہنے کو۔ زندگی کا کیا اعتبار۔

دوسرے یہ کہ آپو! میری شہادت کی دعا کرنا۔"

یہ سن کر اسماء خفا ہونے لگی۔ "یہ تم نے کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ ہم تمہاری دلہن کے سرخ جوڑے سلوا رہے ہیں اور تم باز نہیں آتے۔ اگر شہید ہی ہونا ہے تو ہو جانا۔ ایک عمر پڑی ہے۔ پہلے آباد تو ہو جاؤ۔ ہمارے بھی کچھ ارمان پورے ہوں۔"

معظم مسکرا کر کہنے لگا۔

"شہادت کا مزہ تو بھرپور جوانی میں ہے۔ ٹوٹے
پھوٹے انسان کی شہادت بھی کوئی شہادت ہے؟"

اسماء نے "You are a limit!" کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ اور اداس ہوگئی۔ شاید اس کے لاشعور نے بھائی کے کفن کے کافور کی بو سونگھ لی تھی۔

لاہور سے آکر معظم قلعہ روہتاس میں اپنے دادا ابا ملک نجیب اللہ کی قبر پر فاتحہ کے لئے گیا تو واپسی پر اپنی تایا زاد بہن غزالہ سے بھی ملا اور چلتے چلتے کہنے لگا۔

"باجی! جب میں شہید ہو جاؤں تو مجھے دادا ابا کے
پہلو میں دفن کرنا۔"

غزالہ تو یہ سن کر سکتے میں آگئی اور کہنے لگی۔

"معظم، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

معظم نے خاموشی سے کہا۔ "یہی میری وصیت ہے۔"

یہ کہہ کر چلا آیا۔

سیاچن واپس جاتے جاتے معظم اپنے چھوٹے بڑے سب عزیزوں سے ملا۔ تایازاد بڑے بھائی ضرار حیدر نے اس سے سیاچن سے آنے کے بارے میں پوچھا تو معظم نے جواب دیا۔

"بھائی جان! سچ پوچھیں تو میرا جی نہیں چاہتا وہاں
سے واپس آنے کو۔"

تابش پوسٹ پر معظم کی ڈیوٹی کا Tenure نومبر ۱۹۹۴ء میں پورا ہوچکا تھا۔ قاعدے کے مطابق اسے دوبارہ وہاں نہیں جانا تھا۔ لیکن جیسا کہ اس نے جنوری ۱۹۹۵ء میں سی ایم ایچ، لاہور میں اپنے دوست لیفٹیننٹ سیف سے کہا تھا وسط فروری ۱۹۹۵ء میں سیاچن میں اپنی یونٹ میں چھٹی سے واپس جا کر پہلا کام

اس نے یہ کیا کہ یونٹ کے سی او لیفٹیننٹ کرنل محمد محمود بٹ سے انٹرویو لیا اور بہت اصرار سے اپنے آپ کو دوبارہ تابش پوسٹ پر پوسٹ کروالیا۔

گویا شہادت گہ الفت کی طرف اس کا سفر شروع ہوگیا۔

شہید معظم اپنے ایک خط میں لکھتا ہے۔

"یہاں پر ہم نے Routine یہ رکھی ہوئی ہے کہ صبح فجر کی نماز کے بعد سوائے سنتری کے باقی سو جاتے ہیں۔ نو بجے اٹھتے ہیں۔ ناشتے کی بجائے گیارہ بجے Brunch کرتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد تمام لوگ ایک ایک سیپارہ پڑھتے ہیں۔ پھر Stand Two کی پریکٹس۔ مغرب کی نماز کے بعد میں روزانہ تمام لوگوں کو جمع کرکے قرآن کریم کا ایک رکوع مع ترجمہ سناتا ہوں اور اسوۂ رسول کریم ﷺ کی کتاب سے دو تین صفحے سناتا ہوں۔ رات کو عموماً" فائر وغیرہ شروع ہو جاتا ہے۔ باقی لوگ تو سو جاتے ہیں' سنتری کے علاوہ' لیکن مجھے بار بار راؤنڈ لگانے پڑتے ہیں۔"

۱۳ مئی ۱۹۹۵ء کو میجر وقار' سیکٹر کمانڈر نے دشمن کا پیغام انٹرسیٹ کیا اور شہید معظم کو بتایا کہ ۱۴ مئی کو دشمن کا فائر صبح سے شروع ہو جائے گا۔ اب تابش پوسٹ پر شہید معظم کے ساتھ' کیپٹن ظہیر کی جگہ' کیپٹن مشتاق توپ خانے کے او پی کی حیثیت سے پہنچ چکے تھے۔

پہلا پیار' پاکستان!

ڈاکٹر احتشام الرحمان

س: احتشام! آپ سائنس دان ہیں۔ آپ کے ذہن کی تربیت سائنٹیفک انداز میں ہوئی ہے۔ آپ کا Experience بھی خاصا ہے۔ لندن میں تعلیم حاصل کی۔ مغربی دنیا کو بہت قریب سے دیکھا۔ دوسری طرف معظم کے بڑے بھائی ہونے کے ناطے اسے بچپن سے دیکھا۔ اس کی شخصیت اس کی Personality کو نظریاتی طور پر Grow کرتے' Blossom کرتے دیکھا۔ پھر اس کی طبیعت کے Human side کو بھی Perceive کیا۔ میں چاہوں گا کہ آپ سے ان حوالوں سے گفتگو ہو۔

ج: شکریہ پروفیسر صاحب! آپ نے بہت بڑی ذمہ داری میرے سر ڈال دی۔ میں اس قابل کہاں؟ بہر حال کوشش کرتا ہوں' کچھ بات بن جائے۔

س: پہلے تو اپنے روابط سے شروع کیجئے۔

ج: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں رشتے میں معظم کا بھائی ہوں۔ عمر میں چار پانچ سال سینئر۔ میں نے اسے بچے سے' ایک شریر مگر مؤدب بچے سے'جو سر جھکا کر "السلام علیکم بھائی جان" کہہ کر گزر جاتا تھا' ایک مضبوط'

وجیہہ اور باوقار جوان بنتے دیکھا۔ پھر اسے دوست کی حیثیت سے بھی دیکھا۔
ایک اچھا' باشعور اور پرعزم دوست!

ہر انسان کے "نفس دروں" کی' اندرونی Personality کی ایک Magnetic Field ہوتی ہے جو آس پاس ہوتی ہے' ہر وقت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کا ایک Message ہوتا ہے جو ہر وقت دوسروں تک پہنچتا رہتا ہے۔ کوئی اس کو سمجھتا ہے' کوئی نہیں سمجھتا۔ لیکن متاثر سب ہوتے ہیں۔ اب یہ Message کی Potency پر منحصر ہے کہ وہ کس شدت سے دوسرے تک پہنچتا ہے۔ اس لحاظ سے معظم کا' اس کی شخصیت کا ایک خاص Message تھا جو ہر اس شخص نے محسوس کیا جو کہیں بھی' کسی طور بھی اس سے Contact میں آیا۔

س: وہ Message کیا تھا؟

ج: معظم جانوروں سے' انسانوں سے محبت کرتا تھا۔ درد مند تھا۔

So to Say--------- Caring and Sharing

وہ جو شیکسپیئر نے کہا ہے۔

Milk of Human Kindness

وہ اس میں ڈوبا ہوا تھا۔ گرتوں کو تھام لینا' اپنے پرائے کا غم کھانا' مصیبت میں غیروں کے کام آنا اس کا شیوہ تھا۔

It came naturally to him.

لیکن یہ خوبی اس کی ثانوی خوبی تھی۔ اصل نکتہ ہم سب کو' جو آج اسے Mourn کر رہے ہیں' یاد کر رہے ہیں' یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ در اصل ایک Symbol تھا۔ خیر سے' سچائی سے' نیکی سے Commitment کی علامت' اسلام کے لئے' پاکستان کے لئے والہانہ قربانی کی علامت! شیریں فرہاد کی داستان سے لے کر ہیر رانجھا کی Love Story تک دنیا کے تمام سچے عاشقوں

نے، جن کے گیت شاعروں نے گائے ہیں، اپنی محبوباؤں سے اتنی محبت نہ کی ہوگی جتنی بے محابا، بے تاب، بے چین، بے غرض محبت، میرے معظم کو جوانی ہی میں، بھرپور جوانی میں شہید ہونے سے تھی۔ جب تک وہ جیا راہ خدا میں مرنے کی خواہش لئے جیا۔ آپ اسے مجنون، دیوانہ، ہوشیار، عارف، کیا کہیں گے؟ وہ جو دادا، دادی، ماں، باپ، بھائی، بہن، اعزاء، دوستوں حتیٰ کہ راہ چلتے فقراء سے ایک ہی طلب رکھتا تھا، ایک ہی دعا کا طلب گار تھا۔

س: وہ طلب کیا تھی؟ وہ دعا کیا تھی؟

ج: شہید ہونے کی آرزو!

جس طرح کوئی کسی مہلک بیماری میں عالم جوانی میں مبتلا ہو جائے، اللہ کریم سے گڑگڑا کر زندگی مانگے۔ وہ میرا معظم، آپ کا معظم، پاکستان کا والہ و شیدا معظم اللہ کریم سے شہادت مانگتا تھا۔

دیکھا آپ نے، وہ زندگی کی ایک بہت بڑی قدر، ایک موضہ وحید کے لئے جان دینے کی امنگ، اس کا ایک تابندہ Symbol تھا۔ اس نے ایک رویے کو، ایک جذبے کو انتہا پر لے جا کر اپنی ذات سے Identify کر لیا تھا۔

بے شک وہ میرا دوست، ڈاکٹر یوسف اختر کا بیٹا، ہارون اور اسماء کا بھائی تھا۔ لیکن در اصل پاکستان کا وارث تھا، انسانیت کا وارث تھا۔ وہ قربانی کی قدر کا Role Model تھا۔ اس کا وارث وہ شخص ہے، خواہ اس کا کچھ بھی نام ہو اور کہیں بھی پیدا ہوا ہو، جو انسانی قدروں کے لئے، اسلام کے لئے، پاکستانیت کے لئے، وہی جذبہ، وہی امنگ، وہی حوصلہ رکھتا ہے۔ "آواز دوست" میں مختار مسعود نے لکھا ہے کہ:

"جس سرحد کو اہل شہادت میسر نہ آئیں، وہ مٹ جاتی ہے۔"

میں اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ سرحد جغرافیائی لکیر نہیں۔ سرحد ایک نظریئے، ایک سوچ، ایک Value File کی علامت ہوتی ہے۔ اسے لہو

کی' قربانی کی' بے غرض خدمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جس کا عمل ہے بے غرض' اس کی جزا کچھ اور ہے!

اس کی پہلی محبت پاکستان تھا۔ جب بھی گفتگو ہوتی' بحث ہوتی' پاکستان کی صورت حال پر ہوتی۔ میں انگلستان میں سائنس میں ڈاکٹریٹ لے کر وہیں تھا کہ معظم بار بار کہتا:۔

I am trying to quote him verbatem.

"بھائی جان! اب آپ پاکستان آکر کام کریں۔ جو Scientist باہر جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔ اپنوں کی بجائے غیر اس سے مستفید ہوتے ہیں۔"

یہی اصرار اس آخری خط میں ہے جو اس نے مجھے لکھا۔

س: بے حد شکریہ۔ آپ نے معظم کے اصل کارنامے کو بڑی خوبصورتی سے Highlight کیا۔ میرا خیال ہے کتاب کا نچوڑ اور لب لباب آپ کے بیان' آپ کے Exposition میں آگیا ہے۔ آپ سے چند واقعات سنانے کے لئے بھی کہوں گا جن سے شہید کے رویوں کی ترجمانی ہوتی ہے۔

ج: ایک واقعہ جو ابھی ابھی میرے ذہن پر Flash ہوا' میری شادی کا ہے۔ شادی کے دوسرے دن کی بات ہے کہ میں اور معظم جہلم کے مین بازار سے کار پر گزر رہے تھے۔ گاڑی کہیں ذرا رکی تو ایک خرانٹ قسم کی پیشہ ور بھکاری عورت' بالکل پروفیشنل انداز میں بھیک مانگنے لگی۔ میں اسے نظر انداز کرنا چاہتا تھا۔ معظم نے جھٹ سو کا نوٹ نکالا اور کہا۔

"لے مائی۔ اپنا حصہ لے' اور میرے لئے دعا کرنا کہ
میری مراد پوری ہو جائے۔"

سچ پوچھئے تو مجھے بڑا غصہ آیا۔

"معظم! یہ کیا تک ہے۔ تمہیں کیا معلوم نہیں' یہ
لوگ پروفیشنل بھکاری ہیں۔ اور تم اس مشکوک عورت سے

اپنی کون سی مراد کے لئے دعا منگوا رہے تھے؟ پیسے بھی ضائع کیئے اور Professionalism کو Promote بھی کیا۔"

یہ سن کر معظم ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔

"بھائی جان! آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ آپ کے سہرے کا صدقہ میں نے دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ واقعی ضرورت مند ہو یا حالات زمانہ نے' معاشرہ کے ظلم نے اس حالت کو پہنچا دیا ہو۔ ورنہ بھیک مانگنے کا شوق کسے ہوتا ہے؟ ہاتھ پھیلانا کونسی عزت کی بات ہے؟ بہر حال اس کی نیت اس کے ساتھ ہے اور میری نیت میرے ساتھ----- الاعمال بالنیات۔

رہی بات مراد کی تو ڈاکٹر صاحب! آپ کو خوب معلوم ہے کہ میری دلی مراد کیا ہے۔ میں کس چیز کی آرزو لئے زندہ ہوں۔ پتہ نہیں خدا کب کس کی سن لے۔ خدا سے مانگنا اچھا ہوتا ہے۔ شہادت سے بڑھ کر بھی بندے کی کونسی مراد ہوسکتی ہے۔ جس کی آرزو خود اللہ کے رسولؐ نے کی؟

فرمایا "میری خواہش ہے' میں شہید ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں' پھر شہید ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں' پھر شہید ہو جاؤں۔""

دیکھا آپ نے اس میں جذبہ جہاد کس قدر تھا۔ یہ وہ جذبہ ہے جسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ مجھ سے اکثر کہا کرتا۔

"میرے لئے دعا کریں' میں شہید ہو جاؤں۔"

میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہر بار یہی کہتا۔

"یار! سوچ' میں اپنے بھائی کے مرنے کی دعا کیسے کروں؟"

وہ کہتا۔

"یہ مرنا نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔"

"لیکن ہمارے لئے تو تم ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو جاؤ گے۔" میں عاجز آکر جواب دیتا۔

فروری ۱۹۹۵ء کے وسط میں بہن کی شادی سے فارغ ہو کر' سیاچن جانے سے پہلے وہ مجھ سے ملنے آیا اور وہی بات' بھائی جان دعا کیجئے کہ سینے پر گولی کھاؤں۔ اس بار جاتے ہوئے اس نے مجھے ایک کتاب بھی دی۔ کتاب کا نام تھا۔

Bureaucracy

Its Role in Thitd World Development

Malcom Wallis کی اس کتاب پر آٹو گراف کے طور پر لکھا۔

With all my love and best

wishes to my dearest brother

پھر کچھ سوچ کر کتاب میرے ہاتھ سے لی اور لکھے پر اضافہ کیا۔

With hope

he will never forget me.

پروفیسر صاحب....... Can I?

آخر میں ایک شعر یاد آ رہا ہے۔

... ... کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ

س: بہت خوب' وہ واقعی اس دنیا میں ایک "مانوس اجنبی" تھا۔

اب آخر میں' میں آپ سے لے کر خط Reproduce کرنا چاہوں گا
جس کا ذکر ابھی آپ نے کیا۔

ج: اس کے خط کی نقل حاضر ہے۔

"پیارے بھائی جان احتشام!

السلام علیکم۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل خیریت سے ہوں۔ اور آپ سب کے لئے دعا ہے کہ آپ خیریت سے رہیں اور اپنے ملک و ملت کا نام روشن کرتے رہیں۔

بھائی جان! میں یہ تو نہیں کہتا کہ آپ فوراً پاکستان آ جائیں۔ لیکن آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ ادھر جاب کرتے رہیں اور ادھر Try کرتے رہیں۔ انشاء اللہ جاب ملتی ہے تو ادھر آجائیں۔ بھائی جان! پاکستانی Talent یوں باہر ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

آپ دیکھ لیں جو بھی Foreign Countries میں پڑھنے جاتا ہے ادھر ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ ٹھیک ہے یہاں پر وہ Facilities نہیں ہیں لیکن آخر بارش کا پہلا قطرہ بھی تو کسی کو بننا ہی ہے۔ آپ نے ڈاکٹر A.Q.Khan کی History تو پڑھی ہوگی جو جب یہاں آئے تھے تو کسی نے انہیں Lift ہی نہیں کروائی تھی۔ اور آج انہوں نے دنیا کو مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔

آپ بھی کہہ رہے ہوں گے کہ اتنے عرصے بعد تو خط لکھ رہا ہے اور وہ بھی Saddist قسم کا۔ لیکن بھائی

جان! آپ ان لوگوں میں شامل ہیں جو اس وطن کو بنا سکتے ہیں۔

ہماری یونٹ کی دو ہفتے پہلے Artillery Fire سے Casualties ہوئیں۔ ان کے جنازے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ ہم آخر کس کے لئے جانیں دے رہے ہیں۔ تو بھائی جان' اگر اسی قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں ہی ہمارا وطن رہا تو ہم قیامت کے دن ان شہیدوں کو کیا جواب دیں گے۔

میں ایک دو دن تک سیاچن کی Second Highest پوسٹ پر جا رہا ہوں۔ اس پوسٹ پر Mile Stone لگا ہوا ہے' جس کے اوپر لکھا ہے۔ اللہ میاں زیرو کلومیٹر۔ اسی طرح ہر پوسٹ پر 1'2'3'4 لکھا ہوا ہے۔

باجی شرہ اور آپو کو کہیں کہ اللہ تعالیٰ پر Blind Faith رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوں گی۔ اور سنائیں خوشخبری کب سنا رہے ہیں۔ انتظار رہے گا۔ آسٹریلین طوطے کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔

اللہ حافظ

آپ کا بھائی

معظم"

ہماری طرح لیکن ہم سے مختلف!

غزالہ شاہین ملک

س: بیٹی، تمہارا اپنا تعارف۔

ج: میرا نام غزالہ شاہین ہے۔ معظم کی باجی ہوں۔

س: غزالہ بیٹی! میں چاہتا ہوں کہ تم معظم کی Human Side پر کچھ روشنی ڈالو۔

He was a normal human being. Washt he?

ج: Yes!he was. Apthough committed, he was every inch a normal being.

س: اسی Perspective میں، میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ پہلے تو یہ بتائیں کہ معظم کو کون سے ٹی وی ڈرامے پسند تھے؟

ج: ڈرامہ "راشد منہاس" بڑے شوق سے دیکھا تھا۔ بلکہ میرے حساب سے ضرورت سے زیادہ Intently دیکھا تھا۔ وہ راشد منہاس کا بڑا Fan تھا۔ جس طرح اس نے راشد منہاس کے ایک ایک لفظ کو Follow بلکہ جذب کیا اسے میں نہیں بھول سکتی۔

س: معظم کو میوزک سے بھی شغف تھا؟

ج: شغف تو نہیں کہہ سکتی۔ لیکن اتنی دلچسپی ضرور تھی کہ بعض پروگرام

توجہ سے سنتا تھا۔

س: مثلاً" کون سے؟

ج: مثلاً" نصرت فتح علی خان کی عارفانہ قوالی "سب ورد کرو" اس کو بہت پسند تھی۔

س: نصرت فتح علی خان کے علاوہ اسے کون سے فنکار پسند تھے۔

ج: عدنان سمیع کی گائی ہوئی حمد وہ بہت ڈوب کر سنا کرتا تھا۔

"جس نے کی جستجو' مل گیا اس کو تو"

مجھے یاد ہے کہ پٹھانے خان کا عارفانہ کلام بھی اسے مرغوب تھا۔

اس زمانے میں اسلام پر ایک کیسٹ نئی نئی آئی تھی۔ "Message The" وہ بہت عقیدت سے دیکھتا تھا۔

س: کوئی گیت' غزل؟

ج: نئے پاپ سنگرز میں خلیل حیدر کا گیت

"نئے کپڑے بدل کر جاؤں کہاں"

اسے پسند تھا۔ بار بار سنتا تھا۔ اس وقت میں بھی تھوڑی کھٹکی تھی کہ معظم تو رومانی چیزوں کی طرف نہیں آتا۔ یہ گیت اسے کیوں پسند آیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میرے بھائی کے ذہن میں نئے کپڑوں کے کچھ اور ہی معنی ہیں۔ شہادت کے کفن کے نئے کپڑے؟

میرا پروقار بھائی!

صائمہ شازیہ ملک

س: صائمہ بیٹی' پہلے آپ اپنا تعارف کرائیے۔

ج: میرا نام صائمہ ہے۔ معظم شہید کی چچا زاد بہن ہوں' آج کل یہاں امریکہ میں مقیم ہوں۔

س: کیا کر رہی ہیں؟

ج: میاں کے ساتھ ہوں' جاب بھی کر رہی ہوں۔

س: کیا؟

ج: ایک فرم میں Marketing Representative ہوں۔ بڑا چیلنجنگ کام ہے۔

س: معظم کو آپ کتنا جانتی ہیں؟

ج: Quantity میں کم۔ لیکن Quality میں خاصا زیادہ۔

س: Quantity میں کم کیوں؟

ج: معظم میرا تایا زاد بھائی تھا۔ لیکن چونکہ میں اپنے والدین کے ساتھ ایک عرصہ سعودی عرب میں رہی۔ اس لئے معظم سے اتنا رابطہ نہیں رہا جتنا کہ بہن بھائیوں میں ہوتا ہے۔ عموماً" گرمیوں کی چھٹیوں میں' میں اپنے بہن بھائیوں اور والدین کے ساتھ پاکستان آتی تھی۔ جہلم میں ہم سب اکٹھے ہوتے تھے۔ معظم' ہارون اور بہن (ڈاکٹر) اسماء' میں' بڑی بہن تمثیلا اور میری چھوٹی ن خدیجہ' سب ساتھ ساتھ کھیلتے تھے۔ قومی کرکٹ کے میچ دیکھتے تھے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے ہم سب Early Teens میں تھے۔

س: لیکن جیسا انسان ہوتا ہے، جیسا کسی کا Personality Profile ہوتا ہے، شروع سے ہوتا ہے۔ اس زمانے کی کوئی ایسی یاد، ایسی Observation جو ابھی تک یاد ہو؟

ج: ایک تو یہ کہ معظم اپنے ہم عمروں، ہم جنسوں سے Definitely مختلف تھا۔

Certainly different

He was different.

س: کیسے؟

ج: اپنے رویئوں کے اعتبار سے۔

س: مثلاً؟

ج: مثلاً یہ کہ وہ ہم تین بہنوں کے ساتھ خاصا Respectful تھا۔ عام طور ہم عمر بھائی اپنی بہنوں کے ساتھ ذرا Casual ہوتے ہیں، کوئی خاص پرواہ نہیں کرتے۔ معظم اس عمر میں بھی رکھ رکھاؤ کا قائل تھا۔

س: You mean to say that he was over serious.

ج: نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس معظم کو مذاق کرنے کا خاصا شوق تھا۔ اور یہ کہ کبھی کبھی Practical Jokes بھی کر بیٹھتا تھا۔

س: مثلاً؟

ج: مثلاً یہ کہ ایک بار ایسا ہوا کہ میں، تمثیلہ اور خدیجہ تایاجی کے گھر رات کو سوئے ہوئے تھے کہ معظم اور ایک دوسرے چچازاد رضوان کو شرارت سوجھی۔ انہوں نے ہماری ناک میں پسی ہوئی کالی مرچ ڈالنے کی کوشش کی۔ خدیجہ کی پہلی چھینک پر ہماری آنکھ کھل گئی۔ دونوں نے بھاگ کر جان چھڑانے کی کوشش کی۔ میرا بستر دروازے کے قریب تھا۔ میں نے اور اسماء نے دونوں شیطانوں کو قابو کرکے دادا جان کے حوالے کردیا۔ انہوں نے دونوں کو لمبا لیکچر

پلایا۔

میں بتانا چاہتی ہوں کہ معظم کی طبیعت میں زندہ دلی اور شرارت بھی تھی۔ اس طرح کے قصے دوسرے بھائی بہنوں کو زیادہ معلوم ہوں گے۔

س: بعد کے زمانے کی' میرا مطلب ہے' معظم کے Mature Years کی کوئی یاد؟

ج: جی ہاں۔ اس کے Mature Years کی دو ملاقاتیں مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک یاد نومبر ۱۹۹۴ء کی ہے۔ دوسری اور آخری جنوری ۱۹۹۵ء کی' جب بھائی معظم سے اسماء کی شادی کے موقع پر ملاقات ہوئی۔ ہم سعودی عرب سے آئے ہوئے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمارا کیپٹن بھائی سیاچن سے جہلم آیا ہوا ہے۔ میں نے بھائی معظم کو کیپٹن کی وردی میں نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ اس کے پی ایم اے جانے کے وقت سے اسے نہیں دیکھا تھا۔ میرے ذہن میں معظم کا چند سال پہلے کا Image تھا۔ اب جو اسے اتنا شاندار' اتنا وجیہہ' اتنا Impressive دیکھا تو دل Pride سے جھوم اٹھا۔ کپتان کی وردی اس پر اتنی سج رہی تھی کہ حد نہیں۔ تائی جی نے فوراً صدقہ اتارا۔ اب جو میں اس لمحہ کو Recollect کرتی ہوں تو خیال آتا ہے کہ معظم کے چہرے پر اس وقت جو تابناکی تھی' جو پروقار جاہ و جلال تھا' جو عزم تھا' اس نے مجھے اور دوسروں کو بہت Impress کیا تھا۔

نومبر کی اس قدر سرد رات کی ایک اور بات بھی مجھے یاد ہے کہ معظم نے ہم بہنوں کو آئس کریم کے لئے مارکیٹ لے جانے سے پہلے ہم دونوں کے سروں پہ پیار سے ایک ایک خالص اون کی شال بھی ڈال دی۔ یہ تحفہ Symbolic ہی تھا کہ ایک بھائی اپنے آخری سفر پہ جانے سے پہلے اپنی بہنوں کے سروں کو ڈھک رہا تھا۔

معظم سے آخری ملاقات جنوری ۱۹۹۵ء میں اسماء کی شادی کے موقع پر ہوئی۔ معظم ہمیں بڑے فخر سے سیاچن کے قصے سناتا رہا..... ملک کی بلند ترین

برفانی گلیشیئروں پہ زندگی کے شب و روز' وہاں کا کھلا آسماں' ایک نیا آسماں' شہروں میں نظر آنے والے آسمانوں سے بالکل مختلف' وہ جگہ جہاں زمین کی قسم کی کوئی چیز نظر نہیں آتی' وہ جگہ جہاں بیسویں صدی کی تہذیبی زندگی سمٹ کر چند جسموں میں آ جاتی ہے اور جہاں وطن کی سرحدوں کے پاسبان مجاہد ہر وقت سینہ سپر رہتے ہیں' جہاں دشمن کے ہیلی کاپٹر اور پوزیشنوں پر شوٹنگ وقت بے وقت لہو کو گرماتی رہتی ہے۔ معظم نے جس طرح Involve ہو کر یہ باتیں سنائیں' میں کچھ ٹھٹکی کہ معظم کا جسم تو ہمارے سامنے ضرور ہے لیکن اس کی روح وہیں دشمن کی کمیں گاہوں کی تاک میں ہے۔

اس Involvement کے باوجود' معظم میں زندگی سے محبت' زندگی کی امنگ اور ترنگ بھی کم نہیں تھی۔

مہندی' شادی کی رات جو روایتی تقریب ہوئی' اس میں معظم کے لڈی ڈالنے کا انداز بہت Bold' بہت بھرپور تھا۔ ہارون کی لڈی کی کچھ بات نہیں بن رہی تھی۔ معظم نے اسے بھی Steps بتائے' لڈی کے روایتی انداز سکھانے کی کوشش کی۔ حاضرین نے اس Exercise کو بھی Enjoy کیا۔

That evening Muazzam was in high spirits.

یہ اس کی Human سائیڈ تھی۔

میں کہوں گی کہ دوستو وسکی کے ناولوں کے ہیروز کی طرح وہ ایک Possessed انسان تھا۔ اندر سے اس کی روح کسی جذبے کے ساتھ گندھی ہوئی تھی۔ وہ جذبہ تھا---- Love Pakistan

جب ہم پاکستان آتے تو وہ سوٹ کیسوں پر Sticker لگا دیتا۔

Love Pakistan!

Pakistan is Great!

آخر پاکستان کا دیوانہ بیٹا پاکستان پر قربان ہوگیا۔

سدا رہے نام اللہ کا!

بلو! پنجے نہ مارا کر......

صالحہ زینب

س: بیٹا' آپ کا نام؟

ج: انکل' میرا نام صالحہ زینب ہے۔ پانچ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہوں۔ معظم بھائی کو مجھ سے بہت پیار تھا۔ میرا بہت لاڈ کرتے تھے۔

س: کس کلاس میں پڑھتی ہو؟

ج: ساتویں میں۔ مئی ۱۹۹۵ء میں معظم بھائی شہید ہوئے ہیں تو اس وقت ساتویں میں نئی نئی پڑھتی تھی۔

س: بڑی باتیں تو ہم نے بڑوں سے پوچھ لی ہیں۔ بیٹا' تم یہ بتاؤ کہ تمہارے شہید بھائی کو کن چیزوں کا شوق تھا؟ کیا کھاتے پیتے تھے؟ ہنسی مذاق کیسے کرتے تھے؟ پالتو جانوروں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟

ج: بتاتی ہوں' مجھے ایک ایک بات یاد ہے۔ اور ایسی باتیں سب سے زیادہ مجھے یاد ہیں۔ سب سے پہلے بلیوں کی بات کرتی ہوں۔ بھائی معظم کو بلیوں سے بہت پیار تھا۔

س: کوئی خاص بلیاں؟ سیامی بلیاں؟ ایرانی بلیاں؟

ج: وہی بلیاں جو پاکستان میں عام ملتی ہیں۔ ہاں دو رنگ کی بلیاں خاص طور پر پسند تھیں۔

س: کونسی؟

ج: سفید اور گہرے نسواری رنگ کی- ایک دلچسپ بات سناؤں؟

س: جی، ضرور!

ج: ایک دفعہ میری سفید بلی "چاندنی" ان کی گود میں سوئی ہوئی تھی- وہ پیار سے اس کے Stroking کر رہے تھے- پھر یکایک ہنسنے لگے- بلکہ ان پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا- میں نے پوچھا، کیا ہوا؟ ایسے کیوں ہنس رہے ہیں؟ کہنے لگے-

"بلو! اگر اس بلی کے کان نہ ہوتے تو کیسی لگتی؟" وہ بلیوں کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے- ایک دم انہیں کوئی نہ کوئی شرارت سوجھتی-

میرا بھائی بتاتا ہے کہ ایک روز معظم اپنے ابو امی سے کسی موضوع پر بڑی سنجیدگی سے باتیں کر رہے تھے کہ سامنے سے چاندنی گزری- اس کو دیکھ کر آگے بڑھے اور بلی کی نقل اتارتے ہوئے "میاؤں میاؤں" کرنے لگے- پھر ہنسنے لگے-

پچھلے سال گرمیوں میں جب سیاچن سے چھٹی پر آئے تو سب سے پہلے چاندنی کو تلاش کیا- پھر گود میں بٹھا کر دیر تک اسے پیار کرتے رہے- چھٹی ختم ہونے سے ایک دن پہلے اس سے باتیں کرنے لگے-

"چاندنی! میرے ساتھ سیاچن چلے گی؟ چاندنی! بڑا
مزہ آئے گا- ہر طرف سفید برف ہی برف ہوگی-"

پنجابی میں کہنے لگے:

"توں تے اتھے برف وچ نظر ہی نئیں آناں-"

وہ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے- وہ ہر بات پر "میاؤں" کرتی-

وہ اس جواب سے بہت خوش ہوتے- میری طرف دیکھ کر کہنے لگے-

"دیکھا! کتنی سمجھدار ہے-"

چھیڑنے کے انداز میں "بلو، تجھ سے زیادہ!"

وہ اکثر مجھے اسی طرح چھیڑتے تھے-

س: کیا تم برا مناتی تھیں؟

ج: نہیں' مجھے معلوم تھا' وہ یوں ہی تنگ کر رہے ہیں- ۱۵ مئی کو ان کی شہادت ہوئی- ۱۴ مئی کو چاندنی نے بچے دیئے تھے- ان میں سے ایک بلونگڑا بالکل براق سفید تھا- میں نے ان کی یاد میں اسے ہی پالا ہوا ہے-

میں نے ابھی بتایا کہ وہ مجھے اکثر چھیڑتے تھے- اسی طرح بلیوں سے بھی مذاق کرتے رہتے تھے- ایک دفعہ چچا ریاض نے ہم سب بھائی بہنوں کو اپنے گھر کھانے پر بلایا- ان کی بلی کھانے پر ہمیں بار بار تنگ کر رہی تھی- جب وہ معظم بھائی کے پاس سے گزری تو ایک چمچہ اس کی طرف بڑھایا- جب اس نے منہ کھولا تو انہوں نے اس کے منہ میں Chilly Sauce ٹپکا دیا- پھر جو بلی کا حال ہوا وہ بتانے کی ضرورت نہیں- معظم نے کہا:

"I am sorry."

شاید انہیں اندازہ نہ تھا کہ بلی کا یہ حال ہوگا- میں نے دیکھا کہ وہ دعوت کے باقی وقت میں بے چین رہے- وہ کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے تھے-

بلیوں سے ان کا پیار آخر وقت تک رہا- ایک بار چاندنی سو رہی تھی- پاس سے گزرے تو اس کے کان الٹے کردیئے- پھر ہنسنے لگے-

"بلو! یہ پہلی چیز ہے جو الٹی بھی اچھی لگتی ہے-"

ایک روز بھائی معظم کہنے لگے-

"جب بلی خر خر کر کے آنکھیں بند کرتی ہے تو وہ
دنیا کی سب سے اچھی چیز لگتی ہے-"

سفید رنگ کا بلونگڑا ان کی کمزوری بن گیا تھا- جب آخری بار جہلم آئے تو ابو سے کہنے لگے-

"سیاچن کے بعد میری پوسٹنگ بہاولپور ہوگی-
وہاں ایک سفید بلا اپنے ساتھ لے جاؤں گا-"

س: صالحہ بیٹی! تم نے شروع میں معظم کی خوش مزاجی کا ذکر کیا تھا۔ اس بات کو آگے بڑھاؤ۔

ج: ہاں' خوش مزاج تو بہت تھے۔ ایک بار ہم سب Cousins اکھٹے تھے۔ سب بہن بھائی دائرے میں بیٹھے کھا پی رہے تھے کہ معظم پیچھے سے آئے۔ ہم دو ایک کے سر پر "دھپ" لگا کے یہ جا وہ جا۔ ہم "ارے ارے" ہی کہتے رہ گئے۔

آپو کی سسرال فیصل آباد میں ہے۔ وہ وہاں سے آتی رہی ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے' ہم سب اپنے چچا کے بیٹے کی سالگرہ میں شرکت کے لئے اسلام آباد جا رہے تھے۔ معظم بھائی بڑی سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"آپو کے فیصل آباد سے آنے کا ایک فائدہ ایسا ہے جو کسی کو معلم نہیں۔"

"وہ کیا؟" ہم سب نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"وہ یہ کہ" معظم نے کمال سنجیدگی سے کہا"جب آپو فیصل آباد سے جہلم آتی ہیں تو فیصل آباد کی جوئیں جہلم کی جوؤں سے گلے ملتی ہیں۔ پھر از زحمت جگہ بدل لیتی ہیں۔ فیصل آباد کی جوئیں جہلم رہ جاتی ہیں اور جہلم کی جوئیں فیصل آباد کا نظارہ کرنے چلی جاتی ہیں۔ سبحان اللہ ! دوستی ہو تو ایسی ہو۔"

کتنے زندہ دل تھے ہمارے پیارے بھائی!

وہ مذاق بہت سنجیدگی سے کرتے تھے۔ آپو کی رخصتی کے بعد گھر میں بہت کام تھا۔ معظم بہت بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ ہمارے دونوں چچاؤں اور تایا ابا کے بیٹے اور بیٹیاں سب کام میں لگے ہوئے تھے۔ سب نے معظم بھائی پر زور دینا شروع کیا' ہمیں کچھ کھلائیں' ہمیں Treat دیں۔ پہلے تو وہ ٹالتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔

"اچھا' چلو تم لوگ بھی کیا یاد کرو گے۔"

وہ ہمیں گھمانے پھرانے ایسی جگہ پر لے گئے جہاں کی آئس کریم کا ایسا عجیب و غریب مزہ تھا کہ ہم نے توبہ کی کہ آئندہ آئس کریم کی فرمائش نہیں کرنی۔

"وہ مجھے "بلو" اور پیار سے "چلبلی چڑیل" کہتے تھے اور میں انہیں "جن" کہتی تھی۔ شہادت سے چند ہفتے پہلے انہوں نے سیاچن سے مجھے جو عید کارڈ بھیجا' اس پر لکھا تھا۔

To my dearest bahna—— churail

Your brother Moazzam

کچھ لوگ کہتے ہیں' میں بھائی کی طرح ہنستی ہوں' ان کی طرح بولتی ہوں' ان سے بہت Resemble کرتی ہوں۔ واقعی؟ مجھے معلوم نہیں۔ بہر حال اپنے "جن" بھائی کی طرح ہونا اچھا لگتا ہے۔

کہاں گئے میرے بھائی۔ میں نے بلے بلیوں سے ان کی محبت کا ذکر کیا ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ وہ دوسرے پالتو جانوروں سے بھی پیار کرتے تھے۔ ہمارے گھر میں کتوں کا جوڑا تھا۔ وہ ان کو نہلاتے دھلاتے۔ Hair Brush سے برش کرتے تھے' ان کی چیچڑیاں بڑے اہتمام سے نکالتے تھے۔

آخر میں ان کے کھانے پینے کی عادتوں کے بارے میں!

معظم بھائی کو زندگی کی اچھی چیزوں سے بہت پیار تھا۔ کھانے پینے کے بھی ابا کی طرح شوقین تھے۔ جب کبھی گھر میں آم آتے تو کہتے۔

"آؤ بلو' ملک شیک بناتے ہیں۔"

جب ملک شیک بننے لگتا تو کہتے۔

"چھوڑو! تم کیا بناؤگی۔ میں ہی کوشش کرتا ہوں۔"

میں کہتی:

"جب اکیلے ہی بنانا اور پینا تھا تو مجھ سے کیوں

کہا؟"

"یوں ہی تمہارا دل خوش کرنے کے لئے۔"

اسی طرح فریش کریم کیک ضرور لاتے۔ شوق سے کھاتے اور کھلاتے۔ انہیں چاکلیٹ بھی بہت پسند تھے۔ چاکلیٹ میری بھی کمزوری ہیں۔ ۱۹۹۵ء کے رمضان کا واقعہ ہے۔ میں سہ پہر کو سوئی ہوئی تھی کہ مجھے سوتے سے اٹھایا اور چاکلیٹ کا لفافہ دیتے ہوئے کہا:

"یہ تمہارے افطار کے لئے ہیں۔"

اسی دن میں نے افطار کے لئے گلاب جامن بنائے تھے۔ پہلے دو لئے۔ میں نے پلیٹ میں ایک اور گلاب جامن ڈال دیا۔ نہیں' نہیں' کرتے کرتے تیسرا گلاب جامن بھی ہڑپ کرلیا۔ ایک دن انڈے کی پڈنگ کی فرمائش کی۔ اور بہت مزے لے کر کھائی۔ گھر پر آئس کریم بھی بنواتے تھے' کہتے تھے۔

"گھر کی آئس کریم کی بات ہی کچھ اور ہے۔"

میں چاہتی ہوں کہ بات ختم کروں۔ پھر کچھ اور یاد آجاتا ہے۔ میں بتا چکی ہوں کہ میں بھائی معظم کی "لاڈو" تھی۔ آپ جانتے ہی ہیں' گھر میں بھائی' بہنوں میں پیار سے چخ چلتی رہتی ہے۔ اس زمانے میں میرا چھوٹا بھائی........ میرا مطلب ہے بھائی معظم سے چھوٹا...... ہارون گھر پر ہوتا تھا۔ آپی سے تو ڈرتا تھا۔ مجھے اکثر تنگ کرتا تھا۔ معظم بھائی آئے تو میں نے بڑی زور دار شکایت لگائی۔ معظم بھائی نے فوراً" آستینیں چڑھالیں۔

"دیکھو' میں اسے کیسا مزہ چکھاتا ہوں۔"

پھر ان کی اور ہارون کی Nock Fight ہوئی۔ جب ہارون دھڑام سے نیچے گرا تو میں چیخی "بس بس" ------ وہ بولے۔

"تو کہتی ہے تو چھوڑے دیتا ہوں۔ ورنہ آج میں
نے اس سے ناک سے لکیریں نکلوانی تھیں۔ بڑا آیا میری
پیاری "چڑیل بہنا" کو تنگ کرنے والا۔"

پھر خود ہنسنے لگے۔

"کیوں چڑیل' اب تو تو خوش ہے؟" پھر ہارون کے کپڑے جھاڑے۔ اس سے ہاتھ ملایا۔ جس طرح باکسنگ رنگ میں باکسرز فائٹ کے بعد ہاتھ ملاتے ہیں۔ پھر ہارون سے کہا۔

She is so nice. Look after her.

پھر ہارون کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"کافی انرجی Waste ہوگئی۔ چلو آئس کریم کھا کر
جان بناتے ہیں۔"

تو یہ تھے میرے معظم بھائی۔ چھیڑتے بھی تھے تو پیار بھی کرتے تھے۔ چھیڑنے پر یاد آیا۔ کبھی ٹی وی پر ہاضمے کی ٹکیوں ہاج مولا کا اشتہار آتا تھا۔ ایک بار پی ایم اے سے چھٹی پر آئے تو میری بلی کو دیکھ کر کہنے لگے۔

"بلو! تیری بلی کچھ ست نظر آرہی ہے۔ ضرور اس
نے Over Eating کی ہے۔ اس کا ہاضمہ خراب لگتا
ہے۔ آؤ' اس کو ہاج مولا کھلاتے ہیں۔"

اور جھٹ سے جیب سے گولیاں سی نکالیں۔ میں "نہیں نہیں" کرتی بلی کو لے کر بھاگی اور دوسرے کمرے میں چھپا کر واپس آئی تو دیکھا' خود ہی گولی چوس رہے ہیں۔ وہ گولی وکس کی گولی تھی۔ ایک دفعہ میں' آپو' ہارون اور معظم بھائی دیر تک ٹی وی دیکھتے رہے۔ پھر یاد نہیں آرہا' کس بات پر بحث چھڑ گئی۔ ہارون آپو کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ میں معظم بھائی کی سپورٹر تھی۔ ہارون کہنے لگا:

"معظم! تم نے اس چچی کو کتنے پیسے دیئے ہیں۔
اس کی زبان قینچی سی چل رہی ہے۔"

میں نے برجستہ کہا:

"تو بھی چمچہ ہے آپو کا اور وہ بھی مفت کا۔

شرم کر۔"

ہارون غصے میں اٹھا تو معظم نے اسے پکڑ کر بٹھایا اور کہا:

"بچے آپس میں ایک ہوتے ہیں' لڑا نہیں کرتے۔"

اس طرح بات آئی گئی ہوئی۔ پھر مجھ سے کہنے لگے:

"بلو! تو بچے نہ مارا کر۔"

آپو کی شادی پر چھوٹی باجی سلمٰی اور بڑی باجی غزالہ دونوں مل کر ہارون اور معظم بھائی کو لڈی ڈالنا سکھا رہی تھیں---- معظم بھائی نے ہاتھ پاؤں کی Movements فوراً Pick کرلیں۔ اور فوراً لڈی ڈالنے لگے۔ باجی بولیں۔

"زبردست! تم تو شاید پہلے سے جانتے تھے۔"

چھوٹی باجی نے فقرہ چست کیا۔

"معظم چھپ چھپ کر مشق کرتا رہا ہے۔

ایک دن لڈی اپنے کام بھی آنی ہے۔"

اس پر زبردست قہقہہ پڑا۔

"کیوں نہیں' کیوں نہیں۔

آخر میری باری بھی تو آنی ہے۔"

بھائی جان نے خوش دلی سے کہا۔ اور ہارون کے Steps ٹھیک کرنے لگے جس کو دیکھ کر سب ہنس رہے تھے۔ ہارون تھا کہ خوشی میں مست' لگا ہوا تھا۔

"معظم! معظم! کہاں ہو؟ کہاں کھو گئے؟"

سیاچن کے سفید پہاڑ تمہیں اتنے زیادہ پسند آگئے کہ جہلم کو بھلا بیٹھے؟

پاکستان کا سبز ہلالی پرچم اتنا پیارا لگا کہ اس پر جان کی بازی لگا دی؟"

زندہ باد میرا بھائی معظم!

زندہ باد پاکستان!

..........مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا!

ملک ضرار حیدر

س: ضرار' آپ کا معظم سے کیا رشتہ ہے؟

ج: میرا پورا نام ملک ضرار حیدر ہے۔ رشتے میں معظم کا تایا زاد بھائی ہوں۔

س: یادیں تو سمندر کی لہروں کی طرح ہوتی ہیں۔ آتی ہیں تو موج در موج آتی ہیں' چلی جاتی ہیں۔

ج: سر' برسوں ساتھ رہے' وہ بھی اس رشتے میں جو اتنا قریبی ہے۔

اکٹھے اٹھے بیٹھے' اکٹھے کھایا پیا۔ لیکن نہ جانے کیوں آخر میں دھڑکا لگا رہتا تھا' کہیں ایسا نہ ہو جائے' کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

س: آپ کا مطلب کیا ہے؟

ج: مطلب یہ ہے کہ ایف جی سکول کے زمانے سے اس نے شہادت کی باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

یہ شعر اس کے کمرے میں' کتابوں میں' کاپیوں میں' خوشبو کی طرح' ہر جگہ بکھرا ہوا تھا۔ یہ ایک Message تھا جو ہر وقت نشر ہوتا رہتا تھا۔ آخر ہم کہاں تک اسے نظر انداز کرتے۔ آخر آخر میں اس نے صاف صاف کہنا شروع کر دیا تھا کہ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں شہید ہو جاؤں۔

س: آپ کوئی خاص واقعہ یا گفتگو بتانا پسند کریں گے؟

ج: جنوری ۱۹۹۵ء میں سیاچن سے فون آیا۔ سر شام بہت چہک رہا تھا۔ میں سمجھا کوئی خاص خبر ہے۔ میں نے پوچھا' سناؤ اور کیا خبر ہے۔"

جواب آیا' "بھائی جان! خبر نہیں' خواہش ہے کہ......."

"کیا خواہش ہے؟" میں نے برجستہ پوچھا۔

"وہی جو آپ جانتے ہیں۔ دشمن سامنے ہے۔ پھر ایسا موقع ملے نہ ملے۔ بس آپ دعا کریں...... دعا....!"

پھر لائن کٹ گئی یا معظم کی آواز Fade Out ہو گئی۔ ابھی میں لائن پر "ہیلو ہیلو" کہہ ہی رہا تھا کہ آپریٹر کی آواز آئی۔

"آپ بات کریں' سر معظم آپ کی بات سن رہے ہیں۔"

کچھ دیر آپریٹر کے توسط سے سلام و پیام کا سلسلہ چلا۔ جب میں نے رسیور رکھا تو میرے کانوں میں وہی الفاظ گونجنے لگے۔

"بھائی جان! دعا کریں' میری خواہش پوری ہو جائے۔
دشمن سامنے ہے۔ پھر ایسا موقع ملے نہ ملے۔"

عذرا (اس کی بھابھی) نے پوچھا' کیا پیغام تھا۔ اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہو۔

عذرا کو بھی معلوم تھا کہ اس کی خواہش کیا ہے۔ ہم اس کی شادی کے' اس کے سہرے کے گلابوں کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اور وہ شہید کی لوح مزار کے پھولوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کبھی نہیں کملاتے۔

س: آپ گھر والوں کے لئے یہ صورت حال بہت آزمائش کا باعث ہوئی ہو گی؟

ج: یقیناً" تھی۔ اوائل فروری ۹۵ء میں عشاء کے بعد پھر فون آیا' میں سمجھا سیاچن سے آیا ہے۔ اس خیال سے کہ پھر لائن کٹ نہ جائے' جلدی جلدی' زور زور سے بولنے لگا۔

"کیا حال ہے' کیا خبر ہے' کیسا موسم ہے' کیا
پروگرام......"

ایک سانس میں دس سوال کر گیا۔ مجھے ایسا لگا' جیسے وہ ادھر ہنس رہا ہے۔ جواب یہ تھا۔

"حال اچھا ہے۔ خبر اس سے اچھی ہے۔ موسم کے کیا کہنے۔ بنیان پہنے پتلون میں برف پر بیٹھا ہوں اور پاؤں سے برف پر لکیریں کھینچ رہا ہوں۔"

آواز اتنی صاف تھی کہ مجھے شک ہوا کہ شاید "لوکل کال" ہے۔ میں نے کہا۔

"معظم! سچ سچ بتاؤ کہاں سے بول رہے ہو۔ میرا تو چیخ چیخ کر گلا خشک ہو گیا۔"

وہ ہنس پڑا۔

"بھائی جان' آپ گلا خشک نہ کریں۔ جلدی سے Benz کا مینگو جوس لیں۔ صبح کا ناشتہ آپ لوگوں کے ساتھ کروں گا۔ اور آپ کو معلوم ہے ناشتے میں مجھے کیا چیز اچھی لگتی ہے۔"

س: معظم میں Sense of Humour تھا۔

ج: تھوڑا نہیں' بہت زیادہ۔ گھر میں اس کی شرارتیں مشہور تھیں۔ دوستوں سے مذاق بلکہ کبھی کبھی عملی مذاق کرتا۔ اس کے کمانڈنگ آفیسر کرنل محمود بٹ نے بھی اس کی حس مذاق کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

ہاں' تو میں سنا رہا تھا کہ کس طرح اس نے فون پر مجھے Surprise دیا۔ بہر حال' دوسرے دن سویرے ناشتے پر وہ آیا۔ کافی لائٹ موڈ میں' ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ سیاچن کا ذکر آتے ہی وہ یکایک سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔

"بھائی جان! سچ پوچھیں تو میرا دل وہاں سے آنے کو نہیں چاہتا۔ پہاڑ اتنے بلند ہیں' ایسے برف پوش' آسمان اتنا

صاف' اتنا نزدیک نظر آتا ہے' ایسا لگتا ہے کہ خدا بھی
قریب' بہت قریب ہے۔ اس ماحول میں' اس فضا میں' مجھے
اتنی اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ شاید' شاید' میری آرزو پوری
ہو جائے' مجھے شہادت نصیب ہو جائے' شہادت نصیب ہو
جائے۔"

اس نے اس طرح' اس لب و لہجہ میں کہا کہ مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ میں اس لمحے معظم کے چہرے کے تاثرات کو نہیں بھول سکتا۔ اس کی روح کھنچ کر اس کی آنکھوں میں آگئی تھی۔ کسی نے اس طرح ٹوٹ کر خدا سے زندگی نہیں مانگی ہوگی جس طرح بے اختیار ہو کر وہ خدا سے شہادت مانگ رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد جب میں اس کیفیت کے سحر سے باہر آیا تو میں نے جھنجلا کر کہا۔

"خوشی کا موقع ہے۔ بہن کی شادی پر آئے ہو۔
یہ تم نے شہادت شہادت کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ کچھ
ہمارا' اپنے ماں باپ کا بھی خیال کرو۔"

مجھے اتنا پریشان دیکھ کر معظم نے پھر بات کا رخ بدلا۔

"آپ نے باتوں میں لگا لیا۔ چائے تو ٹھنڈی ہی
ہوگئی۔ آہا' آج کی Cold Tea کا مزہ آئے گا' وہ بھی مفت
میں۔"

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ بات آئی گئی ہوئی۔ لیکن میرے دل میں پھانس رہ گئی۔ جب ۱۶ مئی کی دوپہر میرے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ معظم کی شہادت کی خبر دینے کے لئے اس سے پہلے کہ کرنل صاحب کچھ کہیں' میرے دل کے اندر سے آواز آئی۔ کہیں وہ انہونی تو نہیں ہوگئی۔ اور آنکھوں کے سامنے معظم کا وہ چہرہ' وہ آنکھیں گھوم گئیں جن میں شہادت کی آرزو کی روح کھنچ آئی تھی۔

آرزوئے شہادت کے سوا' کوئی انتہاپسندی نہ تھی

عذرا ضرار

س: آپ سے بھی پہلا سوال وہی' جو دوسروں سے کر رہا ہوں' آپ کا معظم سے کیا رشتہ تھا؟

ج: "تھا" نہیں "ہے" جو تا زندگی رہے گا۔

س: Sorry--- آپ کا معظم شہید سے کیا رشتہ ہے؟

ج: میرے میاں معظم شہید کے تایا زاد ہیں۔

س: کوئی ایسی یاد جس سے شہید کی سوچ کے کسی پہلو پہ روشنی پڑتی ہو؟

ج: ایک بار ہم سب بیٹھے تھے۔ مذہب پر بحث ہو رہی تھی۔ مسئلہ زیر بحث تھا' جو کچھ مانگنا ہے خدا سے براہ راست مانگنا ہے یا کوئی وسیلہ چاہیے۔

س: معظم کی کیا رائے تھی؟

ج: بحث میں' خاص طور پر مذہب یا سیاست پر بحث میں' لوگوں کا رجحان جذباتی ہونے کی طرف ہوتا ہے۔ بات Low Tone سے شروع ہوتی ہے اور Temper Loose ہونے پر ختم ہوتی ہے۔ معظم ایسے موقعوں پر بھی رائے Low Tone میں دے کر چپ ہو جاتا تھا۔

س: اس بحث میں معظم انتہا پسندی کے کس کنارے پر تھا؟

ج: وہ اتنا Mature تھا کہ کسی انتہا پر نہیں جاتا تھا' سوائے شہادت کی آرزو کے۔ اس موقع پر معظم نے صرف اتنا کہا' میں تو یہ جانتا ہوں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کے حکم سے آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو عین اس وقت حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور پوچھا۔

"اے ابراہیم! کوئی کام؟ میرے لئے کوئی خدمت؟"

آپ نے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کی آنچ محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔

"جبرائیل! کام تو ہے لیکن تم سے نہیں۔ جس سے ہے وہ دیکھ رہا ہے' وہ جانتا ہے۔"

اس واقعہ سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہی میرا خیال بلکہ ایمان ہے۔

س: کوئی اور بات؟

ج: دلیر تھا۔ ایک بار DNS کا آپریشن تھا۔ بالکل نہیں ڈرا۔ کہنے لگا'

"آپریشن بھی کوئی ڈرنے کی چیز ہے؟"

س: کھانے' پینے کی کوئی پسند؟

ج: فریش کریم کیک اس کی کمزوری تھا۔ جب آتا فریسکو سے فریش کریم کیک ضرور لاتا۔ اور سب سے پہلے اس سے خود انصاف کرتا۔

عافیہ' صالحہ' اور ریما کی یادیں

س: عافیہ بیٹی! آپ بتایئے' آپ کو معظم بھائی کی کیا بات یاد ہے؟

ج: مجھے تو ایک بات یاد ہے۔ جب آتے چاکلیٹ لاتے تھے' چاکلیٹ کھلاتے تھے۔ چاکلیٹ کا پیکٹ دے کر کہتے۔

"عافیہ! ہمیں بھی کھلاؤ۔"

میں کہتی "جب لینا تھا تو دیا ہی کیوں تھا؟"

وہ کہتے' "دینے کا منہ اور ہے اور لینے کا اور۔"

○

س: صالحہ زینت! آپ بتائیں آپ کو کیا یاد ہے؟

ج: میں چھوٹی سی تھی۔ مجھے پکڑ کر ہوا میں اچھالتے' پھر پکڑ لیتے۔

○

س: بیٹی' آپ اتنی چھوٹی سی ہیں' آپ کا نام؟

ج: میرا نام ریما ہے۔

س: بیٹی' آپ کو کیا یاد ہے؟

ج: مجھ سے کہتے تھے-----

"امی کو تنگ نہ کیا کرو۔" -----

"پڑھا کرو۔"

نماز پڑھنے کو بھی کہتے تھے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن!

------یحییٰ ملک

س: یحییٰ صاحب! آپ نے معظم شہید پر کتاب کے لئے جو عنوان تجویز کیا تھا'

"شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن"

وہی عنوان میں نے آپ کے انٹرویو کے لئے رکھا ہے۔ چونکہ اس انٹرویو کا لب لباب بھی یہی ہے کہ شہید جیسے پیدا ہی شہید ہونے کے لئے ہوا تھا۔ اسی آرزو' اسی جستجو میں اس کے شب و روز گزرے۔

ملک صاحب! یہ انٹرویو Informal بلکہ Uniqe رہے گا۔ جو باتیں جس ترتیب سے آپ کے ذہن میں آتی ہیں' بیان کرتے جایئے۔

معظم کا نام آتے ہی آپ کا پہلا Image کیا ہے؟

ج: میری آنکھوں میں معظم کی تدفین کا منظر سب سے پہلے آتا ہے۔ معظم کی شہادت کی خبر سے تدفین کے ابتدائی مراحل تک معظم کے والد ہی نے نہیں' والدہ نے بھی جرات اور صبر کا مظاہرہ کیا تھا۔ پتہ نہیں' کس طرح وہ ماما کی آگ کو دبائے ہوئے تھیں۔ پر جب تدفین کے لئے تابوت اٹھایا جانے

لگا تو وہ آخر پھٹ پڑیں۔ شہید بیٹے کے منہ پر منہ پر رکھ کر سرگوشی میں کچھ کہنے لگیں۔ بھائی یوسف نے کان لگا کر سنا اور "صحیح صحیح" کہہ کر چپ ہوگئے۔

میں نے پوچھا' بھائی جی! کیا کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے دہرایا' کہہ رہی ہیں۔

"ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے!"

"بے شک' بے شک۔" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

مئی ۱۹۹۵ء کی ۱۷ تاریخ تھی۔ ٹھیک آٹھ بجے صبح جنازہ اٹھایا گیا۔

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ شہید کو اسی فوجی وردی میں دفنایا جا رہا تھا جس مین وہ شہید ہوا تھا۔ جسد خاکی صرف ایک سفید چادر میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ تابوت کو ستارہ و ہلال سے مزین' سبز و سفید' پاکستانی قومی پرچم نے اپنی آغوش میں لیا ہوا تھا اور اس پر حسب روایت شہید کی وردی کی کیپ رکھی ہوئی تھی۔

جنازہ کو سب سے پہلے اس کے والد' چچا' بھائی اور قریبی عزیزوں نے کندھا دیا۔ اور سسکیوں اور آہوں کا ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ آخر کیوں نہ ہوتا' بائیس برس کے جوان کا جنازہ تھا' چند ماہ بعد جس کے سرخ گلابوں کا سہرا باندھنے کی تیاری ہو رہی تھی اور جس نے خود خوشی خوشی شہادت کے گلابوں کا سہرا باندھ لیا تھا۔ اس روز جیسے سارا کالا گوجراں' سارا شہر جہلم امنڈ آیا تھا۔

ہر شخص کی کوشش تھی کہ کسی طرح شہید کے تابوت کو کندھا دے' قریب سے دیکھ لے' کندھا نہ سہی ہاتھ تو لگا لے۔ میں اس اجنبی نوجوان کو نہیں بھول سکتا جو کوشش کرتے کرتے آخر کار تابوت تک پہنچ ہی گیا۔ اور اس کو ہاتھ لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اپنے ہاتھوں کو چوم رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پراسرار عزم کی چمک تھی۔ میرے دل نے کہا'

"یہ جنونی نوجوان ایک اور معظم ہے۔"

ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی۔

"انشاء اللہ! یوں ہی معظم پیدا ہوتے رہیں گے'

ستارہ و ہلال کی حرمت پر قربان ہونے کے لئے!"

اس وقت میرے ذہن میں ایک اور Flash آیا' کیا اس وقت شہید کی روح یہ نظارہ دیکھ رہی ہوگی۔

اس نے ہوش سنبھالتے ہی شہادت کی آرزو شروع کردی تھی۔ کسی عاشق نے اپنے محبوب کو اس طرح ٹوٹ کر نہ چاہا ہوگا جس طرح ٹوٹ کر معظم' اپنی ماں کا لاڈلا' اور باپ کی امنگوں کا رکھوالا معظم' شہادت کی آرزو کیا کرتا تھا۔ آج برسوں کی بے قراری کو قرار آگیا تھا۔ کیا اس کی روح یہ نظارہ دیکھ رہی ہوگی کہ کس طرح شہید کو پاکستانی پرچم میں لپیٹ کر سلامی دی جارہی ہے؟

اے ارض پاک'

اے سرزمین پاکستان

تو سلامت تا ابد رہے' تجھ پر ماؤں کے کیسے کیسے نورتن قربان ہوگئے۔

سیاچن کی سفید برفوں پر نوجوان شہیدوں کے خون کے کیسے کیسے تازہ سرخ گلاب بکھر گئے!

جنازے میں معظم کی یونٹ کے جوانوں اور افسروں' ملٹری کالج' جہلم کے کمانڈانٹ' معظم کے پرانے Instructors' جہلم گیریزن کے افسروں کے علاوہ پنڈی سے دو میجر جنرل بھی آئے ہوئے تھے جو معظم کو بچپن سے جانتے تھے۔ ایک خلقت تھی جو نوجوان شہید کو خراج عقیدت پیش کرنے آئی تھی۔ لیکن وہ بوڑھا اجنبی یاد رہے گا جو دور کھڑا حسرت سے کہہ رہا تھا:

"بیٹے! جب رسول پاکؐ کے سامنے جاؤ تو میرا بھی سلام کہنا' میرا بھی سلام کہنا!"

پھر وہ رو پڑا' "پتر! تیری عمر مرنے کی نہیں تھی۔"

پھر یکدم چپ ہوگیا۔ "مرضی..... جو مولا کی مرضی!"

شہید کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا جس کا اہتمام جہلم گیریزن نے کیا تھا۔ "لاسٹ پوسٹ" کے بگل کا منظر دیدنی تھا۔ اسے سن کر پھر میرے دل کے اندر سے آواز آئی۔ ....Is that the end?

ذہن نے جواب دیا:

No! it is the beginning...........

س: ایک عظیم زندگی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ زندگی کی عظمت ماہ و سال سے نہیں، مقصد کی عظمت سے تولی جاتی ہے۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

ج: معظم کے آبائی گھر سے کالا گوجراں کے قبرستان تک خاصا فاصلہ ہے۔ اس مرحلے میں شہید کے والد، میرے چھوٹے بھائی میجر ڈاکٹر یوسف خاموش رہے تھے۔ اللہ نے انہیں بڑا حوصلہ دیا ہے۔ جب قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی تو ذاتی غم کے اس المناک لمحہ میں پاکستان کو یاد رکھا اور ایک Intellectual کی طرح صرف اتنا کہا۔

"خدا کرے، ہمارے ارباب حل و عقد، جاگیرداروں، صنعت کاروں اور سیاست دانوں کو اس قربانی کی قیمت کا احساس ہو، جو اس ملک کے غریب اور "مڈل" کلاس کے لوگ اس ملک کے لئے دے رہے ہیں۔"

اس پر میں نے صرف اتنا اضافہ کیا۔

"یہ ملک غریبوں نے بنایا تھا، خود امیر بننے کے لئے نہیں، اسلام کے لئے، وہی اس کو سنبھالیں گے۔"

س: انشاء اللہ!

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ ء توحید سے

ج: واقعی؟ اس گھپ اندھیرے میں کس خورشید کی توقع کی جائے؟

س: علامہ نے یہ شعر ۱۹۱۲ء میں لکھا تھا۔ جنگ بلقان کے پس منظر میں۔ اس وقت ملت کی صورت حال آج کی صورت حال سے کہیں بد تر تھی۔ یقیناً" شب گریزاں ہوگی۔

ج: کیسے؟

س: جب تک پاکستان میں معظم علی پیدا ہوتے رہیں گے' پاکستان کا مستقبل محفوظ ہے۔ معظم ایک علامت ہے جلوہ خورشید کی' یقین کی۔ خود علامہ نے کہا ہے۔

یقیں افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

"آواز دوست" میں مختار مسعود نے لکھا ہے۔

"جس سرحد کو اہل شہادت میسر نہ آئیں
وہ مٹ جاتی ہے۔"

ج: پروفیسر صاحب! معظم کی شہادت کوئی حادثاتی شہادت نہیں تھی۔

It was a determined quest.

جب سے اس نے ہوش سنبھالا' اس کی ایک ہی آرزو' ایک دعا' ایک ہی خواہش تھی۔ شہادت' شہادت! لوگ زندگی کی کامیابی کی' گلابوں اور خوشبوؤں کی آرزو کرتے ہیں۔ کیسی کیسی Ambitions ہوتی ہیں۔ اس کی کوئی Ambition نہیں تھی۔ ایک ہی Aspiration تھی' شہادت' شہادت!

ایک پرانے Family Friend ہیں ڈاکٹر صلاح الدین' جنہوں نے معظم کو بچپن سے دیکھا' گودوں کھلایا' معظم کی شہادت پر انہوں نے بے ساختہ

کہا۔

"معظم ایک Message لے کر پیدا ہوا تھا!

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

علامہ کا یہ شعر بارہا سنا اور پڑھا۔ لیکن میں نے اپنی زندگی میں اس کی تعبیر معظم کی زندگی میں دیکھی۔

جب ہم معظم کو سپرد خاک کر کے آ رہے تھے تو یہ تجویز کہ معظم کی عظیم زندگی کو ایک Source of inspiration کے طور پر ایک کتاب کی شکل میں چھپوا دیا جائے' سب سے پہلے ان ہی نے پیش کی تھی۔

س: جذبہ شہادت تو بہتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن شوق شہادت کسی کسی میں ہوتا ہے۔ جہلم کی سرزمین پر اللہ کا کرم ہے کہ یہاں شہادت کے دیوانے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ کلاگوجراں کے قریب ایک جگہ ڈنا ہے وہاں کے لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید بھی شہادت کے لئے تڑپا کرتے تھے۔ جہلم شہر کے مضافات میں ایک اور قابل فخر بستی' نکاکلاں ——— اس کا ایک سپوت میجر اکرم نشان حیدر بھی شہادت کو تلاش کرتا ہوا شہید ہوا۔

ج: لیکن پروفیسر صاحب! جس تواتر سے اور جس عمر سے بلکہ پیدائش کے وقت سے معظم کی زندگی شہادت کا روشن اشارہ دے رہی تھی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

س: میں چاہوں گا کہ ان اشاروں اور واقعات کو ریکارڈ پر لایا جائے۔ تاکہ معظم کی شہادت کے اسرار و رموز سامنے آئیں۔

ج: عرض کرتا ہوں۔ سب سے پہلا اشارہ ایک خواب تھا جو معظم کے والد میجر ڈاکٹر یوسف اختر کی Sister in Law نے دیکھا۔ یہ واقعہ وسط ۱۹۷۲ء کا ہے۔ میجر ڈاکٹر یوسف اردن میں الکرک کے مقام پر Deputation پر تھے کہ

انہیں اپنی ایک Sister in Law کا خط ملا کہ میں نے خواب میں ایک سفید پوش بزرگ کو دیکھا' کہہ رہے ہیں۔

"بچی سن! میجر یوسف کے گھر ایک بیٹا پیدا ہونے والا ہے' اس کا نام معظم علی رکھنا۔ وہ بڑا ہو کر آرمی میں جائے گا۔"

س: اچھا' انہیں بشارت ہوئی؟

ج: جی ہاں' نام کا تعین بھی غیب سے ہوا اور پروفیشن کا بھی۔ آگے سنئیے۔ میجر یوسف یہ خط پڑھ رہے تھے اور اردن کے ایک دوسرے کنارے پر مسز یوسف جو امید سے تھیں' اپنا وقت تاریخی کتابیں پڑھنے میں گزار رہی تھیں اور خدا سے دعا مانگ رہی تھیں۔

"یا اللہ! بیٹا دینا تو سلطان ٹیپو شہید ایسا دینا۔"

س: یہ حسن اتفاق ہی نہیں' اشارہ غیبی ہے۔

ج: یہ تو پہلا اشارہ تھا۔ دوسرا اشارہ معظم کے پیدا ہونے پر سامنے آیا۔ معظم کی تاریخ پیدائش ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء ہے اور مقام پیدائش الکرک۔ جب معظم پیدا ہوا' اس کی پیشانی پر عربی کے پہلے حرف "الف" کی شکل کی چمکدار لکیر تھی' جسے معظم کے والدین نے دیکھا۔ الکرک میں پاکستان میڈیکل کور کا جو عملہ تھا اس نے بھی دیکھا اور نوٹ کیا کہ بچے کی پیشانی پر "الف" شکل کا ایک چمکتا نشان ہے۔ یہ روشن نشان تین چار ہفتے رہا۔ پھر غائب ہوگیا۔

س: یہ تو ایک اشارہ تھا کہ یہ بچہ Exceptional ہے۔ میں یہ جاننا چاہوں گا کہ بچپن میں معظم کے شب و روز کیسے تھے؟

ج: Perfectly Normal

بالکل عام بچوں ایسا......... But with a difference!

س: وہ فرق کیا تھا؟

ج: بچپن میں اس میں بظاہر دو متضاد Traits سامنے آئے۔

ایک تو یہ کہ اس میں قوت برداشت اور Physical Courage بہت تھی- جس طرح ابھی چند روز پہلے اس کی بڑی بہن ڈاکٹر اسماء بتا رہی تھیں کہ جب معظم دو اڑھائی برس کا تھا' وہ سیڑھیوں پر سے گرا تو خاصی چوٹ لگی- اتنی کہ ٹھوڑی پر تین چار ٹانکے لگوانے پڑے- کوئی اور بچہ ہوتا تو رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتا- لیکن معظم چپ رہا- ایسا کئی بار ہوا- کوئی چوٹ لگی ہے یا گرا ہے تو مجال ہے کہ روئے یا شور کرے؟

He was brave and hardy

Right from his earliest days.

دوسری طرف اس کی خوش مزاجی تھی- Jolly تھا- Jokes Cut کرتا تھا اور بعض Practical Jokes بھی- معظم پانچ چھ سال کا تھا کہ اسے مذاق کی سوجھی- اور مذاق بھی کس کے ساتھ؟..... اپنے پیارے دادا جان کے ساتھ! جہلم کی معروف شخصیت ملک نجیب اللہ جن کی تاریخ وفات ۲۶ جنوری ۱۹۹۴ء ہے' ہم سے بہت پیار کرتے تھے-

س: Practical Joke کیا تھا؟

ج: دادا جان نے فون پر ایک ضروری ٹرنک کال بک کی اور فون کے قریب ہی بیٹھ گئے- معظم کو شرارت سوجھی- اس نے ٹائم پیس سیٹ کیا- کچھ دیر بعد ٹائم پیس بج اٹھا- انہوں نے فوراً" فون اٹھایا- معظم نے کھٹ سے ٹائم پیس آف کر دیا- ایسا کئی بار ہوا-

دادا جان بہت جھنجلائے کہ کیا قصہ ہے- گھنٹی بجتی ہے' بات نہیں ہوتی- جب تیسری بار برخوردار نے یہی حرکت کی تو راز کھلا- پھر جو دادا جان سے مذاق کرنے پر معظم کی تواضع ہوئی ہوگی' اس کا تصور کیا جاسکتا ہے-

یہ مذاق تو دادا جان کے ساتھ ہوا---- جب کہ بہن بھائیوں کے ساتھ شوخیاں کرنا اس کا روز کا معمول تھا- اسماء کہتی ہیں' معظم کانونٹ سکول

میں پڑھتا تھا۔ گرمیوں کی گرم دوپہر تھی کسی کو نیند نہیں آرہی تھی۔ معظم کو شرارت سوجھی۔

اس نے Phenergan Syrup (خواب آور شربت) کی شیشی کھولی۔ پہلے ایک چمچہ شربت مزے لے کر خود پیا۔ پھر ایک چمچہ مجھے دیا۔ آخر میں ایک چمچہ اپنی پیاری بلی کے منہ میں بھی انڈیل دیا۔ پھر جو تینوں سوئے تو اٹھنے کا نام نہ لیا' دوپہر سے سہ پہر' سہ پہر سے مغرب' جب معظم کی امی کو پتہ چلا کہ معظم نے یہ شرارت کی ہے تو انھوں نے خوب مزاج پرسی کی۔

یہ شوخی' یہ شرارت معظم کی زندگی کا ایک پہلو تھا۔ لیکن اس کی Core Personality کا تانا بانا جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے بنا گیا تھا۔ اور یہ رجحان اس میں اس وقت سے تھا جب اس نے ابھی سکول جانا بھی شروع نہیں کیا تھا۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا------ Infant۔ اور اس کے والد کی پوسٹنگ الکرک' اردن میں تھی تو اس کی حرکتیں ایسی تھیں کہ میجر یوسف کے ایک دوست اور فیملی فرینڈ' اے ایم سی کیپٹن بشیر علی اسے "کمانڈو" کہتے تھے۔ آپ کو علم ہے' ایس ایس جی کا ایک تربیتی مرکز اٹک فورٹ میں ہے۔ الکرک سے میجر یوسف کی پوسٹنگ نوشہرہ میں ہوئی۔ وہ ہر "ویک اینڈ" پر نوشہرہ سے پنڈی آتے تھے۔ راستے میں اٹک فورٹ پڑتا۔ معظم ہر بار اصرار کرتا کہ مجھے فورٹ اندر سے دکھائیں۔ اکثر وہ قلعہ کے مین گیٹ تک اپنے ابو کے ساتھ آتا۔ گیٹ گارڈ سے کہتا۔

"میں بھی کمانڈو بنوں گا۔"

گیٹ کا ایک پٹھان سپاہی معظم کو پہچاننے لگا تھا۔ جب معظم گاڑی سے اتر کر گیٹ کی طرف وہ جملہ کہنے کے لئے بھاگتا تو وہ دور ہی سے کہتا۔

"آ آ۔ میرے کمانڈو بچے!"

"اپنی اپنی آرزو!"

تائی امی' کنیز شعیب

س: بی بی! آپ کا تعارف؟

ج: کنیز شعیب میرا نام ہے۔ میں معظم کی تائی امی ہوں۔

س: معظم سے متعلق پہلی یاد جو آپ کے ذہن میں آتی ہے؟

ج: پہلی یاد تو سرخ سیلاب کے خواب کی ہے جو میں نے دیکھا؟

س: کوئی واقعہ جس سے اس کے رویوں پر روشنی پڑتی ہو؟

ج: معظم چار سال کا تھا' میرے ساتھ' جہلم میں' بازار جا رہا تھا۔ شاپنگ کرتے کرتے کافی سامان جمع ہو گیا۔ میں فکر مند ہوئی کہ اب کیا کیا جائے۔ معظم سینہ تان کے کہنے لگا۔

"میں جو ہوں' سامان میں اٹھاؤں گا۔"

جب سے خاص طور سے وہ فوج میں گیا تھا' اکثر کہا کرتا'

"مجھے شہید ہونا ہے۔"

ایک روز دادی اماں سے ضد کرنے لگا۔

"آپ اوروں کے لئے اتنی دعائیں کرتی ہیں'

میرے لئے بھی تو کریں۔
مجھے شہید ہونا ہے۔"
اس دن میں معظم سے لڑ پڑی۔
"یہ کیا رٹ لگا رکھی ہے' شہید ہونا ہے' شہید ہونا ہے۔"
اسماء کی شادی میں وہ سیاچن سے چھٹی پر آیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے پھر وہی بات چھیڑ دی۔ میں سچ مچ بھڑک اٹھی۔
"ہم تمہاری بری کے جوڑے بنا رہے ہیں اور تم باز نہیں آتے۔"
"اپنی اپنی آرزو ہے۔" معظم نے بڑے سکون سے کہا تھا۔
معظم کی آنکھوں میں ان لمحوں ایسی آسمانی چمک آ جاتی تھی جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔
" اللہ خیر کرے۔" مجھ پر ایک خوف طاری ہونے لگتا۔

"نہیں، اباجی!"
......پاکستان کے خلاف کچھ نہ کہیں"

ڈاکٹر اسماء زینب

س: اسماء بی بی، معظم کا نک نیم کیا تھا؟

ج: پہلے موجو، پھر جوجو، آخر تک وہ ہمارے لئے جوجو ہی رہا۔ وہ مجھے آپو کہتا تھا۔ ہماری خط و کتابت بھی جوجو اور آپو کے نک نیم سے ہوتی تھی۔

س: بچوں، خاص طور سے ذہین بچوں کو کوئی نہ کوئی شوق ضرور ہوتا ہے۔ کسی کو چھوٹی موٹی چیزیں جمع کرنے کا، کسی کو پرندوں یا پالتو جانوروں سے کھیلنے کا، آپ کے جوجو کا شوق کیا تھا؟

ج: جوجو کو بلیاں پالنے کا بہت بلکہ غیر معمولی شوق تھا۔ الکرک (اردن) میں، جہاں وہ پیدا ہوا تھا، ابھی وہ آٹھ نو ماہ ہی کا تھا اور گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر چلتا تھا، اس کی دوستی ایک اردنی بلے سے ہوگئی تھی۔ وہ بلا صبح سویرے ایک خاص وقت ہمارے گھر آتا تھا۔ جوجو اس کا انتظار کرتا۔ وہ بلا بھی اتنا وفادار تھا کہ جوجو کے ارد گرد گھومتا رہتا تھا۔ اور کبھی اس کی گود میں آکے

بیٹھ جاتا۔ جوجو اپنا فیڈر اس سے Share کرتا۔ جوجو فیڈر ایک بار خود پیتا۔ دوسری بار بلے کے منہ میں دے دیتا۔ امی اس صورت حال سے پریشان رہتیں۔ لیکن جوجو ضرور اسے اپنے فیڈر سے دودھ پلاتا۔ جب ذرا بڑا ہوگیا تو اس بلے کی جگہ ایک سفید بلی نے لے لی۔ جوجو فریج سے دو انڈے نکالتا' آپس میں ٹکرا کر توڑتا۔ ایک اپنی چہیتی بلی کو کھلاتا' دوسرا خود کھاتا یا پی لیتا۔ یہ کچے انڈے کھانے کا شوق اسے ایک عرصہ تک رہا۔

جب ابو نے نوشہرہ سے ریٹائرمنٹ لی اور جہلم میں Settle ہوئے' اس وقت جوجو نرسری میں پڑھتا تھا اور اس کی عمر چار پانچ برس کی تھی۔ جوجو اسرار کے ساتھ نوشہرہ کی بلی اپنے ساتھ لایا۔ جہلم آکر اس بلی نے تین بچے دیئے۔ ان میں سے ایک بہت بلیک تھا۔ جوجو کو یہ بچہ بہت پیارا تھا۔ اس نے اس کا نام "اندھیرا" رکھا ہوا تھا۔ وہ رات کو جوجو کے ساتھ ہی سوتا تھا۔ جوجو بھی اندھیرا کی بہت خاطر تواضع کرتا۔ کبھی کبھی میں چڑ کر کہتی کہ ہم بھائی بہن سے تو اندھیرا ہی بہتر ہے کہ تم اس کا اتنا خیال کرتے ہو۔ جوجو کہتا' اندھیرا کی کیا بات ہے' اتنا پیارا ہے' اتناپیارا ہے کہ حد نہیں۔ دیکھو کیسے خر خر کرتا ہے۔ جوجو کو بلیوں سے پیار آخر وقت تک رہا۔ آخری بار میری شادی پر آیا تھا۔

اس وقت اس نے کہا تھا:

"اب میری پوسٹنگ بہاولپور ہو رہی ہے۔ پلین
سٹیشن ہے۔ ضرور ایک بلی پالوں گا۔"

س: Pets سے بچوں کی دلچسپی ان کی انسان دوستی کی پہلی منزل ہوتی ہے۔ جو بچے پودوں یا پرندوں یا پیٹس سے پیار کرتے ہیں وہ بڑے سوشل اور محبت والے ہوتے ہیں۔ ذہین بچے شرارتیں بھی کرتے ہیں۔ ان کی ذہانت نت نئی شرارتوں کی شکل میں صورت بدل بدل کر ظاہر ہوتی ہے۔ معظم کی ذہانت

میں کیا شک ہے۔ اب آپ جوجو صاحب کی شرارتوں سے بھی پردہ اٹھائیے۔

ج: جوجو کی شرارتوں کی داستان سنانے سے پہلے میں یہ بتاتی چلوں کہ ہمارے ابا جی (اصل میں دادا ملک نجیب اللہ ریٹائرڈ ا یکسئین) کا ہم بہن بھائیوں کی تربیت میں بڑا ہاتھ ہے۔ ہم بہن بھائی انہی کے ہاتھوں میں پلے بڑھے۔ ہماری تربیت میں ان کا ہاتھ امی ابا سے بڑھ کر ہے۔ اباجی معظم کی شرارتوں سے تنگ آکر کہتے' جوجو میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے سو تھپڑ لگاؤں۔ اور ننانوے پر پہنچوں تو بھول جاؤں۔ اور پھر ایک سے شروع کروں۔ جوجو بھاگ کر دور کھڑا ہو جاتا اور کہتا۔

"اباجی! ہو ہی نہیں سکتا۔

آپ کا حساب اتنا اچھا ہے کہ آپ بھول ہی نہیں سکتے۔"

اباجی ہنس کر کہتے۔

"اچھا! ادھر آؤ۔ میں تمہیں گن کے بتاتا ہوں کہ بھولوں گا یا نہیں۔"

جوجو کی شرارت میں ذہانت ہوتی تھی۔ ایک بار انہوں نے ایک ٹرنک کال بک کرائی اور صوفے پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ جوجو چپکے سے آیا۔ اور چھوٹی الارم ٹائم پیس فون کے پاس رکھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹائم پیس نے بجنا شروع کیا۔ اباجی اٹھے کہ فون سنیں۔ کئی بار ایسا ہوا تو وہ سمجھ گئے کہ جوجو کی شرارت ہے۔ شکر ہے کہ جوجو بھاگ کے دوسرے کمرے میں چھپ گیا۔ ورنہ اس کی کافی تواضع ہوتی۔

س: اگر نفسیاتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بڑی Imaginative شرارت تھی۔ ماشاء اللہ !

ج: آپ نے صحیح تبصرہ کیا۔ جوجو کی اکثر شرارتیں ایسی ہی تھیں۔ ایک

دفعہ ایسا ہوا کہ گرمیوں کے دن تھے' سہ پہر کا وقت' ہم اودھم مچاتے مچاتے تھک گئے۔ کسی طرح نیند نہیں آرہی تھی۔ جوجو کو نئی شرارت سوجھی۔ بھائی Phenergan Syrup کی شیشی باہر سے اٹھا لایا۔ اس نے کچھ خود لیا اور بڑے مزے لے کر Sip کیا۔ پھر کچھ مجھے دے دیا اور آخر میں اپنی بلی "اندھیرا" کو بھی زبردستی پلایا۔ پھر جو ہم سوئے تو قیامت کی خبر لائے۔ جب مغرب کی اذان بھی ہوگئی اور ہم کمرے سے نہ نکلے تو گھبرا کر امی کمرے میں آئیں۔ اور ہمیں جھنجوڑ جھنجوڑ کر اٹھایا۔ اندھیرا ابھی تک اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ رات کو امی اندھیرا کو راتب دیا کرتی تھیں۔ جب اس کی تلاش شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ "اندھیرا" ابھی تک "خواب خرگوش" کے مزے لے رہا ہے۔ کیوں' کیا ہوا' کیسے ہوا' گھر میں ہر کوئی اس عظیم مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ جب اصل راز فاش ہوا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جوجو کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔

معظم اور رضوان جب اکٹھے ہوتے تو شرارتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ لیکن اس چھوٹی عمر میں بھی جوجو نے شرارت اور بد تمیزی اور شرارت اور دل آزاری میں جو فرق ہے' اسے لاشعوری طور پر ملحوظ رکھا۔ جوجو کی شرارتیں بے ضرر ہوتی تھیں۔

اب میں آپ کو ایک ایسا دلچسپ واقعہ سناتی ہوں کہ اگر میری آنکھ نہ کھل جاتی تو آج میں یہ واقعہ سنانے کے لئے اس دنیا میں سانس نہ لے رہی ہوتی۔

س: خیریت؟ وہ کیا واقعہ ہے؟

ج: یہ واقعہ ایف جی پبلک سکول کے زمانے کا ہے۔ ابھی تک ہمارا گھر مکمل نہیں ہوا تھا۔ اور میں اور جوجو تایا کے گھر میں ایک ہی کمرہ Share کرتے تھے۔ رات گئے میں سوئی ہوئی تھی کہ میں نے محسوس کیا جیسے کوئی میرا گلا دبا رہا ہو۔ میری آنکھ کھلی تو اندھیرے میں کچھ اندازہ ہوا کہ معظم ہے۔ بڑی

مشکل سے اسے پیچھے ہٹایا۔ معظم ہٹا اور اپنے بستر پر جا کر سو گیا۔ میری رات خاصی ڈر میں گزری۔ کہیں پھر آکر گلا نہ دبا دے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا شکایت کروں۔ میں تو یہ سوچ بھی اور سمجھ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہوش میں رہتے ہوئے جوجو مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے۔ بہر حال وہ مسئلہ جلد ہی حل ہو گیا۔

س: وہ کیسے؟

ج: وہ یوں کہ ناشتے پر جوجو بڑے جوش و خروش سے ابو کو اپنا خواب سنا رہا تھا۔ ابا' رات میں نے خواب میں دیکھا' میں راجیو گاندھی کا گلا دبا رہا ہوں۔ پتہ نہیں مرا یا بچ گیا؟ پھر ہنسنے لگا۔ جب میں نے اصل واقعہ سنایا تو سب نے بہت Enjoy کیا۔

س: یہ واقعہ معظم کے لاشعور کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ پاکستان کے ساتھ کتنا Involved تھا۔

ج: اسی طرح ایک دفعہ رات کو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ معظم نیچے زمین پر کچھ ٹٹولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ نیند میں تھا۔ میں نے زور سے ہلا کر پوچھا کہ جوجو کیا کر رہے ہو تو نیند ہی میں جواب دیا کہ اردو کے نمبر تلاش کر رہا ہوں۔ ان دنوں اس کے کلاس ٹیسٹ ہو رہے تھے۔

معظم بڑا Observant تھا۔ مجھے یاد ہے جب نوشہرہ میں پہلے دن کانونٹ سکول پڑھنے گیا تو واپسی پر جو طویل داستان اس نے سنائی اس کا ایک فقرہ یہ تھا۔ ''آپو' ہماری مس جب بولتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے پٹاخے چھوٹ رہے ہوں۔''

جوجو کے خط بھی بڑے دلچسپ ہوتے تھے۔ پی ایم اے جا کر اس کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں۔ پھر بھی خط لکھتا رہتا۔ ایک خط میں لکھا۔

''آپو' یہاں دن رات کا حساب رکھنا مشکل ہے۔

بقول راشد منہاس "صبح ہوتی ہے' صبح ہوتی ہے اور پھر صبح ہوتی ہے۔"

س: ڈاکٹرز کی فیملی میں بچوں کی پہلی چوائس ڈاکٹری ہوتی ہے۔ How Come کہ معظم فوج میں گیا' وہ بھی ایک Combat Arm انفنٹری میں۔

ج: یہ سو فیصد اس کی اپنی چوائس تھی۔ اباجی (داداجی)'ابو' امی اور سچ پوچھیے تو میری بھی یہ خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بنے۔ لیکن بچپن سے اس کی خواہش تھی کہ وہ فوج میں جائے۔ اور وہاں بھی وہ کمانڈو بنے۔ کہتا تھا' اصل مزا کمانڈو بننے میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ فوج میں جانے کا ارادہ اس نے آٹھ دس سال کی عمر ہی میں کر لیا تھا۔ اور ساتھ ہی شہید ہونے کا قصد بھی۔

"شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن"

یہ پوسٹر اس کے کمرہ میں ایف جی سکول کے زمانہ میں نمودار ہوگیا تھا۔ دسویں تک پہنچتے پہنچتے اس شعر کے علاوہ دو ایک اور بھی وہ اکثر گفتگو اور خطوں میں Quote کرتا تھا۔

س: کون سے؟

ج: ایک تو اقبال کا یہ شعر۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

س: By the way...... یہ شعر اقبال کا نہیں' اثر صہبائی کا ہے۔ گو لگتا اقبال ہی کا ہے' خصوصاً پہلا مصرعہ۔ بہر حال اس سے اقبال کے پیغام کی ترجمانی ضرور ہوتی ہے۔ اور دوسرا شعر؟

ج: دوسرا جس کسی کا بھی ہے' یہ تھا۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

س: یہ شعر غالب کا ہے۔

ج: یہ دو شعر معظم کے Attitude کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں۔ اگر معظم کی داستان حیات دو شعروں میں بیان کی جاسکتی تو یہی دو شعر ہوتے۔

س: شعر کا انتخاب ہو یا کوئی اور پسند' وہ شخصیت کی ترجیحات کو Reflect کرتی ہیں۔ اسماء بی بی! معظم کے بچپن یا لڑکپن کی کوئی اور یاد؟

ج: ایک تو یہ کہ Sense of Humour بہت تھا۔ ہنسنا اور ہنسانا' چھیڑنا اس کا مشغلہ تھا۔ چونکہ معظم کے چھوٹے بھائی ہارون کا مزاج مختلف تھا' دونوں میں اکثر ٹھنی رہتی تھی۔ معظم کوئی ایسی بات کر دیتا جس سے ہارون کا پارہ چڑھ جاتا۔ پھر ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ معظم خود کبھی غصہ میں نہ آتا۔ نہ آپے سے باہر ہوتا۔ اسے اس کچی عمر میں بھی اپنے مزاج پر پورا کنٹرول تھا۔ دوسری بات یہ کہ اس میں Physical Courage بھی بہت تھی۔ جب تین چار سال کا تھا' تایا ابو کے گھر میں سیڑھیوں سے گر پڑا۔ Chin میں خاصا زخم آیا۔ تین چار ٹانکے لگے۔ یہ دیکھ کر امی کی بری حالت ہوگئی۔ لیکن مجال ہے کہ معظم نے اف بھی کی ہو۔

پاکستانیت بھی اس میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔

س: اس کی کوئی مثال؟

ج: وہ پاکستان کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس نے کبھی اباجی (دادا) کی کوئی بات نہ مانی ہو یا ان کی کسی بات کا جواب دیا ہو۔ لیکن ایک بار پاکستان کی ہاکی ٹیم کا انٹرنیشنل میچ ہو رہا تھا۔ ہم سب ٹی وی سے چپکے بیٹھے تھے۔ اباجی بھی دیکھ رہے تھے۔ جب پے درپے چند پلنٹی کارنر پاکستانی ٹیم نے مس کیے تو اباجی نے دو چار فقرے ایسے کہے جس سے پاکستان پر تنقید کا ایک پہلو نکلتا تھا۔ یہ سنتے ہی معظم جس کی اباجی کے آگے زبان نہیں

کھلتی تھی، ایک دم بول پڑا۔

"نہیں، اباجی۔ ٹیم بے شک برا کھیلے،
آپ پاکستان کے خلاف کچھ نہ کہیں۔"

میں پہلے بتا چکی ہوں، اسے بچپن سے شہید ہونے کی شدید خواہش بلکہ Craze تھا۔ انفنٹری میں وہ گیا ہی شہید ہونے کے لئے تھا۔ ایک بار میں نے کہا کہ تم EME میں چلے جانا۔ وہ بھی آخر فوج ہی ہے۔ اس نے چمک کر کہا۔

"نہیں آپو، صحیح فوج Combat ——— لڑنے والی
فوج ہوتی ہے۔ مجھے اصلی فوج میں جانا ہے۔ شہید ہونے کا
موقع تو وہیں ملے گا۔"

معظم کو دعا پر بھی بڑا یقین تھا۔ وہ ملٹری کالج میں تھا اور میں لاہور میں ہوسٹل میں تھی۔ اس نے خط لکھا۔

"آپو، میں سالانہ امتحان کی ڈیٹ شیٹ بھیج رہا
ہوں۔ جس دن میرا پرچہ ہو آپ میرے لئے سورہ یٰسین
پڑھ کر دعا کیا کریں۔"

آخر میں لکھا۔

"آپو، یہ نہ سمجھیں کہ محنت کرنے میں، میں نے
کوئی سستی کی ہے۔ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے
بہت جان مار کر تیاری کی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ آپ دعا
بھی کریں، محنت اپنی جگہ لیکن دعا کی ضرورت ہمیشہ رہتی
ہے۔"

سیاچن پی ایم اے کے فرسٹ ٹرم کے اینڈ ہی سے اس کے ذہن میں مرتکز ہو گیا تھا۔ اسی زمانے کے ایک خط میں لکھا کہ:

We fly where no eagles dare !

نیچے "سیاچن" لکھا تھا۔

معظم تیسرے ٹرم میں Para Trooping کے لئے سیلیکٹ ہو گیا تھا۔ ٹریننگ کے لئے گیا بھی۔ کمانڈو بننے کی خواہش اس کی بچپن سے تھی۔ یہ کورس کمانڈو ٹریننگ کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس لئے وہاں جانے سے بہت خوش تھا۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو معظم پی ایم اے سے پاس آؤٹ ہوا تھا۔ ہم سب اس کی پاسنگ آؤٹ پر گئے تھے۔ معظم کو اس دن سے زیادہ خوش میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ تایا ابو نے مبارک باد دی اور کہا' اب تم افسر بن گئے ہو۔ افسر کا بڑا مقام ہوتا ہے۔ کہنے لگا۔

"شکریہ۔ لیکن مجھے مقام یا نام کی پرواہ نہیں۔ مجھے
تو اس بات کی خوشی ہے کہ اب مجھے اپنی منزل قریب نظر آ
رہی ہے۔"

جب وہ آخری بار سیاچن واپس جانے لگا تو بھی اس کی آنکھوں میں ایسی جیت' ایسا عزم دیکھا کہ ایک بار تو میں دھل ہی گئی۔ اس وقت میرے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس منزل کی طرف اس نے اشارہ کیا' وہ اتنی قریب ہے۔ جب کمشن لینے کے کچھ عرصہ بعد وہ Basic کورس کے لئے کوئٹہ گیا۔ تو وہاں سے بار بار لکھتا۔

"آپو' ضرور دعا کرنا' میں یہاں سے امتیاز سے'
Distinction سے پاس آؤٹ ہو جاؤں۔ اپنی اور یوسٹ
کی عزت کا سوال ہے۔"

کوئٹہ جانے سے پہلے معظم نے اپنے پیسوں سے میرے لئے کپڑے بنوائے۔ میں نے منع کیا تو بولا۔

"آپو' یہ میری خوشی ہے' میں نے اپنی تنخواہ سے یہ
پیسے بچائے ہیں۔"

کوئٹہ سے واپسی پر ۲۶ جنوری ۱۹۹۴ء کو اباجی کا انتقال ہوا۔ مجھے یاد ہے۔ معظم لاہور سے میرے ساتھ ایک کوچ میں آیا تھا۔ راستہ بھر چپ رہا۔ جنازے پر ایسا ہچکیوں سے رویا کہ میں پریشان ہوگئی کہ اس کو کچھ نہ ہو جائے۔ تدفین سے واپسی پر کہنے لگا۔

"آج ہمارے لئے ایک سیاہ دن ہے۔ جتنا ہم نے
اباجی (داداجی) سے سیکھا ہے۔ اتنا تو ابا امی سے بھی نہیں
سیکھا۔ ان کی تو کوئی یادگار قائم کرنا چاہیے۔"

فروری ۱۹۹۴ء میں معظم کی پوسٹنگ سیاچن ہوئی۔ ابا امی بہت اپ سیٹ تھے جب کہ معظم بہت خوش تھا۔ کہنے لگا۔

"اب مجھے شہید ہو جانا ہے۔
ایسا موقع بار بار نہیں آتا۔
پاکستان بھر میں صرف وہی علاقہ War Zone
ہے۔"

میں نے زچ ہو کر کہ' تمہیں تو شہادت کا Craze ہے۔ مجھے معلوم ہے تمہارا شہادت پر اصرار ہے' تم نے ضرور شہید ہو جانا ہے۔ لیکن کچھ دیر انتظار تو کرو۔ کہنے لگا۔

"آپو' شہید ہونے کا مزا تو عین جوانی میں ہے جب
کہ زندگی سامنے پڑی ہوئی ہے۔ بھرپور جوانی گزارنے کے
بعد شہید ہونے کا کیا مزا۔"

اس کی شہادت کے بعد اتفاق سے ایک شاپ پر میری نظر سے ایسی کتاب گرزی جس میں ماؤں' بہنوں' بیویوں نے جنگ میں کام آنے والے اپنے

پیاروں کے لئے نظمیں لکھی تھیں۔ ایک نظم میں بہن نے اپنے جوان سال بھائی کے لئے لکھا تھا۔

Your battle wounds are scars

upon my heart.

یہ آواز میرے دل کی بھی ہے۔

Moazzam! your battle wounds

are scars upon my heart.

مجھے ہمیشہ یقین تھا کہ وہ عام انسانوں سے مختلف ہے۔ وہ کسی اور ہی مقصد کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ یہ بات میں اکثر اپنی فرینڈز سے کہتی۔

He was so different.

اس کا سجود و قیام رسمی نہیں' بلالی تھا!

تایا محمد شریف ملک

س: شریف صاحب! معظم کی کوئی خاص بات؟

ج: میں تو صرف ایک بات کا ذکر کروں گا کہ مذہب اسلام معظم کے دل میں اترا ہوا تھا۔ اس کا سجود و قیام رسمی نہیں' بلالی تھا۔ جس چیز کو اقبال نے "سوز دروں" کہا ہے معظم کا دل اس سوز دروں سے فروزاں تھا جس کی آنچ ہر جگہ محسوس ہوتی تھی' مسجد میں بھی!

س: وہ کیسے؟

ج: جوں ہی جماعت کھڑی ہوتی' وہ پہلے پائنچے درست کرتا۔ بچپن میں ان فقہی پابندیوں کا کون خیال کرتا ہے۔ لیکن معظم کرتا تھا۔ اس کا سجود و قیام حجاب نہیں' واشگاف تھا۔ اتنے خضوع و خشوع سے' ڈوب کر نماز پڑھنا اس پر ختم تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ وہ حالت حضوری میں ہے۔ نہ معلوم کس وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے اس کا سر تھوڑا سا دائیں طرف جھکا ہوتا تھا۔ جس طرح میں نے شروع میں کہا' اس کا قلب روشن تھا۔

س:

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا

خبر میں نظر میں اذان سحر میں

ج: اذان سحر اس کے دل میں اتری ہوئی تھی۔

س: کچھ "ذکر" سے بھی دلچسپی تھی؟

ج: کبھی کبھی ذکر بھی کیا کرتا تھا۔ ہماری مسجد میں جمعہ کے جمعہ' مغرب کی نماز کے بعد ماسٹر صدیق ذکر بھی کراتے ہیں۔

لا الٰہ الا اللّٰہ..... اللّٰہ...... اللّٰہ ......ھو

معظم یہ ذکر بڑے ذوق و شوق سے کرتا تھا۔

س: کبھی یہ ذکر گھر میں بھی کیا؟

ج: اس کا جواب اس کے والد یوسف دیں گے۔

اس موقع پر شہید کے والد محترم میجر یوسف اختر (ریٹائرڈ) نے کہا:

"میرا خیال ہے کہ تواتر سے کبھی نہیں کیا۔ صرف ایک بار میں نے سنا۔ وہ بہن بھائی کو بتا رہا تھا کہ ذکر جلی کیا ہوتا ہے۔

ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔

ایک بار میں اور معظم مغرب کی نماز کے لئے گھر سے نکلے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ میں بھاگنے لگا۔ معظم نے کہا۔

"نماز وقار سکھاتی ہے۔

ابو! آپ بھاگیں نہیں۔ بے شک ہم آخری رکعت میں شریک ہوں۔"

مسلک کے معاملے میں بھی اس کا ذہن کھلا تھا۔ اس کی دلچسپی صرف دین سے تھی' کسی مسلک' کسی سلسلے' کسی فریق سے نہیں۔"

میرا بھائی' میرا دوست' میرا مرشد!

ہارون اویس بلوچ

س: گھر سے باہر دوسروں کے سامنے تو انسان کچھ زیادہ ہی اپنے آپ کو بدل لیتا ہے۔ اصل انسان وہ ہوتا ہے جو وہ گھر میں اپنے بہن بھائیوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے کسی کو اس کے بہن بھائیوں سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ اچھے برے پہلو بہن بھائیوں سے زیادہ کسی کے سامنے نہیں ہوتے۔

ج: بھائی معظم تو اچھے ہی اچھے تھے۔

س: معظم کی اچھائیوں کا علم بھی آپ سے زیادہ کس کو ہوگا۔ اس کتاب کا مقصد معظم کا ایک ایسا Image سامنے لانا ہے جو صحیح' سچا اور Motivating ہو۔ اس لئے آپ اپنی یادوں کے ورق الٹئے اور جتنا زیادہ پیچھے جاسکتے ہوں' جائیے۔

ج: میری پہلی یاد جو انٹرویو کے لئے Relevant ہو سکتی ہے' جہلم کے کانونٹ سکول کی ہے۔ میری اور بھائی معظم کی عمروں میں چار سال کا فرق تھا۔ یعنی وہ چار سال بڑے تھے۔ یہی فرق ہماری کلاسوں میں تھا۔ جب میں ۱۹۸۲ء میں کانونٹ سکول کی کے جی کلاس میں داخل ہوا تو بھائی جان اسی سکول کی

کلاس فور میں تھے اور سکول کے سینئر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

کے جی کلاس میں میرا پہلا دن مجھے یاد رہے گا۔ اس دن وہ مہربان بھائی کے روپ میں سامنے آئے۔ اس سے پہلے یہ روپ سامنے نہیں آیا تھا۔

س: وہ کیسے؟

ج: وہ ایسے کہ جوں ہی Recess شروع ہوئی اور بچے سب کلاسوں سے رش کرکے باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ بھائی معظم کوک کی بوتل اور ٹافیاں لئے سامنے کھڑے ہیں۔ بچوں کے رش سے بہ مشکل میرے پاس آئے۔ "ہیلو' ہارون" کہہ کر میرا حال پوچھا۔ کولڈ ڈرنک دیا۔ ٹافیاں پکڑائیں۔ پھر ہاتھ پکڑ کر مجھے سکول کا جغرافیہ سمجھایا بلکہ دکھایا۔ یہ جھولے ہیں' باتھ روم ادھر ہیں' کنٹین کو ادھر سے جاتے ہیں۔ آخر میں اپنی کلاس فور میں لے گئے۔ جہاں ان کے خرانٹ دوست بیٹھے تھے۔ ایک بچے نے مجھے دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔

"فوٹو سٹیٹ' فوٹو سٹیٹ'

معظم بھائی کی فوٹو سٹیٹ کاپی۔"

چاروں یک زبان ہو کر چیخے "Yes---Photo Stat!"

انہوں نے میرا نک نیم "فوٹو سٹیٹ" ہی رکھ دیا۔ اس وقت مجھے اندازہ نہ تھا کہ ان کے دوست کتنے زندہ دل تھے اور پانچوں کی آپس میں کتنی Understanding تھی۔ یہ کمال بھائی معظم کا تمام زندگی رہا کہ وہ دوستوں کو چاہتے تھے اور دوست ان پر جان چھڑکتے تھے۔

شروع شروع میں کلاس میں میرا ایک آدھ پیشاب نکل جاتا تھا۔ ہماری باکمال ٹیچر مس میری جو اتنی اچھی تھی' اتنی اچھی کہ بتا نہیں سکتا' انہوں نے معظم کو بلا کر ڈانٹا' بھائی کا خیال رکھا کرو' گھر سے فارغ کروا کر لایا کرو۔ میرا خیال ہے کہ بھائی خاصے Embarrass ہوئے ہوں گے۔ لیکن انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا کہ سکول سے واپسی پر میری چال

سے اندازہ ہوا کہ معاملہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ سیٹ پر کوئی کپڑا ڈال دیتے' لیکن مجھ سے کہتے' کوئی بات نہیں' آرام سے بیٹھو۔ اس چھوٹی سی عمر میں بھی بھائی معظم کو Intuitively اندازہ تھا کہ Emotional دباؤ نہیں ڈالنا' Conscious نہیں کرنا۔

بھائی جان میں قوت برداشت بھی بہت تھی۔ Physical Courage میں بھی Outstanding تھے۔ اسی دور کی بات ہے جب میں کے جی میں تھا کہ سکول میں شہد کی مکھیوں کو کسی لڑکے نے چھیڑ دیا' مکھیاں بھائی معظم پر پڑ گئیں۔ کاٹ کاٹ کر برا حال کردیا۔ منہ سوج کر کپا ہوگیا۔ صورت حال یہ تھی کہ گھر میں امی معظم کے سر پر ہاتھ پھیرتیں تو اس میں سے مکھیاں جھڑتیں۔ یہ سب کچھ ہوا' معظم نے اف نہ کی۔ سب کچھ برداشت کیا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ۱۹۸۸۳ء میں انہوں نے اسی طرح ناک کا آپریشن کرایا' بغیر بے ہوش ہوئے۔ ان کا اصرار تھا کہ میں بغیر بے ہوش ہوئے اس Procedure سے گزرنا چاہتا ہوں۔

جب میں کلاس ون میں پروموٹ ہوا اور بھائی کلاس فائیو میں تو ہم دونوں کو ایف جی پبلک سکول میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ یہاں بھائی کے دوست اور چچا زاد رضوان پہلے سے موجود تھے۔ اور ایک سال سینئر تھے۔ ان کی وجہ سے ہمیں کافی آسانی رہی۔ ورنہ نئی جگہ Adjust ہونے کے لئے کچھ وقت لگتا ہے۔ یہاں میری ایک ڈیوٹی یہ تھی کہ بھائی کا لنچ لے جایا کروں اور تفریح کے وقت انہیں ڈھونڈا کروں۔ یہ بڑی تکلیف دہ ڈیوٹی تھی۔ کبھی کبھار بھائی کو آنے میں دیر بھی ہو جایا کرتی تھی۔ اور میں لنچ بکس لئے اپنی کلاس کے سامنے کھڑا رہتا۔ آخر' میں نے بغاوت کردی اور گھر میں اعلان کر دیا کہ کل سے یہ نوکری مجھے نہیں کرنی۔ بھائی معظم نے بالکل برا نہیں مانا۔ اور کہا' اگر یہ خدمت کوئی نوکری چاکری ہے تو ہم خود کر لیتے ہیں۔ بھائی کا یہ عام رویہ تھا کہ

وہ بات کو آگے بڑھاتے نہیں تھے۔

ابا جی (دادا جی) نے ہم سب بہن بھائیوں بلکہ خاندان کے سارے بچوں کو پڑھایا ہے۔ وہ خود انجینئر تھے۔ ایکسین ہو کر ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ ان کا حساب بہت اچھا تھا۔ اس کے نتیجہ میں انہوں نے ہم سب کو ماہر کر دیا تھا۔

بھائی معظم نے اباجی سے کم از کم حساب دل لگا کر پڑھا۔ ایف جی سکول میں ان کی شہرت Maths کے شہزادے کی تھی۔ اس شہرت کو انہوں نے ملٹری کالج میں بھی برقرار رکھا۔ یہ اباجی کے پڑھانے کا فیض تھا۔ ہاں ان کا Hand writing نہ جانے کیوں اتنا اچھا نہیں تھا۔

س: اب کچھ شرارتوں کی باتیں بھی ہو جائیں۔

ج: سر' شرارتوں میں تو بھائی لائق تھے۔ رضوان بھائی کے ساتھ مل کر نت نئی شرارتیں سوچتے رہتے۔ Practical Joke کرتے۔ ایک دن بلکہ ایک رات دونوں کچن سے سیاہ مرچوں کا سفوف لائے اور بہنوں کے کمرے میں جا کر سوتے میں ان کی ناک میں ایک ایک چٹکی ڈالتے گئے۔ ان کا چھینک چھینک کر برا حال ہو گیا۔ اتفاق سے دونوں کو باجیوں کے کمرے سے نکلتے ہوئے ابا نے دیکھ لیا تھا۔ ان کو دیکھ' سرپٹ بھاگے یا شاید متاثرین میں سے کسی نے شکایت کردی اور آخر وہ دھر لئے گئے۔ خوب تواضع ہوئی۔

دادا ہم سب پر بہت مہربان تھے۔ پڑھاتے تھے' کھلاتے تھے' سیریں کراتے تھے۔ لاڈ بھی کرتے تھے۔ لیکن ڈسپلن کے معاملے میں سخت تھے۔ معظم بھائی کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آکر ان کی خاص ٹھکائی بھی کرتے تھے۔ ٹھکائی تو میری بھی خاصی ہوتی تھی---- لیکن ان سے کم۔

ایک دن بھائی معظم کو ایک نئی شرارت سوجھی۔ اباجی کے کمرے کے دروازے پر "۴۴۰ وولٹ" کا نشان لگا کر چلے آئے۔ کراس کی شکل میں ہڈیوں کے اوپر انسانی کھوپڑی والے اس معروف نشان پر اباجی کی نظر پڑی تو سمجھ گئے

کہ یہ کس کی شرارت ہے' ہنس کر چپ ہوگئے۔ البتہ ابو نے وہ ڈانٹ پلائی کہ توبہ۔

اباجی کا آبائی قصبہ روہتاس ہے۔ گرمیوں میں کچھ دن رہتاس میں گزارتے تھے۔ لمبی لمبی سیریں کراتے تھے۔ اور اس دوران شیرشاہ' مغلوں اور اسلامی تاریخ کے قصے سناتے تھے۔ رہتاس کی تاریخ تو ہمیں زبانی یاد ہوگئی تھی۔ رہتاس میں تعلیم عام کرنے اور اس علاقہ کو Develop کرنے میں اباجی کا بڑا ہاتھ ہے۔

بچپن میں کبھی کبھی ائرگن لے کر ہم شکار کرنے بھی نکل جاتے۔ شکار بھی کس کا؟ الو کا!

الو کہاں ہاتھ آتا ہے۔ یوں ہی گھوم پھر کر واپس آجاتے۔

ایک دن ہم گھر سے لمبی سیر کو چلے۔ اور کھیتوں کی طرف نکل گئے۔ وہاں ایک دیہاتی کا گدھا چر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر معظم بھائی کو کیا سوجھی کہ لپک کر اس پر سوار ہوگئے۔ اس کے گلے میں جو رسی پڑی ہوئی تھی اسے لگام بنایا۔ گدھے نے غالباً" یہ سوچ کر کہ یہ آفت کہاں سے نازل بلکہ سوار ہوگئی' بے ساختہ بھاگنا شروع کردیا۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ معظم بھائی گدھے کو روکنے اور کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ تھا کہ کسی طرح قابو نہیں آ رہا تھا۔ آخر بھائی کو اس نے نیچے گرا دیا' کافی چوٹیں آئیں۔ بھائی کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے پوچھا' کیا ہوا۔ بولے' کچھ نہیں' ایک گدھے نے بے بس کر دیا۔

اسی طرح ایک دن تایا ابا کی سوزوکی پک اپ لے اڑے۔ خوب دوڑائی۔ گاؤں کے راستے' اونچی نیچی جگہ' میں بھی اچک کر سوزوکی میں بیٹھ گیا تھا۔ میں چیخا اور بہت زور سے چیخا۔ معظم بھائی نے ایک دم بریک لگائی۔ پیچھے آکر پوچھا' کیا ہوا۔ میں نے کہا' گاڑی چلا رہے ہیں کہ ہوائی جہاز اڑا رہے

ہیں- گاڑی کے انجر پنجر ڈھیلے ہو رہے ہیں-

بچو! یہ زندگی کا تجربہ ہے جو ڈر گیا وہ مر گیا- وغیرہ وغیرہ- آخر گاڑی ایک درخت سے جا ٹکرائی اور ایک جھٹکے سے رک گئی- میں باہر جا گرا- بھائی کے چہرے اور ماتھے پر چوٹیں آئیں- آس پاس کے دیہاتی جمع ہو گئے- کسی نے کہا' سول ہسپتال لے جاؤ- کسی نے ڈاکٹر کو بلانے کا مشورہ دیا- ایک عورت اپنے گھر سے باہر آئی تو اس نے کہا' "کوئی گل نئیں----- مٹی کا تیل لگا کر ہلکی سی آنچ دو- سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا-" یہ سن کر بھائی سرپٹ بھاگے- راستے میں ایک ڈسپنسر سے پٹی کروائی- گھر پہنچے' جہاں حادثہ کی خبر ہم سے پہلے پہنچ چکی تھی' تو امی اور چچی کا رو رو کر برا حال تھا- انہوں نے ہمیں ہاتھ پاؤں سے سلامت دیکھا تو بلائیں لینے لگیں- گاڑی کا اگلا مڈگارڈ بالکل تباہ ہو چکا تھا- میرا خیال تھا کہ آج صحیح مار پڑے گی- لیکن آج تک یہ معمہ حل نہیں ہوا کہ اس دن ہم بلکہ معظم بھائی کیسے بچ گئے- بعد کو پتہ چلا کہ نانی امی نے بچایا تھا-

اکتوبر ۱۹۸۸ء میں معظم بھائی نے ملٹری کالج' جہلم میں فرسٹ ائر جوائن کیا- دوسرے سال ۲۹ اپریل ۱۹۸۹ء کو میں نے کالج جوائن کیا آٹھویں جماعت میں- میرا ہاؤس اورنگ زیب تھا- وہ جمعرات کا دن تھا- دوسرے دن میں بڑے مان سے بھائی کے پاس ٹیپو ہاؤس گیا- بھائی کے کمرے میں اس کے چند دوست بیٹھے تھے- میں سیدھا اندر چلا گیا- انہوں نے تو مجھے پہچان کر کچھ نہیں کہا- لیکن بھائی نے آکر وہ طوفان اٹھایا کہ بس- آتے ہی حکم دیا-

You juniors do not khow how to take

permiassion to enter senior,s room.

میں چپ رہا- بھائی پھر گرجے- "چیک مارو' چیک" میں نے زور سے زمیں پر پاؤں مارا-

Ok! that is right. Now get in.

مجھے کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت تو مل گئی- لیکن بھائی کے پاس جانے کا سارا مزہ کرکرا ہوگیا- ہاؤس واپس آکر لمبا چوڑا خط لکھا کہ بھائی نے میرے ساتھ یہ کیا ہے- گھر کی "اقوام متحدہ" نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور مجھے یقین دلایا کہ ضروری کارروائی کی جائے گی- دوسرے ہفتے' ۴ مئی سے ۹ مئی تک عید کی چھٹیاں تھیں- جوں ہی معظم بھائی گھر پہنچے' سب بھائی کے پیچھے پڑ گئے- اچھے بھائی ہو- چھوٹے بھائی کا یہ حشر کیا- تمہارے وہاں ہونے کا کیا فائدہ ہوا- وغیرہ وغیرہ- بھائی کی خوب خبر لی گئی- آخر میں بھائی نے اپنا "بیان صفائی" دیا-

" میں نے جو کچھ کیا' اس کو آئندہ سب سے
بچانے کے لئے کیا- ہر جگہ کے کچھ اصول ہوتے ہیں-
کیڈٹ کالج میں سینئر جونیئر کا قصہ چلتا ہے- اور اگر آج
سینئرز میرے وہاں ہونے سے اس کی رعایت کریں گے تو
کل میرے جانے کے بعد باقی چار سال کیا کرے گا-"

سب لاجواب ہو گئے- جیسا کہ آگے چل کر بتاؤں گا' وہ مجھ سے لڑتے جھگڑتے ضرور تھے- لیکن انہیں مجھ سے محبت بہت زیادہ تھی- بھائی سے زیادہ باپ کی طرح خیال رکھتے تھے- لیکن Intelligent محبت تھی- اس دن جو سلوک انہوں نے میرے ساتھ کیا وہ دور اندیشی پر مبنی تھا- اسی دن سارے ہاؤس میں یہ خبر پھیل گئی کہ معظم نے بھائی کا یہ حشر کیا ہے- اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں بھی مشہور ہو گیا- اور ہر ایک کی ہمدردی میرے ساتھ ہو گئی- اور واقعی اس ماحول سے میں نے اپنے آپ کو اس طرح AdJust کیا اور اس طرح میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا کہ باقی چار سال بہت اچھے گزرے- یہ باتیں میں آج کہہ رہا ہوں- اس وقت یعنی مئی ۸۹ء میں میرا غصہ بھائی کے وضاحتی بیان کے باوجود ٹھنڈا نہیں ہوا تھا- پہلے کلاس کے دوستوں سے تذکرہ کیا- انہوں نے زور و شور سے بھائی کے خلاف انتقامی کارروائی کی ضرورت پر زور

دیا۔ طے پایا کہ بھائی کا مذاق اڑایا جائے۔ چنانچہ ایک موٹے سے کیڈٹ کی کارٹون نما تصویر کشی کی گئی۔ اس کے نیچے "میس سیکرٹری بنو" لکھا گیا۔ مشہور تھا کہ میس سیکرٹری "مفت" کا کھا کھا کر موٹا ہو جاتا ہے۔ پھر' وہ کارٹون گھر کے پتہ پر پوسٹ کر دیا گیا۔ اگلے ویک اینڈ پر بھائی سے ملاقات ہوئی۔ ہنس کر کہا:

"Thank you dear for the cartoon."

"تمہاری ڈرائنگ خاصی اچھی ہے۔ مشق کرو' آرٹسٹ بن جاؤ گے۔"

معظم بھائی نے کالج میں بھی اپنی شرارتیں جاری رکھی تھیں۔

س: مثلاً"؟

ج: مثلاً" یہ کہ ایک بار جب کالج کی بجلی لمبے عرصے کے لئے آف ہو گئی تھی۔ بھائی معظم اور احمد بلال نے بنک مارا اور نہرپار پشاور ہزارہ ہوٹل میں پراٹھے کھاتے پکڑے گئے۔

A letter to parents and red-slip کے بعد جان چھٹی۔

جون ۱۹۹۰ء میں ایف ایس سی کے امتحان میں بھائی کی منگنی ماموں کے ہاں کراچی میں ہو گئی تھی۔ ماموں کی رہائش کراچی میں تھی۔ ہم انہیں چھیڑتے تھے' کراچی کے حالات کیسے ہیں۔ اس زمانے میں کراچی کے سیاسی حالات ٹھیک نہیں تھے۔

میں نے اس واقعہ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ پڑھنے والوں کے علم میں رہے کہ جو نوجوان افسر شہادت کے لئے بے چین رہا کرتا تھا' اس کی منگنی ہو چکی تھی۔ امنگوں کے دن' مرادوں کی راتیں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اور وہ پاکستان پر قربان ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

بھائی پی ایم اے کی سیکنڈ ٹرم میں آئے تو اعلان کیا' سیکنڈ ٹرم صرف "چھ منٹ" اور "چھ دن" کی ہوتی ہے۔ چھ منٹ صرف باکسنگ کے اور چھ دن

کی یرموک' پی ایم اے کی ایک سخت ترین ایکسرسائز جس میں ۲۵۰ میل کا فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے۔ تھرڈ ٹرم میں بھائی نے ایک سینئر سے "پنگا" لیا تھا۔ اس نے شکایت کر دی۔ سینئر کے اپنے دوستوں کی سفارش پر' جو معظم کو جانتے تھے' اس کی جان چھوٹی۔

سیکنڈ ٹرم اور تھرڈ ٹرم کے درمیان کے عرصے میں بھائی جان نے پیرا ٹروپنگ کا کورس کیا تھا۔ اس میں انہوں نے ۱۵۰۰ تا ۲۳۰۰ فٹ کی بلندی سے چھ چھلانگیں لگائیں۔ بھائی اس کورس سے بہت خوش تھے۔ کہتے تھے' یہ کمانڈو ہونے کی طرف پہلا قدم ہے۔

باتیں تو بے شمار ہیں ' میں نے کوشش کی ہے' جیسے کچھ وہ تھے' میں اسے بیان کردوں۔ یہ داستان ۱۵ سالوں پر بکھری ہوئی ہے۔

س: اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ بتایا جائے کہ-----

He was very much a normal human being.

وہی باتیں' وہی شرارتیں' وہی کامیابیاں' وہی ناکامیاں' جو ایک نارمل انسان میں ہوتی ہیں۔ اب ہم معظم کی اصل شخصیت کی طرف آتے ہیں۔ اس کی قدریں' رویے----Values and attitudes---- سوچ' کسی انسان کی انفرادیت تو اس انسان سے بنتی ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔

ج: میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ بلکہ سب کچھ انہی سے سیکھا۔

He was my guide philosopher and guide.

س: ماشاء اللہ ! آپ کا بھی مطالعہ اچھا ہے۔ یہ الفاظ Woodsworth کے ہیں جو اس نے اپنی بہن Dorthy کے لئے استعمال کئے تھے۔

ج: Woodsworth نے اپنی بہن کے لئے کہے تھے لیکن یہ مرے دل کی آواز ہے میرے بھائی کے لئے۔ اس کا نام معظم تھا اور وہ بہت عظیم تھا۔ معظم بھائی دین کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ لیکن ان کا دین کا تصور خانقاہی نہیں'

عملی تھا۔ آخری خط جو بھائی نے سیاچن سے لکھا تھا۔

"یہاں سے اللہ بہت قریب محسوس ہوتا ہے۔ میں
اللہ سے تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ مجھے امید
ہے کہ تم ضرور کامیاب ہوگے۔ تم نے اس کے حکم کے
مطابق تیاری بھی پوری کر لی ہے۔ اب نتیجہ اس پر چھوڑ
دو' وہ بہتر جانتا ہے۔"

ایک اور خط میں لکھا' سفارش پر یقین نہیں رکھتا۔ سفارش اپنی نالائقی کا اشتہار اور دوسرے کی بے کرداری کا برملا اظہار ہے۔ جو کچھ کرنا ہے' خود کرو۔ مدد مانگنی ہے تو اللہ سے مانگو۔

ایک مرتبہ توحید پر بحث ہو رہی تھی۔ کہنے لگے۔

"ہارون! توحید کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اللہ ایک
ہے بلکہ یہ کہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی قدرت میں
ڈوب کر ایک ہو جائیں۔ جب مومن کی یہ حالت ہوتی ہے
تو اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔"

س: ہاتھ ہے اللہ کا بندہ ء مومن کا ہاتھ!

ج: معظم بھائی رسول کریم ﷺ کی محبت میں کس طرح ڈوبے ہوئے تھے' اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جس دن میرا ای اینڈ ایم ای کالج میں داخلہ کے لئے امتحان تھا' اس دن مجھے معظم بھائی نے حضور ﷺ کے پائے مبارک کا نقش دیا اور ساتھ اس کے سورہ یٰسین۔ کہا کہ فجر کی نماز کے بعد نقش کو سر پر رکھ کر دعا کرنا' جیسے حضور ﷺ کے قدموں کے نیچے ہو۔ مجھے تاکید کی کہ پرچے سے پہلے فلاں درود پڑھنی ہے اور پرچہ ختم ہونے کے بعد سورہ یٰسین کی فلاں آیت پڑھنی ہے۔ ملٹری کالج میں پروفیسر طارق اور میجر قادری ذکر کی محفلیں کرواتے تھے۔ بھائی مجھ سے تاکیداً" کہتے' ان محفلوں میں

ضرور شامل ہوا کرو۔

نماز میں ہاتھ بالکل ناف کے اوپر باندھتے تھے۔ اور سر نیچے کی طرف جھکا ہوا ہوتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ کی کلائی پر ہوتا۔ صرف تین انگلیاں کلائی پر ہوتیں۔ انگوٹھا اور چھوٹی انگلی سائیڈ پر ہوتی۔ نماز میں خضوع اور خشوع کا یہ عالم تھا۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا' بھائی کا دین خانقاہی نہیں' علمی تھا۔

س: مثلاً"؟

ج: مثلاً" جولائی ۹۴ء میں وہ سیاچن کی پوسٹنگ سے پہلی بار گھر آئے تو اطلاع آئی کہ دشمن کے فائر سے ۳۵ پنجاب کے چار جوان شہید ہوگئے ہیں۔ اس رات میں دیر تک پڑھتا رہا۔ جب اٹھ کر دیکھا تو معظم بھائی مصلے پر بیٹھے آنسو بہا رہے تھے۔ کہنے لگے' یونٹ کے شہیدوں کے لئے اللہ کے حضور دعا کر رہا ہوں۔

فروری ۱۹۹۵ء میں آپو کی شادی پر آئے تو مجھ سے کہنے لگے۔

"میں آ تو گیا ہوں لیکن میں وہاں شہادت کا انتظار
کر رہا تھا۔"

س: ابھی آپ نے کہا' معظم نے آپ کو درس زندگی دیا۔

ج: انہوں نے مجھے چھوٹی بڑی ہر بات سمجھائی' مثلاً" کیسے چلنا ہے' کیسے قدم اٹھانا ہے' کیسے کپڑے پہننا ہیں' کپڑوں کا کیا Combination ہونا چاہیئے' سر کے بال کتنے بڑے ہوں' کونسا فیشن نہیں کرنا۔ اس زمانے میں نوجوانوں میں گلے میں لاکٹ اور ہاتھ میں کڑا پہننے کا فیشن چل پڑا تھا۔ انہوں نے مجھے سختی سے منع کیا کہ یہ ہمارا کلچر نہیں۔

پھر بڑی بڑی باتیں جیسے توحید' تقدیر' تصوف پر لیکچر بھی دیئے۔ لیکن عملی انسان تھے۔ یہی ان کا Strong Point تھا۔ ورنہ ذکر و فکر کی محفلیں'

توحید، تقدیر، تصوف پر تقریریں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں اور بہت اچھی کرتے ہیں۔ ان کا زور عمل پر تھا۔ وہ جو اقبال کا شعر ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اس پر ان کا عمل تھا۔ اب میں چند مثالیں دیتا ہوں۔ غالباً" آپ کو علم ہے کہ ہمارے بڑے بھائی زہیر ذہنی طور پر معذور ہیں۔ قطعاً" ہوش نہیں۔ کبھی کبھی Aggressive بھی ہو جاتے ہیں۔ گھر میں ایسے فرد کا وجود گھر والوں کے لئے دن رات کا امتحان ہوتا ہے۔ مگر شاباش معظم بھائی کو، کبھی ملال کیا ہو، بڑے بھائی سے بے رخی سے پیش آئے ہوں۔ بلکہ اکثر ان سے شغل کرتے، اکثر انہیں کندھوں یا کمر پر اٹھا کر چکر لگاتے۔ آتے جاتے انہیں اس طرح گلے لگا کر ملتے جیسے وہ بالکل نارمل ہوں۔

دونوں بہنوں، اسماء اور صالحہ سے بہت زیادہ پیار تھا۔ بڑی بہن "آپو" سے تو بہت قریب تھے۔ صالحہ کا بہت لاڈ کرتے تھے۔ اپنے بارے میں بتا چکا ہوں۔ میرے کیریئر کی انہیں ابو سے بھی زیادہ فکر تھی۔ دسمبر ۱۹۹۴ء میں سیاچن میں میرے امتحان کے لئے ختم القرآن کرایا۔ جن دنوں میں ای اینڈ ایم ای کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا، وہ ماں کی طرح اٹھ اٹھ کے دودھ دیتے۔ جس دن پنڈی میں میرا امتحان تھا وہ خود مجھے ڈرائیور کرکے پنڈی لے گئے۔ ابو کو سٹیئرنگ کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔

ابھی میں ملٹری کالج میں تھا کہ مجھے ساز کی موسیقی کا شوق ہوگیا تھا۔ انہوں نے کہا، یہ بھی ٹھیک ہے۔ شوق سے پڑھتے بھی رہو۔ امتحان میں کامیابی پر میں Electric Organ تحفے میں دوں گا۔ یہ ۱۹۹۲ء کی بات ہے۔ دو سال بعد ۱۹۹۴ء میں انہوں نے چھ ہزار روپے کا آرگن لے کر دیا۔ اس عرصہ میں اس بات کو میں بھول ہی گیا تھا۔ جب میں ملٹری کالج میں تھا، وہ مجھے انگریزی

Improve کرنے کے لئے انگلش ناول پڑھنے کی بہت تاکید کرتے تھے۔ جب میرا دل انگلش ناول پڑھنے میں نہ لگا---- میرا Aptitude سائنس کی طرف تھا---- تو کہا' سائنس کی بہت اچھی کتابیں انگریزی میں ہیں' وہی پڑھا کرو۔

س: ان کا اپنا مطالعہ کیسا تھا؟ کیا پڑھتے تھے؟

ج: بچپن میں وہی اشتیاق احمد کی جاسوسی' جناتی' عمرو عیار اور ٹارزن کی کہانیاں پڑھتے تھے۔ میں بھی انہیں Follow کرتا تھا۔ آٹھویں نویں سے ان کا پڑھنے کا Taste بدل گیا تھا۔ نسیم حجازی اور اسماعیل ساگر اسی زمانہ میں ان کے پسندیدہ مصنف تھے۔ اسماعیل ساگر نے تحریک پاکستان کے واقعات و حالات کو موضوع بنایا ہے' نسیم حجازی نے اسلامی تاریخ کو۔ کالج میں جانے کے بعد وہ Serious کتابیں پڑھتے تھے۔ ہمارے گھر میں خود آپ کی کتابوں' تذکرہ شہداء' جراتوں کے نشاں' اکرم نشان حیدر' کردار ساز' کرنل حق نواز کیانی شہید' چراغوں کی قطار کا پورا سیٹ تھا۔

بھائی معظم اپنی کانونٹ سکول کی ٹیچر سے لے کر ملٹری کالج کے اساتذہ تک' سب کو یاد رکھتے تھے۔ کانونٹ کی مس میری کا ذکر بڑی محبت سے کرتے تھے۔ ایف جی کے استادوں میں ماسٹر علی حیدر کو یاد کیا کرتے تھے۔ ملٹری کالج کے استادوں میں پروفیسر طارق اور میجر قادری سے بڑی عقیدت تھی۔

س: اور پاک آرمی؟

ج: پاک آرمی میں بھائی معظم کا رشتہ بہت گہرا تھا۔ انہوں نے فوج کو پروفیشنل ہی نہیں سمجھا۔ اپنے مشن' شہادت کے حصول کا ایک لازمی ذریعہ فوج تھی۔ فوج میں بھی پنجاب رجمنٹ یا ایف ایف آر کو جانتے تھے۔ میں نے ایک بار پوچھا کہ آخر ان Regiments میں کیا خاص بات ہے۔ جواب میں کہا۔

"ہارون! اصل لڑائی تو انفنٹری کو لڑنا ہوتی ہے۔

Casualities انہی کی سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔ مجھے
شہید ہونا ہے۔ اسلئے انفنٹری ہی مجھے Suit کرتی ہے۔"

جب پی ایم اے سے پاس آؤٹ ہونے لگے تو ابو نے بڑا زور دیا' تم انجینئرز کور Opt کرو۔ بھائی نہ مانے۔ والد کا دل رکھنے کے لئے Second Choice انجینئرز دیدی۔

بھائی در اصل ایس ایس جی چاہتے تھے۔ وہ کالج کے فائنل ائر میں تھے کہ میں نے ان کی سالگرہ پر ایس ایس جی کے Insignia کی کاپی منگوا کر دی۔ بہت خوش ہوئے۔ مجھے گلے لگا کر کہا' میرا بھائی مجھے سمجھنے لگا ہے۔

۱۵ فروری ۱۹۹۵ء کو شہادت سے ۹۰ دن پہلے بھائی نے مجھ سے کہا' حدیث شریف میں ہے' جو فوج ہندوستان پر حملہ کرے گی اس پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ پھر کہا' یہ ضروری نہیں کہ یہ فوج محمد بن قاسم کی ہو' محمود غزنوی کی ہو۔ جو بھی اسلامی فوج ہندوستان پر حملہ آور ہو' یہ بشارت اس کے لئے ہے۔

س: آخر میں ایک سوال "لائٹ سائیڈ" کے بارے میں۔ معظم کو موسیقی سے بھی لگاؤ تھا؟ نوجوان تو پاپ میوزک کے دیوانے ہوتے ہیں۔

ج: معظم کو گنگناتے تو کبھی نہیں سنا۔ البتہ سیٹیاں کئی سٹائل سے بڑے شوق سے بجاتے تھے۔ انڈین گانے از خود کبھی نہ سنتے۔ بلکہ مجھے تو منع کرتے کہ پاکستانیت کے منافی ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں بہت Rigid نہیں تھے۔ جب Cousins وغیرہ بیٹھے ہوتے' کوئی دوسرا گاتا یا سن رہا ہوتا تو برداشت کر لیتے۔

جولائی ۱۹۹۴ء میں سیاچن سے پہلی بار چھٹی پر آئے تو مجھ سے کہا۔
"یار! ایک کیسٹ میں ملی ترانے تو ریکارڈ کردو۔
وہاں سننا ہوتا ہے۔"

پٹھانے خان کا عارفانہ کلام جیسے "میںڈھا عشق وی توں" بہت پسند تھا۔

نصرت فتح علی خان کی قوالی "اللہ ھو" بھی بہت شوق سے سنتے تھے۔ غالباً" نصرت فتح علی خان ہی کی قوالی "تم ایک گورکھ دھندا ہو" بھی ان کی پسندیدہ چیزوں میں سے تھی۔ جب مجھے ای اینڈ ایم ای کے امتحان کے لئے پنڈی لے جا رہے تھے تو راستے میں یہ قوالیاں بار بار Reverse کر کے سنتے رہے۔ ملی یا فوجی ترانے جیسے اللہ اکبر' اپنی قوت اپنی جان یا سندھی تم بلوچی تم کی دھنیں بھی مرغوب تھیں۔ جولائی ۱۹۹۴ء میں انہوں نے Electric Organ تحفے میں دیا تھا۔ جب میں تھوڑا بہت بجانے لگا تو وہ انہی دھنوں کی فرمائشیں کرتے تھے۔

س: آپ کے بھائی بہنوں نے معظم کے پالتو جانوروں کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: بالکل صحیح۔ معظم بھائی بلی بلوں کے دیوانے تھے۔ سکول کے زمانے میں انہوں نے ایک سیامی بلا پالا تھا جس کا نام "سونا" رکھا تھا۔ یہ اس زماہ کی بات ہے جب ٹی وی پر ایک ڈرامہ سونا چاندی آیا کرتا تھا۔ سونا بہت خوبصورت بلا تھا---Equally Graceful-----رفتار شاہانہ تھی۔ انداز بھی پروقار۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۴ء کی صبح وہ بلا کسی گاڑی کے نیچے آکر مرگیا۔ معظم نے اس کا باقاعدہ سوگ کیا۔ اس کے بعد معظم بھائی ہر سال کیلنڈر میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ کے نیچے لکیر کھینچ دیا کرتے تھے۔ کہتے' یہ سونے کی برسی کا دن ہے۔

جانوروں سے معظم کی دلچسپی دیکھ کر ابو نے کہیں سے ہرن کا بچہ منگوا دیا تھا۔ بھائی اس کو دیکھ کر دیوانے سے ہو گئے تھے۔ اس کی خاطر تواضع مہمانوں کی طرح کرتے۔ لیکن وہ غالباً" جہلم کا شدید گرم موسم برداشت نہ کرسکا۔ مہینہ بھر بعد داغ مفارقت دے گیا۔ بھائی معظم آنسوؤں سے روئے۔ پھر ہم دونوں نے گھر کے قریب اپنے ہاتھوں سے اسے دفن کیا۔ اس کی چھوٹی سی قبر پر معظم نے گتے کے ایک ٹکڑے پر "سنگ مزار" کے طور پر لکھ کر لگایا

"الوداع میرے ساتھی' الوداع۔"

بھائی معظم کا دل دریا تھا' محبت کا دریا۔ بلے بلیوں کا شوق مسلسل چلا۔ ملٹری کالج میں داخلے کے دنوں میں پھر ہم نے دو بلے پالے۔ میرے بلے کا نام Tiger اور بھائی معظم کے بلے کا نام Pink Panther تھا۔ میرا ٹائیگر تو ماموں رفیع کو پسند آگیا تھا' وہ اٹھا لے گئے۔ معظم کا Panther ایک عرصہ تک گھر میں رہا۔ وہ ان سے بہت مانوس تھا۔ اس کی چھٹی حس عجب تھی۔ بھائی کے کالج سے ویک اینڈ کے دن اور بروقت گیٹ پر کھڑا دم ہلاتا رہتا۔ معظم بھائی آتے ہی پہلے اسے گود میں اٹھا کر پیار کرتے۔

یاد آیا' ۱۹۸۳ء میں ہم نے Pups کا ایک جوڑا پالا تھا۔ Tom and Jerry کارٹون کے نام پر ان کے نام ٹام اور جیری رکھے تھے۔ معظم بھائی کی فرمائش پر ابو نے ہمیں کبوتر' قمرے اور آسٹریلین رنگ برنگ طوطے پالنے کے لئے دیئے تھے۔

س: ٹی وی کی کونسی فلمیں پسند تھیں؟

ج: راشد منہاس' میجر طفیل پر ڈراموں کے علاوہ ان کی پسندیدہ ٹی وی فلمیں تھیں۔

Where eagles dare------

guns of naveron

Eagle has flown ----

Great escape etc. etc.

پاکستان ان کی پہلی اور آخری محبت تھا ۔ ۱۹۸۶ء کا شارجہ کا میچ سب کو یاد ہوگا۔ آخری بال تھی۔ پاکستان کے ہر گھر کی طرح ہمارے گھر میں بھی سب Tense تھے۔ کوئی کچھ پڑھ رہا تھا' کوئی کچھ۔ میری نظر معظم کی طرف اٹھی تو دیکھا' قرآن سینے سے لگائے دعا کر رہے ہیں..... یا اللہ' یا اللہ!

جب میانداد نے چھکا لگایا تو سب سے اونچی چھلانگ بھائی معظم نے

لگائی۔

بھائی معظم کی آخری قربانی جان کی قربانی تھی' پاکستان کے لئے۔ وہ جو ان کے پیڈ پر لکھا تھا------

We die so that you may live.

وہ انہوں نے کر دکھایا۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ایک نہیں' بہت سے معظموں کی قربانیاں ضائع نہ ہونے دیں۔

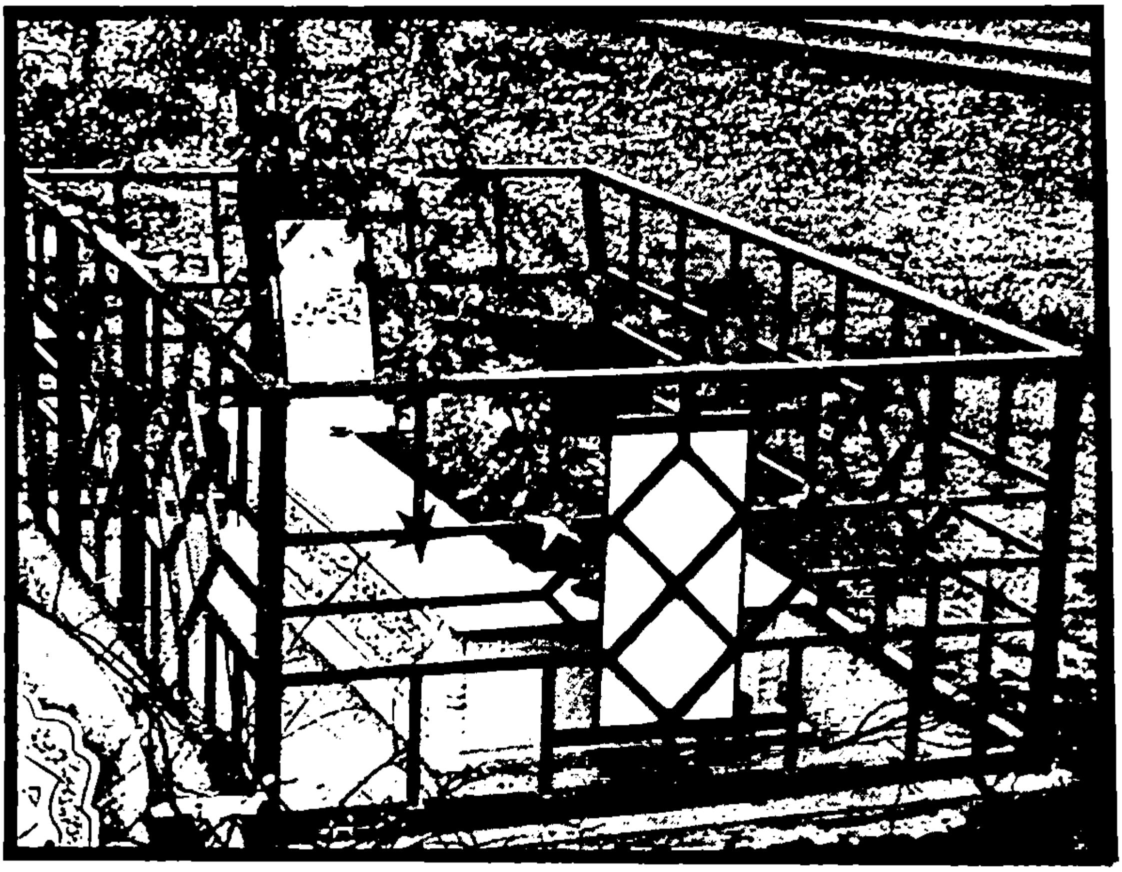

اصل کہانی صرف میں جانتا تھا

مہتاب احمد

س: مہتاب، میں نے معظم کے بہت سے دوستوں سے گفتگو کی ہے۔ تقریباً سبھی نے آپ کا نام لیا ہے کہ مہتاب معظم کا پرانا دوست ہے۔ اس کا انٹرویو ضرور لیں۔

ج: Thank you, sir.

آپ نے اس قابل سمجھا۔ میں اور معظم ایف جی پبلک سکول میں کلاس فیلو تھے۔ ملٹری کالج میں بھی دو سال ساتھ رہا۔ لیکن ہاؤس ایک نہیں تھا۔ معظم ٹیپو ہاؤس میں تھا اور میں اورنگ زیب میں۔

س: گویا ہاؤس کے لحاظ سے حریف تھے۔

ج: جی ہاں! لیکن در اصل حلیف تھے۔ معظم کی دوستی ہاؤس کے حوالے سے نہیں، تعلقات کے حوالے سے ہوتی تھی۔ وہ اپنے ہاؤس کا وفادار بھی تھا۔ اور دوستوں سے عہد وفا بھی نبھاتا تھا۔

س: پہلے تو کچھ پرانی باتیں، ایف جی پبلک سکول، جہلم کینٹ کی باتیں سنایئے۔

ج: اس زمانہ کی ایک بات بہت واضح طور پر محفوظ تھی۔ کہ ہمارے سر علی

حیدر جب کوئی تاریخی واقعہ سناتے---- اسلامی تاریخ سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی---- تو معظم ہمہ تن گوش ہو کر سنتا تھا۔ نسیم حجازی کے ناولوں کا شوق سر علی حیدر ہی سے اسے ملا تھا۔

س: ملٹری کالج میں آپ دونوں کب سے کب تک ساتھ رہے؟

ج: اکتوبر ۱۹۸۸ء سے جون ۱۹۹۰ء تک۔ میری پہلی یاد دو شعروں کے حوالے سے ہے جو اس نے میری ڈائری میں لکھے۔

ایک دن میرے ہاؤس میں آیا تو میری ڈائری سامنے پڑی تھی۔ پوچھنے لگا' اس میں کیا لکھتے ہو۔ میں نے بتایا' میں ڈائری نہیں لکھتا۔ ڈائری میں ایسے شعر لکھ لیتا ہوں جو مجھے Strike کرتے ہیں۔

اس نے کہا' اگر اجازت ہو تو اس میں اپنی پسند کے دو شعر لکھ دوں۔ میں نے کہا' ضرور' لیکن یہ تمہارا آٹوگراف ہوگا۔ جسے میں ہمیشہ Value کروں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے قلم سے میری ڈائری میں جو شعر لکھے' وہ یہ تھے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

س: غالب کا شعر ہے۔

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

غالب نے تو کسی اور Context میں غزل کا شعر کہا ہے۔ لیکن اتنی بات صحیح ہے کہ کسی کی پسند یا ناپسند خواہ وہ شعروں کی ہو یا اور چیز کی' شخصیت کی ترجیحات اور Values کو Reflect کرتی ہے۔

ج: معظم ہم سے' اپنے ہم عصروں سے' بہت سی باتوں میں مختلف تھا۔

چونکہ اس کی سوچ مختلف تھی۔

س: اسی مختلف سوچ کی تصویر کھینچنے کے لئے میں معظم کے دوستوں سے' کلاس فیلوز سے انٹرویو کر رہا ہوں۔ جس ترتیب سے واقعات یاد آتے جائیں' بے تکلفی سے بیان کرتے جایئے۔

ج: ملٹری کالج کے شروع دنوں کی بات ہے کہ معظم میرے گھر آیا تو والد مجھے کسی بات پر سخت سست کہہ رہے تھے۔ والد تو خاموش ہوگئے۔ اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔ لیکن معظم کے سامنے میں نے اپنی برہمی کا اظہار کیا۔ اور شاید ایک آدھ سخت لفظ بھی میری زبان سے نکلا۔ جس کا اس نے بہت برا منایا۔ بلکہ اپنی عادت کے برخلاف مجھے سختی سے جھڑکا۔ پھر اس نے مجھے کئی آیات اور احادیث سنائیں۔ اور تاکید کی کہ والدین کی رضامیں خدا کی رضا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہیں' کبھی اف تک نہیں کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ زندگی بھر کے لئے میری آنکھیں کھل گئیں۔

بندے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو چیلنج Avoid کرتے ہیں' دوسرے وہ جو چیلنج Face کرتے ہیں بلکہ Invite کرتے ہیں۔ معظم Challenges کو Face بھی کرتا تھا اور Invite بھی۔ ایک ویک اینڈ پر وہ میرے ہاؤس آیا تھا کہ باتوں باتوں میں میرے ہاؤس کے اسد علی نے اسے Push Ups کے لئے Challange کر دیا۔ پہلے تو معظم نے ٹالنا چاہا۔ اسد سمجھا کہ شاید مقابلہ سے بھاگ رہا ہے۔ اس نے اصرار کیا تو معظم نے کہا' اچھا تو آزما لیتے ہیں۔ ٹاس کیا گیا۔ معظم ٹاس جیت گیا۔ معظم نے اسد سے کہا۔

"پارٹنر! تم حسرت نکال لو۔"

جب معظم کی باری آئی تو پچاس Push Ups زیادہ نکالے اور وہ ابھی شروع تھا کہ میں نے روک دیا۔

"یار بس کرو۔ کچھ ہمیں گپ شپ بھی کرنی

ہے۔"

اسد کے جانے کے بعد پوچھا۔

"یار تیرا Stamina تو اتنا زیادہ ہے۔ تو ٹال کیوں رہا تھا؟"

معظم نے جواب دیا'

" جس کو اپنی طاقت' اپنے زور بازو پر اعتماد ہو' اسے Low Profile پر رہنا چاہیے۔ Bullies بڑھکیں مارتے ہیں لیکن در اصل وہ اندر سے کمزور ہوتے ہیں۔"

پھر میں نے کہا۔

"یار تم نے اسد کو اتنے Margin سے ہرایا۔ اس سے کچھ کہا نہیں۔ یہی کہہ دیتے' بچو! اب کسی کو Challenge نہ کرنا۔"

کہنے لگا'

"اسد تو کلاس فیلو تھا۔ جو ہار جائے اسے شرمندہ یا ذلیل نہیں کرنا چاہیے۔ پھر کھیل کی ہار جیت دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔"

س: یہ تو بڑا Mature Observation ہے۔

ج: سوچ سوچ کر وہ اپنی عمر سے بہت زیادہ Mature ہو گیا تھا۔ سر! میں آپ کو ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔ معظم یاروں کا یار تھا۔ فرسٹ ائیر میں انٹر ہاؤس کراس کنٹری ہو رہی تھی۔ یعنی ہاؤس کے لحاظ سے ایک دوسرے کے حریف تھے۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے اور ہم نے جیسا کہ دستور تھا' اپنے منہ میں رومال گیلے کر کے رکھ لئے تھے۔ تاکہ منہ بالکل خشک نہ ہو جائے۔ جب ہم راجڑ کے پل کے قریب پہنچے تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے اب گر

پڑوں گا۔ جوں ہی ایک لمحہ کو میں رکا' وہ بھی رکا۔ اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر سہارا دیا۔ اور اس طرح ہاتھ پکڑ کر بھاگتا رہا۔ تا آنکہ میں سنبھل گیا۔ کالج کی باؤنڈری کے قریب پہنچ کر ایک بار پھر میں لڑکھڑایا۔ اس نے پھر سہارا دیا اور اپنی رفتار Loose کی۔ آخر میں تو ریس Qualify نہ کر سکا۔ لیکن معظم بھی چند Steps سے رہ گیا۔ سب حیران تھے' معظم میں تو Grit ہے۔ وہ کیسے پیچھے رہ گیا۔ لیکن اصل کہانی تو مجھے معلوم تھی۔

میں نے تو ایک واقعہ کے طور پر بیان کردیا۔ لیکن یہ اس شخصیت کی ایک جھلک تھی جسے آگے چل کر ملک و قوم کے لئے' پاکستان کے لئے شہادت کو چننا تھا۔

If you know the details of his Shahadat

it is almost choosing Shahadat,

opting for Shahadat.

شروع میں' میں نے ایف جی پبلک سکول کے سر علی حیدر کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح تاریخ کا' خاص طور سے اسلامی تاریخ کا ذوق انہوں نے معظم کے اندر پیدا کیا۔ اس کا مذہبی ذوق و شوق ملٹری کالج میں سر عارف نے پروان چڑھایا۔

سر طارق کا وہ چہیتا شاگرد تھا۔ اور انہیں اس کی نظر میں ایک مرشد کا درجہ حاصل تھا۔ سر طارق کا شمار ان اساتذہ میں سے ہے جو مضمون ہی نہیں پڑھاتے درس زندگی بھی دیتے ہیں۔ یوں تو ان کی ہر بات ہر لڑکے کو یاد ہوتی تھی۔ لیکن وہ چیز' جسے دل میں اترنا کہتے ہیں' یہ صورت صرف معظم کے ساتھ تھی۔

وہ ان کو بات بات پر Quote کرتا تھا کہ سر طارق نے یہ کہا' سر طارق نے اس کام کو اس طرح کرنے کو کہا۔

ایک دفعہ سر طارق نے معانقہ کرنے' Embrace کرنے کا اسلامی طریقہ بتایا اور اس کا فلسفہ سمجھایا۔ سنا ہم سب نے لیکن اپنایا معظم نے۔ معظم کو جب کسی سے ملنا ہوتا تو وہ اس طرح بغل گیر ہوتا' سینہ اس طرح گرم جوشی سے ملاتا کہ دل کی دھڑکن بھی اس کے تابع ہو جاتی تھی۔ اور دل چاہتا تھا کہ بندہ اسی طرح کھڑا رہے۔ اور قربت کی گرمی کو محسوس کرتا رہے۔

معظم کی دینی تربیت میں سر قادری کا بھی ہاتھ تھا۔ میجر قادری ہمیں ذکر بالقلب کراتے تھے۔ ذکر بالجہر کا طریقہ صرف بتایا تھا۔ ذکر بالقلب مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد ہوتا تھا۔ جس میں چند Senior لڑکے حصہ لیتے تھے۔ ذکر کی اس محفل میں سر طارق کے علاوہ کبھی کبھی سر عباسی بھی شریک ہوتے تھے۔ سر عباسی کو کشف کا مقام حاصل تھا۔ ایک دن فرمایا' میں نے حالت کشف میں چار لڑکوں کو اگلے مقام پر چڑھتے دیکھا ہے۔ وہ چار لڑکے تھے' معظم' طارق فرید' احمد بلال اور منصور احسن سید۔ اہل ذکر طلباء میں معظم کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ سر قادری اسے "سلطان معظم" کہہ کر پکارتے تھے۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ میں اور معظم حریف ہاؤسوں میں تھے اور کھیل کے میدان میں ایک دوسرے کے مد مقابل ہوتے تھے۔ ہم دونوں کی کوشش تھی کہ ہمارا اپنا ہاؤس فرسٹ آئے۔ شروع شروع میں معظم Plain کیڈٹ تھا اور کسی گیم وغیرہ میں شرکت نہیں کرتا تھا۔ بعد میں اپنے House Prefect اور روم میٹ احمد بلال کی وجہ سے وہ ہاؤس کی آؤٹ ڈور سرگرمیوں میں شوق سے حصہ لینے لگا تھا۔

معظم ہمارا ساتھی اور دوست تھا۔ لیکن اسے ہمارے Guide کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں اور ایک Darm Fellow ممتاز بغیر اجازت ہاؤس سے غائب ہوئے اور تقریباً دو راتیں ہاؤس سے غائب رہے۔ ایسی حرکتیں بھلا چھپتی کہاں ہیں۔ کسی مہربان نے مخبری کردی اور ہم دھر

لئے گئے۔ اور ایسے موقعوں پر جو زیادہ سے زیادہ سزا دی جاتی تھی' وہ ہمیں عطا کی گئی۔ یعنی ہمارے گھروں کو ٹیلی گرام دیئے گئے۔

"Your son got involved in a discipline case.
Come and see the commandant immediately."

یہ ٹیلی گرام ہمارے گھر رات کے آٹھ بجے پہنچا۔ اس تار سے سارے گھر پر جو بیتی' جس کی تفصیل مجھے بعد میں معلوم ہوئی' وہ بیان نہیں کرسکتا۔ غالباً" یہ بھی سزا کا ایک حصہ تھی۔ دوسرے دن جب ہم دونوں کے والد صاحبان تشریف لائے تو ہمارے سامنے والد کی تواضع اس پہلے جملے سے ہوئی۔

"یہ لڑکے آپ ایسے معزز لوگوں کا نام روشن کرنے
یہاں نہیں آئے۔ بلکہ آپ کا نام ڈبونے یہاں آئے
ہیں۔"...... وغیرہ وغیرہ۔

اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ اس واقعے کے بعد گھر والوں نے مجھ سے ملنے کالج آنا بند کر دیا۔ پہلے وہ ہر ہفتے آتے تھے۔ میرے لئے سو درے...... ہاؤس ماسٹر صاحب نے اپنی طرف سے تین ماہ کے لئے Out Walking اور Week End بند کر دیا۔ اس دوران میں بیمار ہو کر College Hospital میں داخل ہو گیا۔ معظم پہلے دن سے مجھے دیکھنے Hospital آتا تھا۔ جب ایک ہفتہ گزر گیا اور میں ٹھیک نہ ہوا تو معظم نے اپنے طور پر میرے گھر والوں کو خط لکھا کہ...

"مہتاب کی طبیعت خراب ہے۔ وہ اپنے کئے پر
بہت شرمندہ ہے۔
میری ضمانت پر آپ اسے معاف کردیں۔ آئندہ
آپ کو شکایت کا موقع نہیں دے گا۔ اور اپنا Career
بنائے گا۔ آپ لوگ اسے سدھرنے کا موقع ضرور دیں۔"

چنانچہ معظم کے کہنے پر میری معافی ہوئی اور گھر والوں نے آنا شروع کر دیا۔ لیکن معظم نے معاملے کو یہیں تک نہیں چھوڑا۔ مجھ سے کہنے لگا۔

"یار جو Promise تم نے کیا ہے' اس کو
Honour بھی کرو۔"

"وہ کیسے"؟" میں نے پوچھا۔ معظم نے جواب دیا۔

"اپنا Career بناؤ۔ جو Areas کمزور ہیں'
Weak ہیں' ان کو ٹھیک کرو۔"

پھر خود ہی Suggest کیا۔

"تم اپنی Public Speaking کو Strong کرو۔
میں نے تمہیں موسیٰ ہال میں کبھی بولتے نہیں دیکھا۔
Morning Assembly کی Speach سے
ابتدا کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔"

چنانچہ میں نے اپنا نام Voluntier کرایا۔ اس سے پہلے میں نے کالج سٹیج سے تقریر نہیں کی تھی۔ معظم نے میری پوری مدد کی اور میری تقریر بی گریڈ قرار پائی۔ بڑا حوصلہ ہوا۔ یہ معظم کی دوستی کا ثمر تھا۔ Hospital میں وہ مجھے کلاس کے Notes بھی کر لا کر دیتا رہا تھا۔

س: Very kind of him.

ج: Sir, he was great.

اب میں اس کے Great ہونے کا ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ باکسنگ کی انٹر ہاؤس شیلڈ کا بڑا Weightage ہوتا ہے۔ ہاؤس کا ہر لڑکا Boxing جیتنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے۔ ابھی میں Hospital ہی میں تھا کہ ہاؤس پریفکٹ نے میرا نام Reserve میں دے دیا۔ سی ایچ سے ڈسچارج ہو کر میں ایک ہفتے کے Bed Rest پر تھا کہ ایک نئی صورت

حال پیدا ہوگئی۔ جس باکسر کا میں Reserve تھا' پریکٹس کرتے ہوئے اس کا ہاتھ فریکچر ہوگیا اور میرا نام اصل Bout میں از خود آگیا۔ جب معظم کو پتہ چلا کہ مہتاب کے ساتھ یہ حادثہ ہوگیا ہے تو فوراً" میرے پاس آیا۔ پہلے تو یہ بتایا کہ میری Bout ٹیپو ہاؤس کے Top Notch باکسر کاشف جلیل سے ہوگی' وہ بھی ایک Weight اوپر۔ کاشف جلیل کالج میں پانچ چھ سال سے تھا اور کالج کا مانا ہوا باکسر تھا۔ معظم کہنے لگا'

"مہتاب! لڑنا ہے اور خوب مقابلہ کرنا ہے۔"

میں نے اکڑ کر کہا' ایسا بھی کیا ہے۔ میں بھی وہ ہاتھ دکھاؤں گا کہ وہ یاد کرے گا۔ کہنے لگا'

"پاگل ہوا ہے؟ اسے پانچ برس کا تجربہ ہے۔ اور تو
ابھی Hospital سے آیا ہے۔ کچھ داؤ پیچ سیکھ لے۔"

باکسنگ تو اس وقت معظم کو بھی کوئی ایسی خاص نہیں آتی تھی۔ بہر حال مجھ سے بہت بہتر تھا۔ ٹی بریک اور خالی پیریڈ میں آکر وہ مجھے Shadow Boxing سکھاتا رہا۔ اس نے ایک گر یہ بتایا کہ یوں ڈک کر Left Punch کے ساتھ کاشف کو پیچھے دھکیلتے رہنا۔ کچھ بچت ہو جائے گی۔ کاشف کو ہرانا تو بہت مشکل ہے۔ اس سے عزت سے ہارنا ہی بڑی بات ہوگی۔ چنانچہ اس کی Strategy میرے بہت کام آئی۔ میں ہارا تو سہی۔ لیکن عزت سے ہارا۔ اور میری Bout اس سال کے انٹر ہاؤس مقابلے کی سب سے اچھی Bout قرار پائی۔ میرے ناک آؤٹ ہونے میں اس کے ہاؤس کا فائدہ تھا۔ لیکن اس نے ہاؤس سے وفاداری کا حق بھی ادا کیا اور دوست سے دوستی بھی نبھائی۔ تو یہ تھا معظم!

س: آپ نے معظم کی Studies کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔

ج: Studies میں تو کوئی بھی اچھا ہو سکتا ہے۔

س: صحیح! Studies ایک Moral Activity نہیں بلکہ ایک ذہنی عمل ہے' Cognitive Activity ہے۔ اس لئے بعض Top Students بڑے خود غرض اور تنگ دل بھی ہوتے ہیں۔

ج: معظم اچھا سٹوڈنٹ تھا۔ خصوصا" Maths میں تو وہ Genius تھا۔ گو اس کا Hand Writing اچھا نہیں تھا۔ Top Students کے بارے میں آپ کا Observation غلط نہیں۔ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے لیکن معظم اے گریڈ سٹوڈنٹ ہوتے ہوئے بھی قابل رشک حد تک فراخ دل اور ہمدرد تھا۔ وہ اپنے Notes دوسرے کلاس فیلوز کے ساتھ Share کرتا تھا۔ اس کے ساتھ خالد محمود' احمد بلال' منصور احسن سید' سلیم' کاشف جلیل ایسے ٹاپ سٹوڈنٹ تھے۔ وہ ان کے ہم قدم رہنے کے لئے سخت محنت کرتا تھا۔

آخر میں' میں اس کی بڑائی کا ایک اور پہلو بھی زبان پہ لا رہا ہوں۔ میرا تعلق جہلم کے متوسط گھرانے سے ہے۔ معظم کا تعلق ایک معروف اور متمول گھرانے سے تھا۔ اس کے گھر گاڑی بھی تھی۔ ایک فوجی افسر اور ڈاکٹر کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے بظاہر اس کا Status زیادہ تھا۔ لیکن معظم نے کبھی اشارتا" کنایتا" بھی اپنی سماجی برتری کا اظہار نہیں کیا۔ بازار جاتے تو پیدل جاتے۔ چائے پیتے تو چائے کی معمولی دکانوں پر۔ وہ میرے ساتھ ہوتے ہوئے کبھی زیادہ پیسہ نہیں خرچتا تھا۔ جس طرح میں اس کے گھر جاتا' وہ میرے گھر آتا' بے تکلفی سے کھاتا پیتا۔

س: فرشتہ سے بہتر ہے انسان ہونا!

ج: اور یہ مشکل کام معظم نے بہت کم عمری میں کر دکھایا۔

س:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

"کوئی اپنے گھر کے خلاف بھی بولتا ہے؟"

شہباز احمد

س: آپ کا تعارف؟

ج: میرا نام شہباز احمد ہے۔ بی ایس سی کا سٹوڈنٹ ہوں۔ آپ میرے بڑے بھائی جان مہتاب کا انٹرویو ریکارڈ کر رہے تھے تو مجھے خیال آیا' معظم بھائی کی کچھ یادیں میرے دل میں محفوظ ہیں۔ شاید آپ کی کتاب کے کام آجائیں۔

س: کیوں نہیں؟ یہ کتاب معظم کی Character Study ہے۔ جتنے زیادہ واقعات سامنے آئیں' بہتر ہے۔ اس طرح شہید کا جو Image ابھرے گا وہ حقیقت سے زیادہ قریب ہوگا۔ آپ کے ذہن میں کونسی باتیں ہیں؟

ج: میری ایک عادت تھی کہ ملک کے حالات سے Frustrate ہو کر میں اکثر پاکستان کے خلاف بولا کرتا تھا۔ ایک آدھ بار معظم بھائی نے سنا تو بہت Upset ہوئے۔ پھر پیار سے سمجھایا۔ یہ ہمارا ملک ہے' ہمارا گھر ہے۔ کوئی اپنے گھر کے خلاف بھی بولتا ہے؟

پھر' فرق ہے اسلام اور مسلمانوں میں' پاکستان اور پاکستانیوں میں۔ ایک کی کوتاہی دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ جیسا بھی ہے پاکستان ہمارا ہے۔ اسے بنانا سنوارنا ہمارا کام ہے۔ برائیوں کو اچھالنے سے تو برائیاں کم نہ ہوں گی۔ اپنے حصے کا دیا جلانا چاہیے۔ اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔

چونکہ جو وہ کہہ رہے تھے' وہ خود اس کی زندہ تصویر تھے اس لئے انکی بات میں اثر بہت تھا۔

عظیم دوست! عظیم تر انسان !!

کیپٹن ڈاکٹر تاشفین بن نذیر

س: پہلے تو تاشفین' آپ اپنا تعارف کرایئے۔

ج: نام میرا تاشفین بن نذیر ہے۔ ابھی تازہ تازہ اے ایم سی میں ڈاکٹر کی حیثیت سے کمشن لیا ہے۔ امتیاز مجھے یہ حاصل ہے کہ شہید معظم کا بچپن کا دوست ہوں۔

س: اس تعلق کی کچھ تفصیل؟

ج: ہم دونوں کا آبائی شہر جہلم ہے۔ ہم دونوں نے وہیں ہوش سنبھالا۔ ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ شاید آپ جانتے ہوں' جہلم کینٹ میں لب سڑک ایک بہت اچھا سکول ہے۔

Presentation Convent High School

س: میں خوب جانتا ہوں۔ میرے بچے بھی وہیں پڑھتے رہے ہیں۔

ج: تو اس کانونٹ سکول میں کے جی سے کلاس فائیو تک ہم دونوں نے یک ساتھ پڑھا' ایک ساتھ جھولے جھولے' ایک ساتھ شرارتیں کیں اور ..انیں پائیں۔

س: Miss Mary سے بھی پڑھا؟

ج: وہ تو کانونٹ سکول کی پہچان رہی ہیں۔ اس زمانہ میں بھی ایک Legend تھیں۔ کیا بات ہے مس میری کی۔ ماؤں کی ماں!

اتنی Devoted اور اتنی Competent-----!

میری اور معظم کی ابتدائی Grooming وہیں ہوئی۔

س: کیا اس زمانہ میں' میرا مطلب ہے' کے جی سے کلاس فائیو تک' معظم میں آپ کو کوئی خاص بات نظر آئی؟

ج: ہاں----He was a child with a difference.

س: فرق کیا تھا؟ اس کی کوئی مثال؟

ج: انسان کا حافظہ بہت Selective ہوتا ہے۔ وہی باتیں یاد رہ جاتی ہیں جن سے لگاؤ ہو' کوئی دلچسپی ہو۔ مجھے اپنے بچپن کی جو باتیں یاد ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق معظم سے ہے۔ کلاس "ون" اور "ٹو" میں ہمارا دل پسند کھیل GOGO تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ معظم اتنا تیز دوڑتا تھا کہ اس کھیل میں اسے پکڑنا بہت مشکل تھا۔ ایک اور کھیل برف پانی اس زمانے میں بہت مقبول تھا۔ معظم کو اس کھیل سے دلچسپی تھی۔ کلاس تھری میں ہمیں مس نجمہ پڑھاتی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں انہیں بچوں کو خوفناک کہانیاں سنانے کا شوق تھا۔ بچے بڑے شوق سے سنتے ضرور تھے۔ لیکن ان کہانیوں کے خوفناک کرداروں سے ڈرتے بھی تھے۔ ان کا نام لے کر چیخیں نکل جاتی تھیں۔ اس وقت بھی معظم دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔ وہ کہتا۔

"بے وقوف ہوئے ہو؟ یہ کہانیاں ہیں۔
کہانیوں سے بھی کوئی ڈرتا ہے؟
مت ڈرا کرو' کسی سے مت ڈرا کرو۔"

یہ بے خوفی' یہ Fearlessness معظم میں اس چھوٹی عمر میں' جب

وہ بمشکل سات آٹھ سال کا ہوگا' اس وقت بھی تھی۔ یہ جو میں نے ابھی کہا تھا۔

He was a child with a difference.

گو یہ Difference بالکل صحیح ہے کہ اس وقت بہت واضح' بہت Well Defined نہیں تھا۔

س: "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"

وہ بچے جو غیر معمولی Gifted یا Bright ہوتے ہیں' ان کے امتیازات کہیں نہ کہیں' کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ ہم جو شہید کی یہ 'Portrait' یہ لفظی تصویر بنا رہے ہیں وہ انہی امتیازی پہلوؤں کو Highlight کرنے سے بنے گی۔ اس لئے میں آپ سے کہوں گا' Kindly آپ معظم شہید کے امتیازی رویوں اور عادات کو ضرور Highlight کیجئے۔

ج: سر' میری کوشش بھی ہے کہ میرا عظیم معظم اب اپنی داستان زندگی میں زندہ رہے۔ تاکہ اس سے مستقبل کے بہت سے معظم Inspiration حاصل کریں۔

س: یقیناً" یہی ہمارا مقصد ہے۔

ج: تو عرض کر رہا تھا' کانونٹ سکول میں ہمارا آخری سال تھا۔ یعنی ہم کلاس فائیو میں تھے۔ اس زمانہ میں کانونٹ سکول میں پانچویں میں Boys اور Girls ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔۔۔۔ تعلیمی و تربیتی مصلحتوں کی بنا پر ہماری کلاس نے فیصلہ کیا کہ کلاس کی Seating Arrangement اس طرح ہوگی کہ ایک لڑکا ایک لڑکی ساتھ ساتھ بیٹھیں گے۔ کسی نے اس Arrangement کو Resist نہیں کیا۔ بلکہ شاید خوش ہی ہوئے ہوں گے' سوائے معظم کے۔ اسے آپ معظم کی Shyness کہہ لیں۔ لیکن ۔۔۔۔۔

managed to sit with a boy.

س: بظاہر چھوٹی سی بات ہے۔ لیکن اس سے اس مزاجی Orientation کا پتہ چلتا ہے، جس کا اظہار بعد میں ہوا۔

ہر شخص کی شعوری یا لاشعوری ترجیحات ہوتی ہیں۔

معظم کی ترجیحات کا خاکہ اس کچی عمر میں بھی ابھر رہا تھا۔ میں یہاں پوچھنا چاہوں گا کہ ٹیچر نے یہ Exception کیسے Allow کیا؟

ج: کیسے؟ میں کہہ نہیں سکتا۔ میرے سامنے تو وہ مس کے پاس گیا تھا۔ اسے کیا کہا تھا، یہ مجھے نہیں معلوم۔ بہرحال

As I said he managed it.......

میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ کانونٹ سکول تک یعنی پانچویں تک وہ میرا Fast Friend نہیں تھا۔ ہماری اصل گہری دوستی، شعوری دوستی ایف جی پبلک سکول، جہلم سے شروع ہوئی۔ جہاں چھٹی سے آٹھویں تک تین سال ہم نے ایک ساتھ گزارے۔ معظم نے ایف جی سکول مجھ سے کچھ عرصہ پہلے جوائن کر لیا تھا اور کافی Adjust کر لیا تھا۔ جب میں گیا، میں نے وہاں کا ماحول یکسر مختلف پایا۔

It was a different world....

میں بہت پریشان بلکہ Nervous ہوا۔ یہ وہ پہلا موقع تھا جب اس کی منفرد شخصیت کے خد و خال ابھر کر سامنے آئے۔ جب اس نے مجھے پریشان دیکھا تو مجھے حوصلہ دیا۔

"یار! کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہوتے ہو؟ میں جو ہوں!"

س: معظم نے عملی طور پر کیا کیا؟

ج: عملی طور پر یہ کیا کہ معظم نے Protecting Angel کی طرح، محافظ فرشتے کی طرح پر پھیلا دیئے۔ وہاں جو نئے لڑکوں کی Fooling ہوتی تھی، اس سے بچایا۔ میرے ساتھ ساتھ رہا۔ Some how کلاس میں میری سیٹ بھی اپنی

سیٹ کے ساتھ Manage کر لی۔ اور میرے لئے "یار غار" ثابت ہوا۔

اب جو میں پیچھے مڑ کے دیکھتا ہوں۔

When I look back and recollect.

باتیں یاد کرتا ہوں اور ان کو Analyse کرتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ Sacrifice کا جذبہ اس چھوٹی عمر میں بھی اس میں بہت تھا۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ Sensible تھا۔ حد درجہ Caring and Sharing----- یہی وہ جذبہ تھا جو بعد کو پاکستان سے شدید محبت کی صورت میں ظاہر ہوا اور آخر کار شہادت کی صورت اختیار کر لی۔ ایف جی سکول ہی میں میں نے معظم کو' ایک نئے انسان کو ابھرتے دیکھا۔

میں نے ابھی آپ کے Character Building Module میں ایک بک مارک "آدمی اور انسان" کے عنوان سے دیکھا۔ جس میں آپ نے کہا ہے کہ "فرق ہے آدمی اور انسان میں۔"

س: آپ معظم کی دردمندی کی کچھ مثالیں دینا پسند کریں گے؟ مثالوں سے جو Image بنتا ہے وہ تاثرات سے نہیں بنتا۔

ج: میں یہاں معظم کی ایک اور خصوصیت بھی بتاتا چلوں کہ معظم Maths میں Genius تھا۔ ادھر سر نے سوال لکھا یا بتایا' ادھر اس نے وہ سوال حل کیا۔ ہم لوگ Calculations کرتے جاتے۔ اس کے ذہن کا کمپیوٹر اسے صحیح حل بتا دیتا۔ اس وجہ سے ہمارے Maths کے ٹیچر سر ناصر اسے بہت چاہتے تھے۔

He was very fond of him.

وہ بہت اچھے انسٹرکٹر ہی نہیں' بہت اچھے معلم بھی' Educator بھی تھے۔ وہ پہلے استاد تھے جو ہمیں Encourage کرتے تھے کہ ہم سوال پوچھیں' Question کریں۔ سوال کے اندر اتریں' سوچیں' غور کریں۔

وہ جو سوال کتاب سے دیتے تھے اس کی ایک آدھ Figure تبدیل کر

دیتے تھے- تاکہ لڑکے رٹے رٹائے جوابات کسی Key سے نہ Reproduce کردیں-

یہ بتانے کا میرا مقصد یہ ہے کہ اتنے Creative Teacher کی نگاہوں میں اچھا ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی- معظم کو یہ مقام حاصل تھا-

س: کوئی خامی بھی تھی؟

ج: کیوں نہیں؟

س: وہ کیا؟

ج: یہ کہ Hand Writing ایسا تھا کہ سر پوچھتے:

"بتاؤ' کون سے پاؤں سے لکھا ہے؟"

مختصر یہ کہ معظم سے میری جگری دوستی بڑھتی رہی- میں معظم کے گھر آنے جانے لگا- ایک دن معظم نے مجھے اپنی ذاتی لائبریری دکھائی- میں تو حیران رہ گیا- پہلی بات تو یہ کہ یہ پہلا موقع تھا کہ ساتویں آٹھویں کے کسی طالب علم کی پرسنل لائبریری میں نے دیکھی- اس میں بھی اشتیاق احمد کے جاسوسی ناول یا فیروز سنز کی بچوں کی کتابیں نہیں' اسلامی تاریخ پر Full fledged books تھیں' ناول تھے' نسیم حجازی کے اسلامی تاریخی ناول تھے- نسیم حجازی کے ناولوں کا پورا سیٹ پہلی بار میں نے معظم کی لائبریری ہی میں دیکھا-

س: آپ کا نام تاشفین بھی تو نسیم حجازی کے ایک ناول کے نام پر ہے؟

ج: جی ہاں! یوسف بن تاشفین سے- یہ میرے والد صاحب کی مہربانی ہے کہ اسلامی تاریخ کے ایک بڑے ہیرو کے نام پر میرا نام رکھا- معظم علی شہید کی Collection میں نسیم حجازی کا ایک اور ناول معظم علی بھی تھا-

س: اور تلوار ٹوٹ گئی-

ج: جی ہاں- یہ بھی- لیکن معظم علی پر اثر معظم علی کا تھا- معظم کا ہیرو معظم علی ہی تھا- میں چاہتا ہوں کہ معظم علی نامی ناول کے ساتھ اس کی لائبریری میں

ڈالتی تھیں۔ ان کی انگلیوں میں جادو تھا۔ پیانو پر آواز سے اور Paper Work میں انگلیوں سے جادو جگاتی تھیں۔ معظم ان کی پیپر ورک کی Skills کو حسرت سے دیکھا کرتا تھا۔ ان کے Interest کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ بھی پیپر ورک میں بہت بہتر ہوگیا۔ چڑیا، مچھلی، خرگوش، تتلی، بہت تیزی سے بنا ڈالتا تھا۔ پڑھانے کا ان کا اپنا سٹائل تھا۔ ہر بچے پر توجہ دیتی تھیں۔ خواہ وہ Bright ہوتا یا Slow۔ ہوتا یہ ہے کہ اچھی سے اچھی ٹیچرز کسی نہ کسی حوالے سے تھوڑا بہت Discriminate ضرور کرتی ہیں۔ گریٹ مس میری جگت ماں تھیں، سب بچوں کی ماں!

س: پروین شاکر نے کہیں لکھا ہے کہ خدا کبھی کبھی اپنے مہربان فرشتوں کو زمین پر بھی بھیج دیتا ہے۔

ج: مس میری ایسا ہی مہربان فرشتہ تھیں جو کانونٹ سکول میں اتر آیا تھا۔

Recess میں جو ٹیچرز کا Tea Break تھا، باری باری ہر بچے کو Across the road اپنے Apartment میں لے جاتی تھیں اور ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی Cookies اور Sandwiches سے ناشتہ کراتی تھیں۔ میرے بعد معظم کی باری تھی۔ میں نے پوچھا۔

"کیا کیا کھایا؟"

"سینڈو چز کیسے تھے؟"

کہنے لگا۔

"مجھے تو ان کا انگلی پکڑ کر لے جانا بہت اچھا لگا۔"

وہ تھیں ہی اتنی اچھی!

س: ہم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائیں۔ وہ رحمت کے فرشتے ہر قدم پر زندگی کی منزل میں ہمارے قریب رکھتا ہے۔

س: کانونٹ سکول کے زمانے کی کوئی اور بات، جس سے معظم پر کسی

زاویئے سے روشنی پڑتی ہو؟

ج: مجھے یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۷۹ء کے زمانہ میں ہماری پرنسپل سسٹر میڈویلنک تھیں۔ وہ ہفتہ میں ایک دن ہماری کلاس میں آکر پیانو پر Rhymes سناتی تھیں، مناجات سناتی تھیں۔ جس کے دوران کراس کا نشان سینے پر لگاتی تھیں۔ یہ ایک مذہبی Ritual تھا جو ہمیں بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس وقت ہم غالباً" نو کلاس میں تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ معظم بڑی شدت سے صلیب کا نشان لگانے پر اعتراض کرتا تھا۔ اب تجزیہ تو نہیں کر سکتا۔ لیکن معظم چھ سات سال کی عمر میں بھی آج کی اصطلاح میں Fndamentalist تھا۔

اس سے پہلے کہ بات آگے بڑھے، مس میری کی ایک اور بات یاد آئی۔ وہ نرسری رائم

Twinkle Twinkle Little Star

پیانو پر بہت ڈوب کر گاتی تھیں۔ اور ہم سب Chorus میں گاتے تھے۔ ہاتھوں کے اشارے کرتے تھے۔ پھر، آخر وہ کہتی تھیں۔

You are all stars.

میرے ستارو! اب تمہیں چمکنا ہے۔

معظم Ba Baa Black Sheep سے زیادہ Rhyme پسند کرتا تھا۔

س: کانونٹ سکول کا کوئی اور واقعہ جس سے معظم پر کسی زاویئے سے روشنی پڑتی ہو؟

ج: جی ہاں۔ ایک واقعہ ہے Early 80s میں ٹی وی سے ایک ڈرامہ "آخری چٹان" براڈ کاسٹ ہوا تھا جس میں چنگیز خان کی یلغار کا ذکر تھا۔ ہم بچے درختوں کی ٹہنیوں کی تلوار بنا کر آخری چٹان کی لڑائیاں لڑتے تھے۔ ایک دن ایسی لڑائی ہو رہی تھی کہ دشمن کی فوج کے دو سپاہیوں نے پیچھے سے آکر ہم پر حملہ کیا۔ بلکہ دھکا دیا۔ قریب ہی اینٹیں پڑی تھیں۔ میں ان پر گرا اور میرا

دایاں ہاتھ فریکچر ہوگیا۔ ان دنوں سسٹر انندڈا پرنسپل تھیں۔ میرے ہاتھ میں بہت تکلیف تھی۔ Naturally میں رو رہا تھا۔ معظم مجھے سہارا دے کر پرنسپل آفس لے گیا۔ اور اس دوران مجھے حوصلہ دیتا رہا۔ میں نے پوچھا۔

"وہ کون تھا جس نے مجھے دھکا دیا۔

میں نے تو نہیں دیکھا۔"

معظم نے کہا۔

"میں نے دیکھا' دستگیر نے تمہیں پیچھے سے دھکا دیا تھا۔ وہ دشمن جو تھا۔ کھیل میں ایسا ہوتا ہے۔ تم پرنسپل کو نام نہ بتانا۔ کوئی اس نے جان کر تو نہیں گرایا۔"

س: ایف جی سکول کی کوئی اور بات؟

ج: ایف جی پبلک سکول کے استاد سر ناصر جن کا ذکر میں نے پہلے بھی کیا ہے' Maths کے بہت اچھے استاد تھے۔ معظم چونکہ حساب میں بہت اچھا تھا' اس لئے وہ اس پر بہت مہربان تھے۔ سر ناصر کا بیٹا بھی ہمارے ساتھ پڑھتا تھا۔ اور Handicaped تھا۔ وہ غالباً" بچپن میں پولیو کا شکار ہونے کی وجہ سے Crutches کے ساتھ چلتا تھا۔ وقفہ میں ایک طرف جھکا رہتا تھا۔ چونکہ برص سے اس کی ساری Skin سفید ہوگئی تھی' حتیٰ کہ سر کے بال بھی سفید تھے' اس وجہ سے بھی عام بچے' اس سے زیادہ Mix Up نہیں ہوتے تھے۔

But Moazzam was an exception.

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اکثر Recess میں جب وہ لڑکا' اس کا نام ذہن سے اتر گیا' اکیلا اداس بیٹھا ہوتا تو معظم اس کے پاس جاتا اور کچھ دیر گپ شپ کرتا۔ ابھی آپ نے مجھے اپنے "Character Building Module" میں سے "I am Caring and Sharing" کا سٹکر دکھایا تھا۔ معظم کی لوح زندگی پر بڑے جلی حروف میں لکھا تھا۔

"I am Caring and Sharing"

Which indeed he was!

اسی دردمندی کی ایک اور مثال یاد آئی- ہماری کلاس ٹیچر مس بشریٰ تھیں- یہ کلاس ٹو یا تھری کی بات ہے- ان کے بھائی کی انگلینڈ میں Death ہو گئی تھی- ان کی Dead Body آئی- سکول میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی-

Muazzam was visibly moved.

اس نے کہا "چلو یار، مس بشریٰ کے ہاں چلتے ہیں-"

اس روز تو نہیں، غالباً" دوسرے روز ہم کچھ لڑکے مس بشریٰ کے ہاں پرسے کے لئے گئے- معظم ہم سب میں پیش پیش تھا- اس کا وہاں جانا رسمی نہیں، Formal نہیں، Visibly Genuine تھا-

۱۹۸۵ء کے بعد چند سالوں میں اس سے میری زیادہ تر ملاقات عید بقر پر ہوتی تھی، جب میں اپنی دادی کے پاس عید گزارنے جاتا تھا- ان کا گھر کینٹ کے علاقہ میں تھا- معظم کا گھر جی ٹی روڈ پر تھا- دادی کے گھر پہنچتے ہی میں معظم کو فون کرتا کہ میں آگیا ہوں- وہ اپنے والد سے کہہ کر اس مسجد میں عید کی نماز پڑھنے کے لئے آتا جو ہمارے گھر کے قریب تھی- نماز کے بعد معظم کے ابو اس کو ہمارے گھر Drop کر دیتے- پھر ہم دونوں سائیکلیں لے کر گاف کورس گراؤنڈ کی طرف آ جاتے- اس زمانے میں Cycling ہی ہمارا Main Sport تھا-

س: اس زمانے کی کوئی یاد؟

ج: ہاں، ایک دفعہ میں عید پر آیا ہوا تھا- سائیکل ایک تھی- اور کافی بڑی تھی- معظم نے قد تو پی ایم اے میں جا کر خوب نکالا- اس وقت اس کا قد کم تھا- میں نے اسے منع بھی کیا کہ سائیکل بڑی ہے، تم نہ چلاؤ- لیکن وہ نہ مانا-

یہ بھی اس کے کیریکٹر کی ایک خاصیت تھی کہ جو دھن اس پر سوار ہو جاتی' وہ پوری کر کے چھوڑتا۔ بہر حال' مجھے کیریئر پر بٹھایا اور معظم نے پاؤں مارنے شروع کیے۔ بہت جلد وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ جونہی ایک گڑھا آیا' سائیکل نے ایک غوطہ کھایا۔ معظم اور میں دھڑام سے نیچے آ رہے۔ میں اپنی نئی پتلون کا غم کرنے لگا جو گھٹنے سے پھٹ چکی تھی۔ معظم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عجیب آدمی ہو۔ پتلون کا غم کر رہے ہو' بندے کا نہیں۔ ہماری جو ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے اس کی بھی کچھ فکر کرو۔ وہ کیا شعر ہے جو ایسے موقعوں پر اردو کے سر ناتے تھے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی............"

میں نے مصرع پورا کیا۔

..........میدان جنگ میں!

معظم نے سینہ تان کر کہا۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں!

..........میدان جنگ میں!

..........میدان جنگ میں!

آخری الفاظ اس نے اس طرح خوش ہو کر ادا کیے کہ میں اپنی چوٹ اور پھٹی ہوئی پتلون کو بھول گیا۔

دوپہر کو میں کالاگوجراں میں معظم کے گھر آ جاتا تھا۔ لنچ بھی وہیں لیتا۔ یہاں میں معظم کے عظیم والدین کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا۔ معظم کو معظم بنانے میں اس کے گھر کے ماحول بلکہ کلچر کا بھی بڑا دخل تھا۔ میں نے اس گھر میں اپنے آپ کو کبھی اجنبی نہیں سمجھا۔ اقبال نے مسجد قرطبہ میں مومن کے جس Image کو Desciribe کیا ہے۔

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

مومن کے شب و روز اور "لائف سٹائل" کا نقشہ مجھے اس گھر میں نظر آیا۔ دردمندی اس گھرانے کی خاصیت تھی۔ اس گھر سے غریبوں کی مرادیں ہی بر نہیں آتی تھیں' وہاں پالتو جانوروں کی بھی ناز برداری کی جاتی تھی۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ گھر کے Pup کی جوئیں نکالنے' Lices نکالنے میں سب بہن بھائی لگے ہوئے تھے۔ پھر جس اہتمام سے پپ صاحب کو لکس سے نہلایا گیا' وہ منظر دیدنی تھا۔

میں ایف جی سکول کے دور کی ایک اور بات کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا۔ سکول کے ٹک شاپ کا مالک پیسوں کے معاملے میں Alert نہیں تھا۔ اکثر ریزگاری زیادہ واپس کرتا۔ دوسرے لڑکے اسے اپنا حق سمجھتے۔ میں بھی کہتا کہ آخر یہ ہماری کھال بھی تو کھینچتا ہے' روپیہ کی چیز ڈیڑھ روپے میں دیتا ہے۔ آخر یہ ہمارا پیسہ ہے' جو ہمارے پاس واپس آ رہا ہے۔

معظم پائی پائی واپس کر تا۔ اور کہتا۔

"نہیں' یہ زائد پیسے ہمارا حق نہیں۔

یہ Cheating ہے۔"

Integrity معظم پر ختم تھی۔

مجھے یاد ہے' پی ایم اے کے لئے Select ہونے پر معظم بہت خوش تھا۔ "خوش" تو عام لفظ ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ پی ایم اے جا کر بہت Excited تھا۔ مجھے آرمی میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔ فاروق ایک سال بعد پی ایم اے چلا گیا۔ مہتاب نے لاہور سے بی کام کیا۔ یوں ہم چاروں دوست زندگی کی مختلف شاہراہوں پر بکھر گئے۔ لیکن تعلق قائم رہا۔ اس عمر میں دوستوں میں جوانی کی فرضی ڈھینگوں کا ذکر ضرور آتا ہے اور اسے بہت

Enjoy کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے سے بڑھ کر داستان سرائی کی جاتی ہے۔
میں بھی اس دور سے گزرا ہوں۔

And I was no exception.

لیکن معظم؟ -------- He was an exception

اس نے جوانی کی ڈھینگوں میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ یوں کہنا چاہیے کہ پی ایم اے جا کر فوجی Professionalism نے اسے Possess کر لیا تھا۔

پی ایم اے کے بعد وہ ۳۵ پنجاب میں پوسٹ ہوا تھا جو لاہور میں تعینات تھی۔ اس وقت تک معظم نے قد کاٹھ نکال لیا تھا۔ وہ ایک Tough اور Handsome نوجوان بن کر ابھرا تھا۔ سیاچن سے معظم کے جو خط آتے تھے' ان کے تیور کچھ اور تھے۔ ان سے بوئے شہادت آ رہی تھی۔ پچھلے سال' ۹۵ء کی عید پڑھنے جہلم پہنچ کر معظم کے گھر فون کیا کہ حسب دستور عید کا کوئی پروگرام بنائیں۔ اس کے ابو نے مجھے بتایا کہ معظم اگلے ماہ چھٹی آئے گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اگلا ماہ اب کبھی نہیں آئے گا۔

۱۸ مئی کی شام میری امی نے اے ایم سی کیڈٹس میس میں' مجھے معظم کی شہادت کی خبر سنائی تو میں سناٹے میں آگیا۔ بہت آنسو بہائے۔ برسوں کی دوستی کی فلم ذہن میں چلنے لگی۔ پھریکایک مجھے وہ بات یاد آگئی۔

"جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے وہ مرے نہیں' زندہ ہیں۔"

پھر میرے دل سے آواز آئی۔

زندہ ہے' زندہ ہے' میرا یار غار زندہ ہے۔

شہادت کے طالب نے ابدی زندگی پالی ہے۔

میٹرک کے نصاب میں ایمرسن کی ایک نظم پڑھی تھی۔

It is men not gold that

Make a country great and strong

Men who for honour sake

Stand fast and suffer long.

وہ معظم ہی کے لئے کہی گئی تھی۔

آرمی کا سلوگن ہے۔

MEN AT THEIR BEST.

BE ALL YOU CAN BE.

سیاچن کی روحیں کہہ رہی ہیں۔

We have sacrificed our today

So that you may live tomorrow.

س: آخر میں آپ معظم کے بارے میں کیسے Sum-up کرنا چاہیں گے؟

ج: مجھے کیا Sum-up کرنا ہے۔ معظم ایسے عظیم انسان کو میرے تاثرات کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو خود ایک آرزو دل میں چھپائے پھر رہا ہوں۔

س: کیا؟

ج: میں نے سنا ہے کہ شہید کی تربت کی مٹی بھی خاک شفا کا درجہ رکھتی ہے۔ دیر سویر، مرنا برحق ہے۔ میں معظم کے والدین سے کیسے کہوں کہ کیا معظم کی تربت کی پائنتی دو گز زمین میرے لئے مختص نہیں کی جاسکتی؟

"In his untimely death to Pakistan Army has lost a promising officer with a great potential. He will be remembered with reverence by all those who knew him.

Please accept our heartfelt condolences in this hour of affliction. May Almighty Allah rest his soul in eternal peace and grant you and the family, courage and fortitude to endure this irreparable loss with equanimity.

With prayers!"

Yours Sincerely
(Signed)

Maj Gen Khalid Nawaz Malik
Military Secretary
General Headquarters
Rawalpindi
23 May 1995

سرائے عالمگیر، جہلم کے ملٹری کالج میں

- ☆ دست بہ کار، دل بہ یار!
- ☆ ایک مختلف اور منفرد افسر
- ☆ "یہاں نہیں، یہ ڈیوٹی کا معاملہ ہے"
- ☆ وہ ایک عرصہ سے حالت شہادت میں تھا
- ☆ کالج کی تاریخ میں
- ☆ "ٹاپ ٹین" میں سے ایک!
- ☆ اپنی پہلی تنخواہ سے سو روپے، میرے لئے!

دست بہ کار، دل بہ یار!

کیپٹن طارق فرید

س: کیپٹن طارق! آپ نے معظم کو کب جانا اور پہچانا۔ چونکہ جاننا اور بات ہے، پہچاننا اور۔

ج: سر! آپ نے بڑی گہری بات کہی۔ واقعی جاننے اور پہچاننے میں فرق ہے۔ معظم سے پہلی ملاقات ملٹری کالج، جہلم میں بحیثیت فرسٹ ایئر فیلو کے ہوئی۔ یہ واقعہ ۱۹۸۸ء کا ہے۔ میرا ہاؤس مختلف تھا۔ میں شیرشاہ ہاؤس میں تھا اور وہ ٹیپو ہاؤس میں۔ اس لئے آتے جاتے علیک سلیک ہوتی رہی۔ معظم کو پہچاننے کا سلسلہ ایک سال بعد شروع ہوا۔ جب ہم دونوں نے ایک ساتھ ذکر اذکار کے دائرے میں قدم رکھا۔

س: وہ سلسلہ کیا تھا؟

ج: اس زمانہ میں کالج میں دو استاد ایسے تھے جو ذکر کرواتے تھے۔ پروفیسر طارق کی دلچسپی "ذکر جلی" میں تھی۔ جب کہ میجر قادری کا ارتکاز "ذکر خفی" پر تھا۔ ذکر کا یہ سلسلہ عشاء کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے کالج کی مسجد میں چلتا تھا۔ ذکر کی ان مجلسوں میں، میں نے معظم کو پہچانا۔ اس کا ذکر خفی یا جلی،

دل کی گہرائیوں سے نکلتا تھا۔

کالج کے بعد ہم دونوں اکٹھے ہی پی ایم اے گئے۔ لیکن بٹالین مختلف تھی۔ وہ دوسری پاک بٹالین سے منسلک تھا۔ اور میرا دانہ پانی تھرڈ پاک کے ساتھ تھا۔ پی ایم اے کی ٹریننگ کا Tempo تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اپنا بھی ہوش نہیں رہتا' دوسروں کا کیا ہو۔ بہر حال بھاگتے دوڑتے' میس میں' کھیل کے میدان میں آمنا سامنا ہوتا اور چند لمحے گفتگو کے ملتے تو معظم ضرور پوچھتا۔

"یہ بتاؤ یار کچھ اذکار کا سلسلہ بھی چل رہا ہے یا نہیں؟"

جواباً" میں بھی یہی سوال کرتا تو اس کا جواب ہوتا'

"ذکر کے لئے سکون چاہیے' ارتکاز چاہیے۔ بہر حال جب چند لمحے میسر آتے ہیں تو رب سے لو لگا لیتا ہوں۔ یوں میں تو اپنے آپ کو حالت ذکر ہی میں سمجھتا ہوں۔

یہ سب بھاگ دوڑ کیا ہے؟

اللہ کے لئے ہے تو ذکر ہی ہے۔"

میں کہتا'

"پھر تو ذکر خفی' ذکر جلی کے علاوہ' یہ تیسرا ذکر بھی ہے ---- بھاگ دوڑ کا ذکر!"

"ہاں ہے۔" معظم کہتا۔

تصوف میں ایک بڑا نام مولانا روم کا ہے۔ کہیں ان کا ایک قول پڑھا تھا۔

"دست بہ کار' دل بہ یار!"

(یعنی ہاتھ کام میں اور دل یار یعنی اللہ کی یاد میں!)

سر، معظم بہت Genuine تھا۔ جو کہتا تھا وہی وہ تھا بھی۔

س: سنا ہے کہ آپ کا معظم سے سیاچن میں بھی رابطہ رہا۔

ج: صرف رابطہ نہیں، تعلق، بہت قریبی تعلق۔ ہم دونوں نے سیکٹر ہیڈ کوارٹرز میں کچھ دن ایک ساتھ گزارے۔ دن رات کا ساتھ تھا۔ یہ قربتیں بھی عجیب چیز ہیں۔ قربتوں سے فاصلے بڑھتے بھی ہیں اور گھٹتے بھی ہیں۔ عام طور پر بڑے آدمیوں کو قریب سے دیکھا جائے، بہت قریب سے، تو بہت سے چھلکے اتر جاتے ہیں۔Glamour کا ملمع اترنے کے بعد ایک نئی شخصیت سامنے آتی ہے۔

Moazzam was a normal human being,

every bit of him.

س: آپ ذرا واقعاتی تفصیل سے کام لیجئے کہ یہ تاثرات Substantiate ہو جائیں۔

ج: عرض کرتا ہوں۔

Now I will go into details.

جب اوائل ۱۹۹۵ء میں چار ماہ کے لئے میری Attachment بحیثیت آرٹلری آبزرور سیاچن میں ہوئی تو وہاں ایک بار پھر ہمارا رابطہ بلکہ ساتھ ہوا۔ مجھے بٹالین ہیڈکوارٹرز میں رپورٹ کئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ پتہ چلا، معظم سرور پوسٹ پر ہے۔ بڑی خوشی ہوئی جو دو چند ہو گئی جب معلوم ہوا کہ میں بھی سرور پوسٹ پر جا رہا ہوں۔ اچھا دوست، اچھا انسان کسے اچھا نہیں لگتا۔ لیکن وہ مشکل حالات میں ملے تو اور بھی اچھا لگتا ہے۔ میری پہلی منزل ایک گن پوزیشن تھی۔ گن پوزیشن سے سیکٹر ہیڈکوارٹرز میں بات ہو سکتی تھی۔ ایک دن سیکٹر ہیڈکوارٹرز میں بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ معظم سرور پوسٹ سے تابش پوسٹ پر جا رہا ہے۔ بڑا افسوس ہوا کہ جگری دوست کے ساتھ Serve کرنے

کا موقع اب نکلا جا رہا ہے- میں نے بٹالین ہیڈکوارٹرز سے درخواست کی کہ مجھے بھی تابش بھیج دیا جائے- لیکن میری تعیناتی کا گزشتہ آرڈر برقرار رہا- کئی اور افسروں سے بھی سفارش کروائی- معظم نے بھی کوشش کی لیکن بات نہ بنی- آخر مجھے آگے جانے کے لئے سیکٹر ہیڈکوارٹرز جانا پڑا- یہاں معظم کے ساتھ آٹھ دن زندگی کے یادگار تھے- سیکٹر ہیڈکوارٹرز میں معظم کی یونٹ ہی کا میس تھا- اس حوالے سے اس نے میری خاطر تواضع بھی بہت کی- سیکٹر ہیڈکوارٹرز کا Routine یہ تھا کہ رات کو سب افسر جاگتے تھے- جو Movement کرنی ہوتی وہ رات ہی کو کرتے- فجر کی نماز پڑھ کر سوتے تھے- چونکہ دن میں ہماری Movevent مسلسل ان کے زیر نظر' Under Observation رہتی تھی- اس لئے کسی قسم کی نقل و حرکت دن کی روشنی میں نہیں ہوسکتی تھی-

س: ساری ساری رات جاگ کر کیسے گزارتے تھے؟

ج: سر' انسان بہت Adaptable ہے' جو بہت جلد حالات اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے- چنانچہ ہم لوگوں نے رات کو کام کرنے یا جاگنے کا ایک روٹین وضع کر لیا تھا- یہ اور بات ہے کہ اس میں بھی ہر ایک کا سٹائل علیحدہ تھا-

س: ان دنوں معظم کا لائف سٹائل کیا تھا؟

ج: سیکٹر ہیڈکوارٹرز میں ان دنوں کل پانچ افسر تھے' معظم' میں اور تین اور- عموماً" ہم لوگ کارڈز کھیلتے تھے- چونکہ مجھے کارڈز کی گیم کوئی خاص نہیں آتی اس لئے میں عموماً" معظم کے ساتھ چپکا رہتا تھا- معظم کی اپنی دنیا تھی- ٹیپو ہاؤس کا ماٹو "ڈیوٹی فرسٹ" معظم نے گلے کا تعویز بنایا تھا- وہ رات کو اگلو کی دھیمی روشنی میں کوئی نہ کوئی کتاب پڑھتا رہتا تھا- ان دنوں اس نے مجھے ایک کتاب "قرآن' بائبل اور سائنس" پڑھنے کو دی تھی- پھر اس پر Discussion بھی ہوا- Serious Discussions اکثر ہوئے- ایک دن

ملٹری کالج کی "مجلس ذکر" کا ذکر آ گیا۔ پھر تصوف پر بحث بلکہ باتیں ہونے لگیں۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ اس نے اس عمر میں تصوف پر خاصا کچھ پڑھ رکھا تھا۔

س: ماشاء اللہ !

ج: سر' کیا بتاؤں' معظم کتنا عظیم تھا۔ سیکٹر ہیڈکوارٹرز میں ایک اگلو بیٹری کمانڈر کا تھا دوسرا سیکٹر کمانڈر کا۔ میں بیٹری کمانڈر کے اگلو میں پڑا ہوا تھا جب کہ معظم کمانڈر کے اگلو میں قیام پذیر تھا۔ رات کو ہم عموماً" سیکٹر کمانڈر کے اگلو میں جاتے تھے۔ وہیں کارڈز کی محفلیں جمتی تھیں۔ کھانے کا اہتمام بھی وہیں ہوتا تھا۔ بندے بندے کا فرق اس سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی اپنے وقت سے کیا کام لیتا ہے۔ اس آٹھ دن کے قیام میں' میں نے ایک خاص بات یہ نوٹ کی کہ وہ رات کو اگلی پوسٹوں کے دوست احباب اور یونٹ کے ساتھیوں کو یاد ضرور کرتا تھا۔ یوں ہی ہیلو ہیلو۔ تاکہ ان کا مورال اونچا رہے کہ کوئی ہماری Care کرتا ہے۔ اس کا یہ عمل کسی کتابی فارمولے کی پابندی نہیں تھا۔ یہ بہت Genuine تھا۔

معظم اتنا شفاف انسان تھا۔ اس کی ہر حرکت پر Response کی صداقت صاف نظر آجاتی تھی۔ اس کی Sincerity خوشبو کی طرح دل میں اتر جاتی تھی۔ معظم نہ صرف سیاچن کی یونٹوں کی پوسٹوں کے دوستوں کا خیال رکھتا بلکہ اس کے دوست پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایک دن خلاف معمول وہ صبح سویرے سویرے میرے اگلو میں آیا' کہنے لگا۔

"یار! کوئی رائٹنگ پیڈ ہے؟"

"I have misplaced mine."

میں نے پوچھا "اس وقت کیا کام آ پڑا؟"

معلوم ہوا کہ اس کے پی ایم اے کے پلاٹون میٹ (کیپٹن) کاشف کے

والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کو تعزیت کا خط لکھنا تھا۔ اس طرح اس نے پی ا ۔ ر اے کے بے شمار دوستوں اور ساتھیوں سے رابطہ کیا ہوا تھا۔ پھر آٹھویں دن موسم بہتر ہوا اور تابش کی پارٹی چلی تو وہ بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔

یہ ہماری آخری روبرو ملاقات تھی۔ تین دن بعد میں بھی سرور پوسٹ پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے فون کیا۔

"ہیلو ہیلو معظم! کیسے ہو' میں سرور پوسٹ سے بول رہا ہوں۔"

اس وقت اس کی حس مذاح پھڑکی۔

"تو پھر تابش پوسٹ آنے سے ڈر گئے؟"

"سر'ڈرنا کیا؟ موت کو جہاں آنا ہے 'ضرور آئے گی۔" مجھے معلوم تھا معظم مذاق کر رہا تھا۔

سرور پوسٹ پر آئے ہوئے آٹھ دن ہی گزرے تھے کہ دشمن نے اچانک دن کے وقت گولہ باری شروع کردی جو رات تک جاری رہی۔ جب کچھ وقفہ ہوا تو میں نے اسے فون کیا۔ کہنے لگا "کچھ طبیعت ٹھیک نہیں۔" ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ دشمن کا ایک راکٹ اس کی پوسٹ کے قریب آکر گرا۔ کہنے لگا۔

"ذرا ٹھہرو' دشمن نے پھر راکٹ مارنے شروع کردیئے ہیں۔
ذرا سیکٹر ہیڈکوارٹرز کو رپورٹ دیدوں۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔ یہ ہماری آخری گفتگو تھی۔ پھر سنی تو انہونی سنی۔

(انا للہ و انا الیہ راجعون)

ایک مختلف اور منفرد افسر

کیپٹن خالد

س: خالد! آپ نے بات ہی معظم کے دوسروں سے مختلف اور منفرد ہونے سے شروع کی۔وضاحت کیجئے کہ معظم کو آپ نے کس اعتبار سے مختلف اور منفرد پایا۔

ج: قریب سے دیکھنے اور برتنے سے بڑے بڑے Impressive لوگوں کے چھلکے اتر جاتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو قریب سے اور بار بار دیکھنے سے ان کی عزت بڑھتی ہے' Respect بڑھتی ہے۔ ہر بار ان کی کوئی نہ کوئی خوبی سامنے آتی ہے۔

س: معظم سے آپ کا رابطہ کہاں کہاں رہا؟

ج: سب سے پہلے ملٹری کالج میں' پھر پی ایم اے میں اور پھر جے او ایل کورس میں۔

س: پھر آپ نے کیسا پایا؟

ج: پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے ہم عمروں میں میں نے اسے سب سے زیادہ مذہبی پایا۔ بلکہ اسے دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوا کہ مذہب کسی کے دل میں اتر

جائے تو وہ کیسا ہوتا ہے۔ اس نے کسی کا دل نہیں دکھایا۔
بہت Duty Conscious تھا۔

س: مثلاً"؟

ج: جب اس کی یونٹ لاہور میں تھی تو میں اس سے ملنے گیا۔ اتفاق سے اس دن یونٹ کے آفیسرز کرکٹ کھیل رہے تھے۔ میں بھی گراؤنڈ کی طرف جا نکلا۔ وہاں جا کے معلوم ہوا، معظم Small Arms کی Range پر جوانوں کو پریکٹس کرا رہا ہے۔ انہی دنوں اس کی یونٹ کو سیاچن جانا تھا۔ وہ وہاں جانے کے خیال سے بہت خوش تھا۔ بلکہ وہ ایڈوانس پارٹی میں جانا چاہتا تھا۔ اور غالباً" گیا بھی۔ یہ اس کا شوق تھا۔

"یہاں نہیں' یہ ڈیوٹی کا معاملہ ہے"

کیپٹن آفتاب رمیض

(۱۴ اے کے' رجمنٹ)

س: رمیض! آپ کا معظم سے رشتہ؟

ج: ملٹری کالج کا رشتہ تھا۔ میں معظم کا کلاس فیلو تھا۔ ہاؤس بھی ایک ہی تھا۔ سیکنڈ ائیر میں وہ اپنے ٹیپو ہاؤس کا میس سیکرٹری بنا تو ہمیں تعجب ہوا کہ وہ Shy بھی تھا ---- یا ایسا نظر آتا تھا ------ اور نرم خو بھی۔ یہ دونوں میس سیکرٹری کے لئے Negative Qualities سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے اندر جو Grit تھا' جو سنگ خارا تھا' وہ میس سیکرٹری ہونے کے بعد آہستہ آہستہ نمایاں ہونے لگا تھا۔ مزاج تو اس کا Soft ہی رہا۔ لیکن جہاں ضرورت ہوتی' وہ Firm رہتا۔ میس سیکرٹری کا Appointment ایسا ہے جہاں دوستوں کو نوازنے کے مواقع بہت ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ بہت Straight تھا کہ وہ دوستوں کو صاف انکار کرتا تھا۔

ایک دن بڑا کافر موسم تھا۔ چائے کا موڈ ہوا۔ لیکن ظالم ٹس سے مس

نہ ہوا۔ ہم نے ضد کی تو کہنے لگا۔

"کینٹین میں فرسٹ کلاس چائے پیو' بل میرا۔۔۔

لیکن یہاں نہیں۔

یہ ڈیوٹی کا معاملہ ہے۔"

کالج میں اتنے Competitions ہوتے رہتے ہیں کہ دوستوں کو ایک دوسرے کے مد مقابل آنا پڑتا ہے۔ لیکن معظم نے کبھی Jealousy کا مظاہرہ نہیں کیا' Subtle انداز میں بھی نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض دوست سامنے تو بڑے دعوے کرتے ہیں۔ لیکن جب واقعی ہار جائیں تو رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ معظم اس لحاظ سے منفرد تھا کہ اس نے کبھی حسد کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میس سیکرٹری بن کر اس کے اندر بڑا Confidence آگیا تھا جس سے بہتوں کو حوصلہ ہوا کہ انسان کوشش کرے تو کیا نہیں کرسکتا۔

س: معظم پڑھائی میں کیسا تھا؟

ج: معظم کا Maths خاص طور پر اچھا تھا۔ Maths کے لاجواب استاد طارق صاحب کا بڑا Pet سٹوڈنٹ تھا۔ کچھ مماثلت دونوں کی سوچ میں بھی تھی۔ طارق صاحب پر مذہب کا رنگ گہرا ہے۔ معظم کی طبیعت کا رخ بھی اسی طرف تھا۔

س: کالج میں لڑکوں کے "نک نیم" بھی ہوتے ہیں۔

ج: شروع میں ہم نے اس کے ساتھ ایک آدھ نک نیم چپکانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اتنا Mature تھا کہ وہ چلا نہیں۔

س: کالج کے بعد پھر کہیں ساتھ ہوا؟

ج: کالج کے بعد اس کی یاد انفنٹری سکول' کوئٹہ کی ہے۔ وہاں ایک خاص بات یہ رہی کہ وہ سنٹرل کلاس میں Speech کرنے سے نہیں گھبراتا تھا۔ اس کا Confidence بڑھتا ہی گیا۔

وہ ایک عرصہ سے حالت شہادت میں تھا

ایک مرشد استاد' طارق محمود چوہدری کا موقف

س: طارق صاحب! آپ کا پورا نام تو طارق محمود چوہدری ہے۔ آپ کب سے ملٹری کالج میں استاد ہیں۔

ج: میں نے ۱۹۷۳ء میں Maths کے استاد کی حیثیت سے کالج جوائن کیا تھا۔

س: آپ معظم کے ہاؤس ماسٹر تو نہیں رہے۔

ج: نہیں! میں نے فرسٹ ائیر اور سیکنڈ ائیر میں اسے Maths پڑھایا۔

س: اس مضمون میں معظم کی کارکردگی کیسی تھی؟

ج: Maths کے لئے اس کے اندر Aptitude تھا۔ وہ چاہتا تو ریاضی دان بن سکتا تھا۔

س: کلاس میں آپ کے ساتھ کیا Interaction ہوتا تھا؟

ج: ذہین لڑکوں کی عام طور پر Tendency استاد کو Corner کرنے کی ہوتی ہے یا اپنے آپ کو موقع بے موقع Project کرنے کی۔ معظم اپنی بڑی بڑی روشن آنکھیں جمائے غور سے سنتا رہتا تھا۔ معظم کے چہرے بلکہ پوری

شخصیت میں اس کی روشن اور شفاف آنکھیں بہت نمایاں' بہت Conspicious تھیں۔

لیکن معظم سے میرا رابطہ اور خصوصی تعلق حساب کے مضمون کے حوالے سے نہیں' کسی اور حوالے سے تھا۔

س: وہ کون سا حوالہ تھا؟

ج: ۱۹۸۸-۹۰ء کے عرصے میں یہاں کالج میں ذکر و فکر کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا تھا۔ اسلامیات کے استاد میجر قادری اس سلسلہ کے سرخیل تھے۔

س: اس کی کیا صورت تھی؟

ج: عموماً" عشاء کی نماز کے بعد فرسٹ ائیر' سیکنڈ ائیر کے طلباء مسجد میں کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاتے تھے' وہاں ذکر ہوتا تھا۔ آخر میں دعا ہوتی تھی۔ اس گروپ میں معظم ذوق و شوق سے شریک ہوتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ معظم کا قلبی تعلق میجر قادری سے زیادہ تھا۔

س: وہ کس وجہ سے؟

ج: اپنی اپنی طبیعت کے رجحان کی بات ہے۔ کون کس سلسلہ سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے۔ میرا رجحان سلسلہ قادریہ کی طرف ہے۔ میجر قادری کا رجحان نقشبندی سلسلہ کی طرف تھا۔ معظم کا رجحان بھی اسی طرف تھا۔ دوسرے یہ کہ چونکہ وہ اسلامیات کے استاد تھے اور اس کے ہاؤس سٹاف میں بھی۔ غالباً" اس وجہ سے بھی معظم میجر قادری سے زیادہ رسم و راہ رکھتا تھا۔ اس میں غالباً" میجر قادری کی موثر شخصیت کا دخل بھی ہوگا۔ بہر حال اس کا رابطہ اس خاکسار سے بھی تادم آخر رہا۔ سیاچن اور دوسری جگہوں سے اس کے خطوط بھی آتے رہے۔

س: آپ کے پاس معظم کا کوئی خط محفوظ ہے؟

ج: نہیں! معظم کی شہادت کے بعد اس کے خطوط کی اہمیت کا احساس ہوا۔

س: خطوط کا عمومی مضمون کیا ہوتا تھا؟

ج: اپنے حال احوال کے بعد وہ اپنی پوسٹ کی کارروائیوں کی دو چار باتیں لکھتا اور آخر میں اس کا Pet فقرہ!

"سر' دعا کریں' شہادت نصیب ہو۔ موقع نکلا جا رہا ہے۔"

س: پھر رو برو ملاقات بھی ہوئی؟

ج: ہوئی' ضرور ہوئی' کئی بار۔ آخری بار غالباً" جنوری ۱۹۹۵ء میں جب سیاچن سے چھٹی پر آیا تو حسب دستور شیرشاہ ہاؤس میں میرے گھر آیا۔ میں نے پوچھا۔ "سناؤ کیا خبر ہے؟"

کہنے لگا۔ "دو خوابوں کی تعبیر پوچھنے آیا ہوں۔"

پھر اس نے دو خواب سنائے۔

س: کیا؟

ج: ایک تو سیاچن کے پس منظر میں تھا۔ کہنے لگا۔

"میں نے دیکھا کہ سفید پہاڑوں سے خون کے رنگ کا سیلاب آ رہا ہے۔ اسے دیکھ کر بھگدڑ مچ گئی۔ خوف سے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ پھر وہ خوں رنگ لاوا ہمارے خیموں سے گزر کر نیچے بہہ گیا۔"

س: دوسرا خواب کیا تھا؟

ج: معظم نے بتایا'

"میں نے دیکھا کہ میری بہاولپور پوسٹنگ ہو گئی ہے۔ وہاں ایک Hurdle Race سی ہو رہی ہے۔ تین رسیاں بندھی ہیں۔ میں نے دو رسیاں تو پار کر لی ہیں۔ لیکن تیسری رسی مجھ سے پار نہیں ہو رہی۔"

س: پھر آپ نے کیا تعبیر بتائی؟

ج: پہلے خواب کا اشارہ تو واضح ہے کوئی ابتلاء آنی ہے۔ اور اسے بغیر کوئی نقصان پہنچائے گزر جانا ہے۔ دوسرے کا اشارہ بھی اتنا پیچیدہ نہیں۔ لیکن میں نے اپنے اندیشے کا اظہار نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا' ہر آزمائش کا سدباب صدقہ سے ہوتا ہے۔ کچھ صدقہ دیدینا۔

جب مئی ۱۹۹۵ء میں معظم کی شہادت کی خبر آئی تو نہ جانے کیوں مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ وہ ایک عرصے سے حالت شہادت میں تھا۔

کالج کی تاریخ میں
"ٹاپ ٹین" میں سے ایک!

ہاؤس ماسٹر، میجر سبطین عباس

س: عباس صاحب! پہلے تو آپ کا تعارف!

ج: میرا نام میجر سبطین عباس ہے۔ میں ۹۰-۱۹۸۸ء کے عرصہ میں ملٹری کالج، جہلم میں معظم کا ہاؤس ماسٹر رہا ہوں۔ شہید کے حوالے سے اب میرے لئے یہ ایک فخر کی بات ہے۔

س: آپ معظم کے ہاؤس ماسٹر رہے ہیں۔ اس حیثیت سے آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

ج: راشد صاحب! آپ خود ہاؤس ماسٹر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہاؤس کے مختلف Appointments کن Characteristics کو دیکھ کر دیئے جاتے ہیں۔

س: معظم کو آپ نے میس سیکرٹری کیوں Select کیا؟

ج: یہ Appointment ایسا ہے جس میں Integrity بہت Count

کرتی ہے۔ ایک لحاظ سے میس سیکرٹری کا کام ہاؤس پریفکٹ سے بھی زیادہ Morel Courage چاہتا ہے۔ میں صرف Administrative Skill کی بات نہیں کر رہا۔ اس کا میں جس قسم کی لیڈر شپ درکار ہوتی ہے وہ بہت Demanding ہوتی ہے۔

س: کس اعتبار سے؟

ج: دیکھیئے' کھانے پینے کے معاملے میں Adolesccents کو کنٹرول کرنا بہت مشکل مرحلہ ہے۔ سب سے پہلے خود اپنے آپ کو Discipline کرنا پڑتا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ پبلک سکولوں میں Entry Spirit کیا گل کھلاتی ہے۔ کس طرح اپنی انٹری کے لڑکوں کو Shield کیا جاتا ہے' کس طرح ان کی جائز و ناجائز حرکتوں کو Entry کے نام پر Cover کیا جاتا ہے۔ معظم نے اپنی انٹری کو بھی کبھی کور نہیں کیا' کبھی Undeserved مراعات نہیں دیں۔ اور اپنے دوستوں کو ناجائز طور پر Extra Sweet Dishes سے نہیں نوازا۔

س: بہت بڑی بات ہے۔

ج: معظم کی دیانت داری Uncompromising تھی۔ معظم کی اسی خصوصیت کو میں Highlight کرنا چاہتا ہوں۔ وہ میس سیکرٹری شپ کو بہت Seriously لیتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر کالج کی پوری تاریخ کے دس بہت ہی Effective میس سیکرٹریوں کا انتخاب کیا جائے تو اس میں ایک نام معظم کا بھی ہوگا۔ میں نے سنا کہ معظم میس کے ویٹر اور کک کی پس پردہ کچھ مدد بھی کرتا رہتا تھا۔ لیکن اس کی تفصیلات کا مجھے علم نہیں۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اپنی پہلی تنخواہ سے سو روپے' میرے لئے!

میس ویٹر' بشیر کے انکشافات

س: آپ کب سے میس میں کام کر رہے ہیں؟

ج: ایک عرصہ ہوگیا۔ سترہ برس ہونے کو آئے۔

س: میس میں یعنی ٹیپو اور اورنگزیب ہاؤس میں کام کرتے ہوئے کتنے برس ہو گئے ہیں؟

ج: دس بارہ سال تو ہو گئے ہوں گے۔

س: ۹۰-۱۹۸۹ء میں ٹیپو ہاؤس کا سیکرٹری معظم یاد ہے؟

ج: وہی کپتان صاحب جو سیاچن میں شہید ہوئے۔

س: جی ہاں' وہی!

ج: معظم صاحب کو بھلا کون بھول سکتا ہے۔ ایسا بندہ کوئی کوئی ہوتا ہے۔

س: ایسی کیا خاص بات تھی؟

ج: سر' آپ بھی ٹیپو ہاؤس کے ماسٹر رہے ہیں۔ آپ سے زیادہ کون جانتا ہو گا کہ Senior لڑکوں کا رویہ ہمارے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔

س: کیسا ہوتا ہے؟

ج: بیشتر Senior لڑکے اپنے آپ کو افسر سمجھتے ہیں- اور اکثر اس طرح میس میں آتے ہیں جیسے ہم کوئی کم تر مخلوق ہوں- لیکن معظم صاحب کی بات ہی کچھ اور تھی- وہ ایسا نہیں سمجھتے تھے اور کبھی "اوئے" کہہ کر یا نام لے کر نہیں پکارتے تھے- عزت دیتے تھے-

س: آپس کی بات ہے' اکثر میس سیکرٹری اپنے لئے سپیشل کھانا رکھواتے ہیں- سویٹ ڈش بچا کر بعد میں اپنے دوستوں کے ساتھ مزے لے کر اڑاتے ہیں- معظم نے کبھی ایسا کیا؟

ج: سر' توبہ توبہ' معظم صاحب اور ایسا کرتے؟ انہوں نے کبھی ہیرا پھیری نہیں کی- اگر کمی پڑتی تو خود سہتے- مجھے ٹپ کرتے رہتے تھے' اپنی خوشی سے' بہانے بہانے سے-

کالج سے ہزاروں کیڈٹ پڑھ کر نکلے ہیں اور کمشن ہوئے ہیں- کبھی کسی نے ایسا کیا ہے کہ کمشن کے بعد اپنی پہلی تنخواہ سے کسی غریب ویٹر کو یاد رکھا ہو؟ معظم صاحب ایسے تھے- انہوں نے اپنی پہلی تنخواہ سے سو روپے اپنے بھائی ہارون کے ہاتھ میرے لئے بھیجے' لفافے میں بند- تاکہ بھائی کو بھی خبر نہ ہو- ایسا بندہ کوئی اور ہے؟

Shahadat of Capt Moazzam Ali is definitely the fruition of a noble sentiment that he had been nurturing for a long time. A tree is known by the fruit it bears and your training and grooming must have played the major role in his development for which you deserve the fullest of compliments."

Yours Sincerely
(Signed)

Col Syed Ishfaq Ali
Dept of English
PMA, Kakul
31 Dec 95

پاکستان ملٹری اکیڈمی' کاکول میں

- شہادت کی خبر سن کر تعجب نہیں ہوا!
- ایک ہی چہرہ' حقیقی چہرہ!
- ہر جگہ یکساں "گریڈنگ"!
- جیسے اہم ترین'
  جیسے پاکستان کو میری ہی ضرورت ہو!
- فرشتہ سے بہتر ہے انسان ہونا!
- ایک لمحہ سوچے بغیر......!

شہادت کی خبر سن کر تعجب نہیں ہوا!

کیپٹن سید عمر شہاب

(۲۳ فیلڈ رجمنٹ' آرٹلری)

س: آپ کا رابطہ شہید سے کب اور کہاں ہوا؟ اور اس کی نوعیت کیا تھی؟

ج: زندگی کے سفر میں بے شمار لوگوں سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ ہر ایک کا ایک تاثر ہوتا ہے' ایک Image ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی یاد دل میں رہ جائے۔ جس کے لئے دل میں ایک Admiration ہو۔

کیپٹن معظم سے میری یاداللہ پی ایم اے میں شروع ہوئی' وہ بھی دور دور سے۔

س: وہ کیوں؟

ج: وہ اس طرح کہ میں غزنوی کمپنی میں تھا اور معظم اورنگزیب کمپنی میں۔ آتے جاتے علیک سلیک ہوتی رہتی' لیکن اس علیک سلیک' اس ہیلو میں بھی ایک انفرادیت تھی۔ اکیڈمی میں بے شمار Cadets سے سلام و کلام ہوتا

رہتا ہے' ایک Routine کے انداز میں' بغیر کسی Feeling کے' ایک سوشل Ritual کے طور پر۔ لیکن معظم سے آتے جاتے "السلام علیکم اور وعلیکم السلام" کا جو تبادلہ' ہوتا مجھے اچھا لگتا.....It was a pleasure..... اس میں نامعلوم سی کشش تھی۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ فائنل ٹرم میں جب میں سارجنٹ پروموٹ ہوا تو مجھے اورنگزیب کمپنی میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سب سے پہلے جس نے مبارک باد دی اور سارجنٹی کا فیتہ پیش کیا' وہ معظم تھا۔ معظم کا خلوص Transparent تھا' اتنا شفاف کہ اس کے آر پار آپ دیکھ سکتے تھے۔

میں سمجھتا تھا کہ وہ صرف میرا Best Friend ہے۔ لیکن اسی طرح دوسرے بھی اسے اپنا بہترین دوست سمجھتے تھے۔ PMA Cadets ایک دوسرے کو اتنی مختلف Situations میں' اتنے قریب سے دیکھتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی ملمع کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی کیڈٹ کسی Superior کو Hoodwink کر دینے میں کبھی کامیاب ہو جائے۔ لیکن Cadets ایک دوسرے کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہوتے ہیں۔ معظم اتنا عظیم تھا کہ

He was not only loved

he was also respected.

جس طرح میں نے پہلے کہا' معظم کی عزت کی جاتی تھی' اس سے محبت کی جاتی تھی' اس کی دوستی پر فخر کیا جاتا تھا۔ اس وقت سب کا خیال تھا کہ اسے کچھ نہ کچھ بننا ہے' کچھ نہ کچھ ہونا ہے۔

جب مجھے اس کی شہادت کی خبر ملی تو نہ جانے کیوں تعجب نہیں ہوا۔ چونکہ شہادت اس کی اس وقت بھی Aspiration تھی۔ جب اس کی شہادت کی خبر یہاں کوئٹہ میں عام ہوئی تو ان ہی دنوں میری ملاقات معظم کے پلاٹون

کمانڈر میجر ریحان اور ٹرم کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل شکیل سے بھی ہوئی۔ Naturally سب سے پہلے ذکر معظم کی شہادت کا آیا۔ دونوں یک زبان ہو کر کہنے لگے۔

"ہمارے لئے فخر کا مقام ہے کہ ایسا شخص ہمارے زیر تربیت رہا۔"

ایک ہی چہرہ، حقیقی چہرہ!

کیپٹن احمد خان ملک

(۲۶ کیولری)

س: کیپٹن احمد! اپنا تعارف کرائیے۔

ج: احمد خان میرا نام ہے، ۲۶ کیولری میں کیپٹن ہوں۔

س: معظم علی شہید کو آپ کیسے جانتے ہیں؟

ج: عجب مانوس اجنبی تھا، مجھے تو حیران کر گیا وہ!

س: کہاں؟ کیسے؟

ج: ہماری رسم و راہ پی ایم اے سے شروع ہوئی۔ اول اول ہماری پلاٹونیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ ایک دوسرے کے صورت شناس تھے، ملاقات نہیں تھی۔ لیکن اس کا First Impression خوشگوار تھا۔ قریب آنے کو دل چاہتا تھا۔ پی ایم اے کی Hectic life میں اس طرح کی ملاقاتوں کی گنجائش کہاں۔ بہر حال، میرا تبادلہ اس کی اورنگزیب پلاٹون میں ہوا تو میں نے معظم کو قریب سے دیکھا اور جتنا زیادہ دیکھا اتنا زیادہ اچھا پایا۔

س: معظم کی امتیازی خصوصیت کیا تھی؟

ج: سر' آپ کو کچھ پی ایم اے کی لائف کا اندازہ ہے؟

س: بالکل ہے' ملٹری کالج میں عرصہ دراز تک Serve کرنے کی وجہ سے!

ج: تو سر! آپ جانتے ہوں گے کہ وہاں کیڈٹس کو کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اور ایک قدم آگے بڑھانے کے لئے کتنے سخت مقابلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پی ایم اے میں انسان کے سارے چھلکے اتر جاتے ہیں' خصوصاً" Platoon Mates ایک دوسرے کو اتنا Intimately جانتے ہیں جتنا بھائی ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔

س: معظم کو آپ نے کیسا پایا؟

ج: پہلی بات تو یہ کہ معظم میں چھلکے نہیں تھے۔ اس کا ایک ہی چہرہ تھا' اس کا اپنا Genuine چہرہ۔ "ایک چہرے پہ کئی چہرے" سجانے کا فن اسے نہیں آتا تھا۔

معظم بہت Genuine' خالص سونا' بیباک' پرخلوص اور Straight Forward تھا۔ پی ایم اے ایسے ادارے میں کسی کا Continuously بے باک' Straight Forward اور Candid رہنا آسان بات نہیں۔ لیکن معظم کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ اس نے جو Appointments لئے وہ کسی قسم کی Juggelry کا نتیجہ نہ تھے۔ اس کے اپنے زور بازو کا نتیجہ تھے۔

اس کو دیکھ اقبال کا شعر یاد آتا تھا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ہر جگہ یکساں "گریڈنگ"!

کیپٹن کاشف

س: کاشف! آپ معظم کو کس حوالے سے جانتے ہیں؟

ج: میں JCB سے پی ایم اے گیا تھا۔ وہ ڈائریکٹ انٹری تھا' ملٹری کالج سے۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ انٹری میں بھی تھوڑی سی Rivalry ہوتی ہے۔ معظم میرا پلاٹون میٹ تھا اور ہم دونوں میں بڑی Understanding تھی۔ اس کی بڑی خوبی یہی تھی کہ ہر قسم کی PreJudices اور Rivalries سے بلند تھا۔ میں ملٹری کالج کا نہیں تھا' جے سی بی سے تھا۔ لیکن اس کی مجھ سے دوستی پہلے دن سے شروع ہوئی اور آخر دم تک رہی۔ ۱۷ مئی کو جس دن اس کی شہادت کی خبر ملی۔ اسی دن اس کا آخری خط ملا۔

س: پی ایم اے کی کوئی خاص یاد؟

ج: وہ صحیح قسم کا سولجر تھا۔ ......Hard core soldier

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض کی گریڈنگ باہر اچھی ہوتی ہے لیکن دوستوں

کر چلتا کر سکتے تھے۔ لیکن جناب معظم ایسی غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے' انہوں نے اس کام کو یوں سمجھا کہ جیسے یہ بھی جنگ کا کوئی محاذ ہے' جس کی جانب پوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اتنی تفصیل سے اونچ نیچ سمجھائی' دس پندرہ موٹے موٹے اصول "Dos اور Don'ts" سمجھائے اور پھر لکھوائے جو بعد میں میرے کام بھی بہت آئے۔ اب پی ایم اے میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر میں کسی اور سے بریفنگ لیتا یا اگر اب خود کسی کو بریفنگ کروں تو کم و بیش یہی باتیں بتائی جائیں گی کہ Dodge نہیں کرنا ہے۔ سیدھا رہنا ہے۔ Moral Courage سے کام لینا ہے۔ کسی کو Hoodwink نہیں کرنا ہے۔ کنٹین کا بل بروقت ادا کرنا ہے۔ Borrowing اور Lending سے پرہیز کرنا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

فرق یہ تھا کہ سر معظم نے جو کچھ بتایا اتنی دل سوزی سے بتایا' اتنے خلوص سے بتایا' اتنا Involve ہو کر سمجھایا جیسے میں دنیا کا اہم ترین انسان ہوں اور پاکستان کو میری ضرورت ہے۔ سر معظم نے جو اہمیت مجھے اور میرے کام کو دی اسے میں بھلا نہیں سکتا۔ ان کا ایک جملہ مجھے ابھی تک یاد ہے۔

> "آدمی ایک ہی ہوتا ہے۔ خواہ وہ یونٹ میں ہو' گھر میں ہو' دوستوں میں ہو' میس میں ہو۔ جگہیں بدلتی رہتی ہیں' آدمی نہیں بدلتا۔"

اس لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو' اپنے Self کو' اپنے Self Image کو سیٹ کرنا چاہیے۔ کمپنی زندگی کا ایک دور ہے' ایک ضرورت ہے' ایک اعزاز ہے۔ سب سے بڑی چیز زندگی ہے۔ اچھا انسان ہی اچھا افسر بن سکتا ہے۔

زندگی آزمائش بھی ہے انعام بھی۔

پھر' سر معظم نے مجھے آپ کی Learning to lead پڑھنے کو دی اور اس میں چند Chapters پر نشان لگوائے۔

اس وقت سے اب تک اور یہاں آکر بے شمار لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ بڑے بڑے افسروں کو قریب سے اور دور سے دیکھا ہے لیکن جو جادو سر معظم کی شخصیت میں تھا' اس کی مثال نہیں ملتی۔

کسی نے بتایا کہ شہید ستارے بن کر آسمان پر جگمگاتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں' اکثر' میں چمکتے تاروں کو غور سے دیکھتا ہوں لیکن کوئی ستارہ اتنا روشن' اتنا چمکدار' اتنا تابناک نظر نہیں آتا کہ اسے معظم سمجھوں۔

سر معظم سے میری ملاقات وقت کے حوالے سے مختصر' بہت مختصر تھی۔ لیکن اس نے مجھے زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ میں تمام زندگی روشنی کی اس لکیر کے ساتھ سفر کرتا رہوں گا جو سر معظم کی شخصیت کی صورت' مجھے ملی۔

ابا نے ایک بار کہا تھا۔ سگریٹ پر بات ختم نہیں ہوتی'
شروع ہوتی ہے۔ ہر عادت کے پیچھے ایک رویہ ہوتا ہے'
ایک Approach ہوتی ہے۔"

جب وہ تھرڈ ٹرم میں آیا تو اس کی پروموشن ہو گئی۔ وہ پروموشن سے بہت خوش تھا۔ اس لئے نہیں کہ اس کی "ٹور" میں' شان میں' اضافہ ہوگا۔ بلکہ اس لئے کہ اس ذمہ داری سے اسے زیادہ سیکھنے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس ذمہ داری سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

جو لوگ Prize or promotion oriented ہوتے ہیں' وہ عموماً Prize کے بعد' Promotion کے بعد' Relaxed ہو جاتے ہیں۔ معظم Performance Oriented تھا۔

خوب سے خوب تر کی جستجو' Quality Quest اس کا لائف سٹائل بن گیا تھا۔

س: پی ایم اے کے دور کی کوئی اور یاد؟

ج: جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا' پی ایم اے کی آوٹ ڈور ایکسرسائزز بہت Demanding ہوتی ہیں ے۔ بڑے بڑے' تیس مار خانوں کے چھکے چھڑا دیتی ہیں۔ ایکسرسائز "یرموک" وغیرہ سے آتے ہی بڑے بڑے شیر بستروں پر دراز نظر آتے ہیں۔ اور پھر گھنٹوں نہیں اٹھتے۔ لیکن ببر شیر معظم ایسی ایسی اعصاب شکن ایکسرسائزز کے بعد بھی تر و تازہ نظر آتا تھا۔

س: جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر!

ج: راہ کو پرخار دیکھ کر وہ خوش ہوتا تھا۔ یہ اس کا کردار تھا۔ چنانچہ آوٹ ڈور کے بعد معظم کو بلا استثناء نماز پڑھ کر' دوسرے ضروری کام کر کے سوتا تھا۔

س: پی ایم اے کی ٹریننگ میں بعض بہت مشکل لمحات آتے ہیں۔ Ragging وغیرہ بھی کافی ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر معظم کا Response کیا

ہوتا تھا؟

ج: آپ کو بھی اندر کی باتوں کی خبر ہے۔ ریگنگ تو پی ایم اے کلچر کا ایک حصہ ہے۔ اس سے کسے مفر ہے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ہم دونوں ایک Lapse میں دھر لئے گئے۔ جاڑوں کے دن تھے۔ رات بھر Punishment جاری رہی۔ اسے تو ہم نے برداشت کر لیا۔ پھر خیال آیا' کہیں ایسا نہ ہو کہ سینئر رپورٹ کردیں اور بات آگے بڑھ جائے۔ شاید پی ایم اے سے پتہ ہی کٹ جائے۔ یہ خیال آتے ہی میرے تو پسینے چھوٹ گئے۔

معظم کو بھی پہلی بار میں نے Seriously Concerned بلکہ Worried دیکھا۔ کہنے لگا۔

"مجھے کمشن جانے کا اتنا افسوس نہ ہوگا' جتنا اپنے
والدین کو' خاص طور پر دادا ابا کو Disappoint کرنے کا۔
How will they take it?
یہ تصور میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔"

س: سینئر واقعی سینئر تھا۔ اس نے ایک سزا کے بعد دوسری سزا دلوانا مناسب نہیں سمجھا۔ میرا خیال ہے کہ سینئر ہونا جونیئر ہونے سے زیادہ مشکل کام ہے۔

س: ہر پوزیشن کی اپنی آزمائشیں ہوتی ہیں۔

ج: میرا شیر معظم ہر آزمائش میں پورا اترا۔ نومبر ۱۹۹۲ء میں معظم کا خط ملا کہ اسے ۳۵ پنجاب ملی ہے۔ بہت خوش تھا کہ یونٹ کے پاس اتنے ستارۂ جرات' اتنے تمغے' اتنے شہید ہیں۔

ایک خط میں اس نے ذکر کیا کہ Weapon Course میں اسے دوسری پوزیشن ملی ہے۔ میں نے جواباً مبارکباد کا خط لکھا۔ فوراً جواب دیا۔

"یہ پوزیشن کورس میں ملی ہے۔ مزہ تو جب ہے

میدان جنگ میں کوئی پوزیشن ملے- Courses کے شیر تو
بہت ہوتے ہیں- بات تو جب ہے کسی کی دھاڑ توپوں کی
گھن گرج میں بھی سنائی دے-"

اس کی یونٹ سیاچن Move کرنے والی تھی- ان دنوں میں لاہور میں اسے ملا- بہت Excited تھا' کہنے لگا-

"میں ایڈوانس پارٹی میں جا رہا ہوں-"

پی ایم اے سے جانے کے بعد' سیاچن میں اس کی شہادت تک میری اس سے خط و کتابت رہی-

وہ خط کے آخر میں "خدا حافظ" کی بجائے " اللہ حافظ" لکھا کرتا تھا- یہ صرف ایک لفظ کی Choice نہیں تھی- اس کے پیچھے اس کی پوری ذہنی و فکری زندگی تھی-

ایک واقعہ یاد آیا- میری پہلی پوسٹنگ چونیاں ہوئی- مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ چونیاں کیا ہے' کہاں ہے- میں نے معظم کو اپنی پریشانی کے بارے میں لکھا تو اس کا فوراً" جواب آیا-

"یار! فکر نہ کرو- چونیاں لاہور سے بہت قریب
ہے- بس اس کی Suberbs میں سمجھو- میری خالہ وہاں
رہتی ہیں- وہ تمہیں Look After کریں گی- میں خود
آتا رہوں گا-"

وہ اتنا Caring and sharing تھا کہ کیا بتاؤں- سوچ کر دل بھر آتا ہے' آنکھیں بھر آتی ہیں- بعض لوگ خدا کی خدائی میں کتنے عظیم ہوتے ہیں-

س: یہ خدا کا نظام ربوبیت ہے کہ زندگی بھر ماں کے رول میں کوئی نہ کوئی ساتھ رہتا ہے-

فبای آلاء ربکما تکذبان○

"پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

ج: سر' آپ نے بہت گہری بات کہی۔ معظم ہمارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا۔ وہ ایک رول پلے کرنے آیا تھا' سو کر گیا۔ ۱۹۹۵ء کے اوائل میں جب وہ بہن کی شادی میں شرکت کے لئے جہلم آیا تھا تو مجھ سے کہنے لگا۔

"میں پھر Advance Post پر جانے کے لئے
Voluntier کر رہا ہوں۔ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے
موقعے بار بار کہاں ہاتھ آتے ہیں۔"

میرا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے' وہ تابش پوسٹ پر جانے کے لئے کیوں اصرار کر رہا ہے۔ کہیں یہ قضا و قدر کی آواز تو نہیں؟

پھر اس نے سیاچن سے لکھا کہ "میری یونٹ بہاولپور جائے گی۔"

وہاں ہمارا ایک مشترک دوست محمد خان تھا۔ اس نے لکھا۔

"بڑا اچھا وقت گزرے گا۔
محمد خان یاروں کا یار ہے۔"

اس سے پہلے کہ بات کا رخ کسی اور طرف مڑے' میں یہ بتاتا چلوں کہ معظم بڑا کٹڑ' بڑا Staunch پاکستانی تھا۔ پاکستانیت اس کی رگ رگ میں جاری و ساری تھی۔ وہ پاکستان کے خلاف یا پاکستان کے دشمنوں کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا تھا۔ اس کا Posture ایک دم Aggressive ہو جاتا تھا۔ ہمارے ہاں آج کل فیشن سا ہے کہ جہاں دو چار لوگ جمع ہوئے پاکستان کی Failings کی بات شروع ہو جاتی ہے۔ وہ کہتا' جس طرح اسلام اور مسلمانوں میں فرق ہے۔ اس طرح پاکستان اور پاکستانیوں میں فرق ہے۔ ایک کی Failings دوسرے کے کھاتے میں ڈالنا کہاں کا انصاف ہے۔

سیاچن سے اس کے جو خط آئے' ان میں وہ پچھلے خطوط کے مقابلے میں زیادہ Mature---- زیادہ Responsible نظر آتا ہے- جب وہ پی ایم اے میں تھا تو ہم Course Mates کہا کرتے تھے-

"Moazzam has the making of a general officer"

لیکن مشیت کو کچھ اور منظور تھا-

س: آخر میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں جس کا جواب کوئی ایسا Intimate ہی دے سکتا ہے-

ج: جی فرمایئے-

س: کبھی اس نے کوئی Personal..... کوئی ذاتی امنگ آرزو بھی Share کی؟

ج: Moazzam was every bit a normal human being.

اس کے سینے میں بھی دل تھا- لیکن زرا Disciplined قسم کا-

جب آخری بار میں اس سے ملا' غالباً" فروری ۱۹۹۵ء میں' جہلم میں اس کی ڈاکٹر بہن کی شادی کے موقع پر' تو میں نے اس سے پوچھا' بہن تو گئی پیا کے دیس- اب تمہاری باری ہے- اس گھر میں کس شہر کا چاند اترے گا-

کہنے لگا "کراچی یا پھر لاہور......."

میں نے کہا' مبارک ہو' کچھ سلسلہ چلا ہے؟ حنائی انگلیوں میں ڈالنے کے لئے سونے کی انگوٹھی کا ناپ لے لیا ہے؟

مسکرایا' ---- "کیوں نہیں-"

لیکن قضاء و قدر کے ہاں شہادت کے سرخ گلابوں کا ہار تیار ہو رہا تھا- وہ گلاب جو کبھی کملاتے نہیں' جن کی خوشبو کبھی کم نہیں ہوتی-

سدا رہے نام اللہ کا!

ایک لمحہ سوچے بغیر........!

کیپٹن جواد

(۴ بلوچ رجمنٹ)

س: کیپٹن جواد! آپ کی معظم سے رسم و راہ کی تاریخ کیا ہے؟

ج: آپ نے یہ سوال پوچھا تو پی ایم اے کی ۱۹۹۱ء کی ابر آلود شام میرے ذہن کے پردے پر چھا گئی۔ جب ایک ویک اینڈ پر معظم قاسم کمپنی میں میرے روم میٹ بلال سے ملنے آیا تھا۔ بلال معظم کا ملٹری کالج کا دوست تھا۔ وہ ملنے تو بلال سے آیا تھا۔ مجھ سے تو صرف علیک سلیک ہی ہوئی تھی۔ بات آئی گئی ہوئی۔ لیکن میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ اکیڈیمی کے سینکڑوں جی سیز سے یہ جی سی قدرے مختلف ہے۔ کس طرح؟ کس دائرے میں؟ اس سوال کا جواب میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔

س: پھر کب واضح ہوا؟

ج: ۱۹۹۳ء میں ہم انفنٹری سکول میں پھر یکجا ہوئے۔ اس بار معظم میری پلاٹون میں تھا۔ ہم آپس میں دوست بھی تھے اور حریف بھی۔ مختلف fields میں Competition ہوتا تھا۔ ہم مقابلہ بھی کرتے تھے اور پھر ایک دوسرے

کو مبارکباد بھی دیتے تھے۔ یہاں معظم کے جوہر میرے سامنے آہستہ آہستہ Unfold ہوئے۔ ہر روز معظم کی کوئی نئی کوالٹی سامنے آتی تھی۔ دوستوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔

س: معظم کو آپ کس Category میں رکھتے ہیں؟

ج: ایک لمحہ سوچے بغیر میں کہوں گا کہ میں معظم کو Admire کرتا تھا۔

س: کس حوالے سے؟

ج: ایک تو اس کے کیریکٹر کے حوالے سے۔

س:

جواں وہی ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری

ج: سر، بالکل صحیح کہا آپ نے۔ اس وقت عمر کے جس دور سے ہم گزر رہے تھے اس میں Excess کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن معظم نام کا ہی نہیں، Character اور Conduct کا بھی معظم تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کی سوچ بہتوں سے مختلف تھی۔

اس Profession of arms سے اس نے مکمل طور پر Identify کیا ہوا تھا۔ جہاد کا لفظ تو ہم بار بار سنتے ہیں۔ Devotion اور Sacrifice کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن Role Model کوئی کوئی ہوتا ہے۔

معظم Role Model تھا۔

س: کیسے؟

ج: ابھی انفنٹری سکول کا کورس ختم نہیں ہوا تھا کہ خبر آئی کہ معظم کی یونٹ ۳۵ پنجاب سیاچن Move کر رہی ہے۔ سیاچن کی پوسٹنگ کا Reaction ایک سا نہیں Vastly Varied، ہوتا ہے۔ معظم یہ خبر سنتے ہی اتنا Excite ہوا، اتنا Excite کہ حد نہیں، جیسے دل کی تمنا بر آئی ہو۔ اس

کے چہرے کا Expression بدل گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک آ گئی۔ اس کی چال ڈھال میں ایک نئی بجلی بھر گئی۔ مزاج میں مزید لچک پیدا ہو گئی۔

وہ زیادہ Caring and sharing ہو گیا۔ اس کی گفتگو کا رخ بدل گیا۔

میری یونٹ کا ماٹو ہے "غازی یا شہید!"

ایک دن کہنے لگا۔ یہ ماٹو بہت اچھا ہے۔ بہت واضح ٹارگٹ ہے۔ لیکن

My choice is second one !

معظم بہت عظیم تھا۔

سیاچن کے محاذ پر

- اس کے لئے جینا مرنا ایک ہو گیا تھا!
- تابش پوسٹ پر شہید کے ساتھ چند ہفتے
- اپنے لئے دعائے شہادت سے پہلے' میرے لئے دعا کرنا!
- شہید معظم کی رضاکارانہ نشاندھی!
- بے باک اور صاف گو۔۔ لیکن معقول حد تک!

اس کے لئے جینا مرنا ایک ہو گیا تھا!

تابش پوسٹ پر شہید کے ساتھ چند ہفتے

کیپٹن ظہیر

س: کیپٹن ظہیر! آپ معظم کو کیسے جانتے ہیں؟

ج: میں توپ خانے سے متعلق ہوں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے تابش پوسٹ پر شہید کے ساتھ چند ہفتے گزارے ہیں۔

س: آپ نے معظم کو اتنے قریب سے دیکھا۔ اس کے ساتھ کچھ دن گزارے۔ آپ کا Candid تاثر کیا ہے۔

ج: To say the least-- I was mighty impressed.

پہلی بات تو یہ کہ وہ عام افسروں سے الگ ایک بالکل علیحدہ Species تھا۔

I should say he was possessed.

دوستوں کا دوست لیکن اصولوں کے ساتھ' نڈر' دلیر' عبادت گزار' جب ہم لوگ تفریح طبع کے لئے اور وقت گزارنے کے لئے تاش یا لڈو وغیرہ کھیلتے'

شہید اپنا قرآن اٹھاتا اور ایک چٹان کے ساتھ ٹیک لگاتا' تلاوت کرتا۔ آرام کے علاوہ اس کا کوئی کام تھا تو بس' دشمن کے فائر کا جواب دینا' تلاوت کرنا اور نوافل ادا کرنا۔ حتیٰ کہ جب اسے مئی ۹۵ء میں اطلاع ملی کہ کیپٹن نصر اللہ اور چند دوسرے جوان شہید ہوگئے ہیں تو ان کی یاد میں شہید نے آنسو بھی بہائے اور ان شہداء کے لئے تین نفلی روزے بھی رکھے۔ ۷ یا ۸ مئی ۹۵ء کو شہید سو کر اٹھا تو مجھ سے کہنے لگا۔

"میں نے خواب میں دیکھا' ایک بزرگ آتے ہیں اور کہتے ہیں' بیٹے! دائیں طرف دیکھو۔ میں دیکھتا ہوں۔ انتہائی خوبصورت باغ ہوتا ہے جس کی خوبصورتی میں بیان نہیں کرسکتا۔ اور اس باغ کے اوپر لکھا ہوتا ہے:

"رحمت!"

اتنا دیکھ کر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔"

میں سمجھتا ہوں' معظم شعوری اور لاشعوری طور پر شہادت میں اتنا Involve ہو چکا تھا کہ اس کے لئے مرنا جینا ایک ہو گیا تھا۔ کچھ لوگوں کی عزت کی جاتی ہے۔ معظم ایسا تھا کہ جس کی Respect کی جاتی تھی' جس سے محبت کی جاتی تھی۔ ایسے لوگ ہزاروں میں نہیں' لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں۔ دیر سویر مٹی مٹی میں مل جاتی ہے۔ مرنا برحق ہے۔ شہادت' وہ بھی تلاش کر کے' شوق سے---- یہ اعزاز ہر کس و ناکس کو میسر نہیں ہوتا۔

اپنے لئے دعائے شہادت سے پہلے میرے لئے دعا کرنا!

س: سیف! پہلے تو آپ اپنا تعارف کرائیے۔

ج: میرا نام سیف اللہ ہے۔ میرا تعلق بھی ۳۵ پنجاب سے ہے۔ جب یونٹ سیاچن جانے لگی تو ہم چار دوستوں معظم' فرید' عقیل اور میں نے اپنی اپنی شہادت کی دعا مانگی۔ اس وقت Serious تو ہم چاروں تھے۔ لیکن معظم نے جس طرح اپنے عزم کو دہرایا' جس طرح ہم تینوں سے بار بار کہا'

"یار! اپنے سے پہلے میرے لئے دعا کرنا۔ مجھے ہر قیمت پر شہادت چاہیے۔"

اس نے ہمیں بھی Strike کیا کہ معظم تو بہت زیادہ Keen ہے۔ بہر حال بات آئی گئی ہوگئی۔ یونٹ سیاچن گئی اور Deploy ہوگئی۔ اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد سیاچن کے معروف Frost Bite سے زخمی ہو کر میں سی ایم ایچ لاہور میں زیر علاج تھا کہ جنوری ۱۹۹۵ء میں معظم مجھ سے ملنے ہسپتال آیا۔ جاتے جاتے کہنے لگا۔

"یار! دعا کرنا' میں پھر' تابش پوسٹ پر'
دوبارہ' ایک اور Tenure کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم اپنا Mandatory Tenure پورا نہیں کر
چکے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"وہ تو کر چکا ہوں۔ لیکن بات بنی نہیں۔"
میں نے کہا'
"وہ بہت خطرناک پوسٹ ہے۔
تم جو Tenure کر چکے ہو وہی کافی ہے۔"
"یار! میں پھر جانا چاہتا ہوں۔"
"سی او ہرگز نہیں مانے گا۔"
"ان سے Agree کروانا میرا کام ہے۔
تم اپنے حصے کی Sincere دعا کرنا۔"

اتفاق کی بات ہے دوسرے ہفتے سی او بھی مجھ سے ملنے ہسپتال آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ کیپٹن معظم آیا تھا۔ کہہ رہا تھا' میں تابش پہ دوبارہ جانا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے'

"نہیں' وہ نہیں جائے گا۔
ایک Mandatory Tenure ہی کافی ہوتا ہے۔"
پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"سیف! اب جب تم نے اس کی خواہش کا ذکر کیا ہے تو مجھے Agree ہونا ہی پڑے گا۔ چونکہ

Moazzam is so extra-ordinarily good and determined.

وہ اس قسم کی Extra Duties لے کر ہی چھوڑتا ہے۔"

سیاچن کی خطرناک پوسٹیں سرور' الہ دین اور تابش ہیں۔ اور ان سب میں خطرناک ترین پوسٹ تابش ہے۔ پاکستان آرمی کی یہ پوسٹ تقریباً" بیس ہزار فٹ بلند ہے اور دشمن نے اس کو اپنی دو پوسٹوں آبر اور بانا کے ذریعے' جو

کہ تابش پوسٹ سے بلند ہیں' گھیر رکھا ہے۔ حتیٰ کہ تابش پوسٹ سے بیس کیمپ کی طرف آنے کا راستہ بھی دشمن کی نظر میں ہے۔ اور ساری آمد و رفت رات کو ہوتی ہے۔ وہ بھی جب چاندنی رات نہ ہو۔ کیونکہ چاندنی رات میں برف چاند کی روشنی میں چمک اٹھتی ہے اور رات بھی دن بن جاتی ہے۔ اگر چاندنی رات ہو تو سورج کے غروب ہونے سے لے کر چاند کے طلوع ہونے تک کے حصہ میں Movement ہوتی ہے۔

He Chose to embrace shahadat.

شہید معظم کی رضاکارانہ نشاندہی!

کیپٹن عبدالرحمان عارف کے تاثرات

(۲۹ فیلڈ رجمنٹ' آرٹلری)

شہید اور میں نے شہادت سے چند ہفتے قبل تک اکھٹے بلافونڈ سیکٹر میں Serve کیا- بلافونڈ سیکٹر کے صدر مقام علی برانسہ پر جس کی بلندی ۱۷۰۰۰ فٹ ہے' ہم دونوں اکھٹے رہے- بلافونڈ سیکٹر سیاچن کا مشہور ترین اور نہایت اہم سیکٹر ہے- جہاں روزانہ کا فائر عموماً" ۳۰۰ تا ۴۰۰ آرٹلری راؤنڈ (دونوں طرف سے) ہو جاتا ہے- کیپٹن معظم علی ان دنوں چھٹی سے واپس آیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر کسی بھی پوسٹ پر جانے کے لئے پیش کر رکھا تھا- شہید کی رفاقت میں گزرے دن مجھے بار بار احساس دلاتے تھے کہ جذبہ جہاد اور جذبہ شہادت سے سرشار یہ مجاہد کچھ نہ کچھ کر کے ہی دم لے گا- بارہا اس نے اپنے آپ کو اس مشکل کام کے لئے وقف کیا- وہ سیاچن گلیشیئر کی تمام مشکل پوسٹوں پر رہا- تابش پوسٹ' جہاں اسے شہادت نصیب ہوئی' سیاچن کی مشکل ترین پوسٹ شمار ہوتی ہے' جو عین دشمن کی ناک کے نیچے ۳۴۰ گز کے فاصلے

پر واقع ہے۔ یہاں زور سے بولنے کی آواز بھی دشمن سن لیتا ہے۔ یہاں آمد و رفت صرف رات کو اور وہ بھی اندھیری راتوں میں ہی ممکن ہے۔ تابش پوسٹ پر صرف پہنچ جانا بھی جوانمردی کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ یہ پوسٹ سیاچن کا امتیازی نشان ہے۔ آرٹلری کا افسر ہونے کے ناطے جب بھی میں نے دشمن پر گولہ باری شروع کی، کیپٹن معظم نے رضاکارانہ طور پر مجھے دشمن کی نشاندہی کی اور میرا بھرپور ساتھ دیا۔ اوائل اپریل ۱۹۹۵ء میں میری سیاچن سے پوسٹنگ ہوگئی۔ اور کسے پتہ تھا کہ شہید معظم کو ہمیشہ کے لئے اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

بے باک اور صاف گو۔۔
لیکن
معقول حد تک!

لیفٹیننٹ کرنل محمد محمود بٹ

(کمانڈنگ آفیسر، ۳۵ پنجاب)

س: کرنل محمود صاحب! آپ کو زحمت دی ہے کہ معظم شہید کے بارے میں آپ سے کچھ گفتگو ہو۔ تاکہ شہید کی Personality Profile کو کچھ نئے زاویوں سے دیکھا جائے۔

ج: میں حاضر ہوں۔ معظم شہید ایسے افسر کا کمانڈنگ افسر ہونا ایک اعزاز تھا۔ اور اب اس کے بارے میں کچھ بتانا اور کیریکٹر بائیوگرافی میں کچھ Contribute کرنا بھی ایک Pleasure ایک اعزاز ہوگا۔

س: شکریہ، پہلے کچھ باتیں یونٹ کے حوالے سے ہو جائیں۔

ج: معظم نے ۳۵ پنجاب کو لاہور میں اکتوبر ۱۹۹۲ء میں جوائن کیا تھا۔ اس

وقت یہ یونٹ لاہور میں تھی- میں نے سٹاف کالج کے بعد یونٹ کو مارچ ۱۹۹۳ء میں بحیثیت سیکنڈ ان کمانڈ ReJoin کیا تو معظم سے میری پہلی ملاقات ہوئی-

س: پہلی ملاقات میں آپ نے اسے کیسا پایا؟

ج: پہلی ملاقات میں تو نہیں' چند Sittings کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نوجوان افسر میں ایک خاص Grace ہے-

س: اس میں امتیازی خصوصیات کیا تھیں؟

ج: Young Officers فطری طور پر Rank Concious ہوتے ہیں- ان کا Career Orientation ہوتا ہے اور ہونا چاہیے- معظم ان چیزوں کے علاوہ Upright اور معقول حد تک Outspoken تھا-

س: "معقول حد تک" کا کیا مطلب ہے؟

ج: "معقول حد تک" میں نے اس لئے کہا کہ وہ صاف گو اور کھرا ضرور تھا- لیکن محتاط انداز میں- میں نے اکثر دیکھا ہے کہ بعض بہت اچھے'نیک' پرہیزگار لوگ اس طرح بے موقع Outspoken ہو جاتے ہیں کہ ان کا Outspoken ہونا Counter Productive ہو جاتا ہے اور بیباک اور صاف گو ہونے کا جو مقصد ہے وہ ختم ہو جاتا ہے- معظم Outspoken تھا لیکن معقول انداز میں' معقول حد تک- اس کا ذہن کھلا تھا اور وہ اپنا ذہن کھلا رکھتا تھا- یہی اس کی خوبی تھی-

س: کوئی اور خصوصیت؟

ج: ایک تو یہ کہ اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی- برجستہ جملے چست کرتا تھا- اس کے مزاج میں مزاح اور Humour بھی تھا- ہم نے ۳۵ پنجاب کا ماحول کچھ ایسا تیار کیا تھا کہ اس میں Humour اور کھل کر ہنسنے کی گنجائش تھی- بلکہ ہم Laughter کو Encourage کرتے تھے-

س: صحیح' Tension سے Efficiency متاثر ہوتی ہے-

ج: Laughter is a sign of life.

معظم کا اپنا Sense of humour بہت Subtle تھا۔ اس کی سب سے اچھی بات پیشہ ورانہ اعتبار سے یہ تھی کہ اسے Infantarean ہونے پر اور ۳۵ پنجابی ہونے پر Pride تھا۔ اور بڑا Genuine Pride تھا۔

وسط ۱۹۹۳ء میں وہ Basic کورس کے لئے کوئٹہ گیا تھا۔ میں یونٹ کے ایک افسر، میجر وقار خادم کے ذریعہ معظم کی پراگریس پر نظر رکھتا تھا۔ اس نے کورس کے Weapon والے حصہ میں AX لیا اور پورے کورس میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ یہ بہت اچھا سٹارٹ تھا۔ لیکن مجھے اندیشہ تھا، کہیں Relax نہ ہو جائے۔ میں نے اسے پیغام بھجوایا کہ Tactical حصے میں ے ذرا ہوشیار رہنا۔

س: آپ نے اس تنبیہہ کی ضرورت کیوں سمجھی؟

ج: میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا تھا۔ اس کا اپنا ایک Orientation تھا۔ وہ اپنی ترجیحات کے مطابق Exert کرتا تھا۔ بہر حال، وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ Tactical میں اس کا گریڈ B+ آیا اور اس طرح Instructor ہونے کے چانس سے محروم ہوگیا۔ اور AX نے مجموعی طور پر AY کی شکل اختیار کر لی۔

جب وہ کورس کے بعد یونٹ واپس آیا تو یونٹ سیاچن جانے کے لئے پر تول رہی تھی۔ معظم نے ایڈوانس پارٹی کے ساتھ سیاچن جانے کے لئے گزارش کی۔ اور در حقیقت وہ ایڈوانس پارٹی سے بھی پہلے سیاچن پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ ذوق و شوق سیاچن کے برف زاروں میں بارود کی بو سونگھنے کے لئے تھا۔

۱۳ اگست ۱۹۹۳ء کو میں نے یونٹ کی کمان سنبھالی۔ اس طرح اس سے ایک نیا رشتہ، سی او اور جونیئر افسر کا شروع ہوا۔

انسانی فطرت کا رجحان تو Least Resistance کی طرف ہوتا ہے۔ کوئی خواہ مخواہ شیر کے منہ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ لیکن کچھ لوگ معظم علی کی طرح ایسے جنونی اور Possessed ہوتے ہیں کہ وہ خطرات کو Chase کرتے رہتے ہیں۔ معظم ایسا ہی جانباز تھا۔ وہ مشکل سے مشکل، خطرناک سے خطرناک Assignment کے لئے خود کو Volunteer کرتا تھا۔ ظاہر ہے، سی او کو Balance بھی رکھنا ہوتا ہے۔ اس لئے جب کبھی میں مہم جوئی کو Encourage نہیں کرتا تھا تو وہ مہم جوئی کے لئے دوسرے افسروں سے سفارش کرواتا تھا۔ لوگ تو سفارش کرواتے ہیں جان بچانے کے لئے، وہ سفارش کرواتا تھا جان نچھاور کرنے کے لئے۔

س: کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور!

ج: صحیح، اقبال کا یہ شعر معظم بھی اکثر پڑھا کرتا تھا۔

س: یہ امر بہت معنی خیز ہے ---- کہ یہ شعر اس کے پسندیدہ اشعار میں سے تھا۔

ج: بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ معظم کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ خاص طور پر سوانح حیات اور خود نوشت سوانح حیات۔

Biographies and autobiographies

یہی شوق میرا بھی ہے۔ میں اس سے، صرف اس سے Biographies وغیرہ Exchange کرتا رہتا تھا۔ پھر پڑھی ہوئی کتاب پر اسی سے Discussion بھی ہوتی۔ اپنی عمر کے لحاظ سے اس کے Comments بہت معنی خیز ہوتے تھے۔ ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے کتاب کو پڑھا ہے اور سمجھ کر پڑھا ہے۔

س: کوئی ایسا واقعہ، Anecdote جس سے اس کے کردار پر روشنی پڑتی ہو؟

ج: ہاں' جب یونٹ لاہور میں تھی تو عید سے پہلے سزا کے طور پر جوانوں کی چھٹی بند کرنی پڑی۔ ایسا یونٹ میں ہوتا رہتا ہے۔ اس کا اطلاق معظم پر نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال' کیا دیکھتا ہوں کہ معظم دفتر میں حاضر ہے۔ کیوں' کیا مسئلہ ہے؟ میں نے پوچھا۔ اس نے اپنے مخصوص لہجہ میں "سر" سے بات شروع کی اور تان اس بات پر ٹوٹی کہ عید کی چھٹی نہیں جانا چاہتا۔ کیوں' میرا سوال تھا۔ اس نے بڑے ادب سے کہا' چونکہ میرے جوان نہیں جارہے۔

س: یہ تو ۱۹۹۳ء میں بہت بڑی بات تھی۔ جب کہ Values اور Attitudes تیزی سے بدل رہے ہیں۔ لیکن معظم تو معظم تھا۔ سچ ہے Salute تو رینک کو ہو جاتا ہے لیکن Respect شخصیت کو دی جاتی ہے۔

آخر میں ایک ایسا واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو

Annals of Military history

میں' Dedication کے باب میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ معظم کافی عرصہ تابش پوسٹ پر رہا تھا جو ایک مشکل پوسٹ ہے۔ اسکے بعد اس نے اصرار کرکے سرور پوسٹ پر اپنے آپ کو Shift کروایا۔ جو ایک اور مشکل پوسٹ تھی۔ عموماً" ایسا نہیں ہوتا۔ یہ Shifting میں نے پہلے بہت Reluctantly اس کی ضد پر کی تھی۔ پھر اس نے بتایا کہ مجھے بہن کی شادی پر جہلم جانا ہے۔ وقت اتنا کم رہ گیا تھا کہ اسے بہ مشکل نیچے بٹالین ہیڈکوارٹرز پر پہنچایا۔ پھر میں نے Contact کیا اور ڈانٹا کہ تم نے اتنا Late کیوں بتایا' شادی Miss ہوسکتی تھی۔ کیا وجہ تھی' دیر کیوں کی؟ اس کا جواب تھا۔

"تو پھر مجھے سرور پوسٹ پر نہ بھیجتے۔"

وہ تو شہادت کا متلاشی تھا۔ اللہ کریم نے اس کی آرزو پوری کردی۔

آخری لمحوں کے شاہد!

- "پہلے میرے ساتھیوں کو پانی دو!"
  قرون اولیٰ کے ایثار و قربانی کی روایت
- ایک سچا مسلمان اور کھرا پاکستانی!
- ۱۵ مئی ۱۹۹۵ء.....
  جب دو آفتاب غروب ہوئے !
- صاحب کیا تعریف کروں،
  ایسا افسر، ایسا بندہ نہیں دیکھا !

"پہلے میرے ساتھیوں کو پانی دو!"

قرون اولی کے ایثار و قربانی کی روایت

کیپٹن حسنین
(۳۵ پنجاب رجمنٹ' سیاچن والنٹیئرز)

س: حسنین! پہلے تو آپ کا مختصر تعارف۔

ج: کیپٹن حسنین میرا نام ہے۔ ۳۵ پنجاب میری یونٹ ہے۔ ہمارا نک نیم "سیاچن والنٹیئرز" ہے۔

س: اپنے دوست معظم شہید کے بارے میں بتائیں۔

ج: پہلی بات تو یہ کہ آپ نے "میرا دوست" کہا' معظم میرا نہیں' سارے Colleagues کا دوست تھا۔ ہم میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ معظم میرا ہی جگری دوست ہے۔

س: میرا خیال ہے کہ معظم کا تعلق انسانوں کی جس Brand سے تھا ان کی اصلی دوستی اپنے Vision---- اپنے Commitment سے ہوتی ہے۔ اور یوں وہ چونکہ انسان دوست ہوتے ہیں' اس لئے سب سے خلوص سے ملتے

ہیں۔

ج: سر آپ کا Observation بالکل صحیح ہے۔ لیکن ہمیں محسوس یہی ہوتا تھا کہ معظم سب سے زیادہ ہمارا ہے۔

س: کیپٹن حسنین' کوئی ایسا Concrete واقعہ سنائیے جس سے معظم کے کردار کا Image بن سکے۔

ج: ایسے واقعات تو بے شمار ہیں۔ لیکن ایک کا میں عینی شاہد ہوں۔

س: وہ کیا واقعہ تھا؟

ج: وہ واقعہ سیاچن ہی کا ہے۔ سیاچن کی دو Forward پوسٹیں تابش پوسٹ اور سرور پوسٹ ہیں۔ معظم تابش پر اور میں سرور پر متعین تھا۔ ایک دن تابش پوسٹ پر اور اس کے بعد سرور پوسٹ پر بھی گولہ باری شروع ہو گئی۔ ان پوسٹوں سے ہیڈکوارٹرز کو جو Communication سسٹم جاتا ہے' وہ آگے چل کر ایک ہو جاتا ہے۔ یوں ایک پوسٹ سے دوسری پوسٹ کا Message سنا جاسکتا ہے۔ Sliding کا نشانہ بننے پر معظم نے ہیڈکوارٹرز سے آرٹلری سپورٹ طلب کی۔

کچھ دیر بعد یہ سپورٹ میں نے بھی مانگی۔

جوں ہی معظم نے محسوس کیا کہ میں سپورٹ طلب کر رہا ہوں' اس نے ہیڈکوارٹرز سے کہا۔

"میری خیر ہے۔ میں انتظار کرسکتا ہوں۔ پہلے سرور پوسٹ کی Demand پوری کی جائے۔"

Sacrifice معظم کی گھٹی میں پڑی تھی۔

ایک سچا مسلمان اور کھرا پاکستانی!

کیپٹن خواجہ فرید الدین
(۳۵ پنجاب رجمنٹ)

س: کیپٹن فرید، آپ معظم کے بہت قریب رہے ہیں؟

ج: جی ہاں! بہت قریب، لاہور میں اکتوبر ۱۹۹۲ء میں میری اس سے ملاقات ہوئی۔

س: کس حوالے سے؟

ج: ہماری یونٹ ۳۵ پنجاب ان دنوں لاہور میں متعین تھی۔ اس رشتے سے ہمارا رابطہ شروع ہوا۔ اور سیاچن میں اس کے شہید ہونے کے وقت تک جاری رہا۔

یونٹ کے بی او کیو میں وہ میرا روم میٹ تھا۔ اتنا شفاف انسان میں نے اس سے پہلے اور بعد میں نہیں دیکھا۔ بہت جلد ہم دونوں میں اتنی Understanding ہوگئی تھی کہ ایک دوسرے کے چہرے اور آنکھوں سے ایک دوسرے کے دل کی بات سمجھ جاتے تھے۔ اس میں میرا کمال کم، اس کا زیادہ تھا۔

معظم کی ترجیحات بہت واضح تھیں۔

Perfect professional competance and commitment!

چونکہ وہ حد درجہ کھرا' سچا آفیسر تھا۔ اس کی باتیں بعض نازک طبع' دنیا دار حضرات پر گراں گزرتی تھیں۔ دوست کہتے' یارا!

You are too honest!

Too straight forward!

اس کا جواب ہوتا' یہ Too Honest ہونا کیا چیز ہے۔ یا تو بندہ Honest ہے یا نہیں ہے۔ Too بیچ میں کہاں سے آ گیا۔ بہر حال اس کا Image اس وقت بھی جب وہ یونٹ میں جونیئر موسٹ آفیسر تھا' دوسروں سے مختلف تھا۔ ایک بار آفیسرز کی ایک کانفرنس میں جس میں سی او بھی موجود تھے' ایک سینئر نے' اپنے خیال میں' اس کے کسی ضرورت سے زیادہ Candid Remarks پر کچھ طنزاً" کچھ مشورتاً" کہا' معظم' اگر تم ضرورت سے زیادہ حق گوئی سے باز نہ آئے تو آگے چل کر اچھی پوزیشن لینا مشکل ہو جائے گا۔ زمانے کے رخ کو بھی دیکھنا چاہیے۔ ہر چند کہ معظم اس میٹنگ میں جونیئر موسٹ تھا۔ اور جونیئر' آرمی کی پرانی روایات کے مطابق

Is seen ---not heard

لیکن معظم نے کہا۔

"سر' میں' بری رپورٹس سے نہیں' خدا سے ڈرتا ہوں۔"

س: بندہ کسی رینک میں ہو' ایک Image ایک Message کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ فرق Position سے نہیں' Performance سے پڑتا ہے۔

ج: میں نے شروع میں کہا تھا' معظم دوسروں سے مختلف تھا۔ اور

Difference اس کے انتہائی Professional اور
Personal character and conduct میں تھا۔

کیریکٹر کی بات آئی ہے تو میں ایک واقعہ کا ذکر کروں جس سے میں اس کی فراست' کردار اور Strong Will کا قائل ہو گیا۔

س: وہ کیا واقعہ تھا؟

ج: ہوا یوں' غلط فہمی میں ہم دونوں نے ایک ایسی دعوت قبول کر لی جس میں کچھ پینے پلانے کا' Hard Drinks کا سلسلہ بھی تھا۔ جہاں سب پی پلا رہے ہوں۔ وہاں دو نوجوان افسروں کا Drinks کو ہاتھ نہ لگانا ایک دم Conspicuous ہو جاتا ہے۔ چنانچہ Host نے بڑا اصرار شروع کردیا کہ ہم بھی پئیں' اصرار بلکہ زور دینا' Force کرنا شروع کردیا۔ عجب سی Situation ہوگئی تھی' Host کبھی مجھ پر زور دیتے اور کبھی معظم پر توجہ کرتے۔ اس نازک لمحہ میں معظم نے ایک جملہ کہا۔

If you can make me drink,

the other would drink himself.

اس طرح اس کی فراست اور Strong Will سے ہماری جان چھٹی۔

سر' لاہور جیسے شہر میں جہاں ہر قسم کی ایمان شکن Attractions کی کمی نہیں بلکہ یہ ظالم Attractions قدم قدم پر Chase کرتی ہیں۔

س: ظالم Attractions...... بہت خوب!

ج: آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔

س: جی ہاں ! ان حالات میں ایمان بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔

ج: خاص طور سے نوجوانوں کے لئے۔ عموماً" نوجوان Bachelor افسر Ante-room میں دھیمے سروں میں میوزک لگا کر گپ شپ شروع کرتے

ہیں تو فرضی یا اصلی Exploits کی ایسی ایسی حیرت انگیز اور قابل رشک داستانیں سننے کو ملتی ہیں کہ مزہ آجاتا ہے۔

س: ایسے موقعوں پر معظم کا کیا Reaction ہوتا تھا؟

ج: سر میں یہی بتانے جا رہا تھا۔ معظم کا Image کچھ ایسا تھا کہ اس کے سامنے ان ہیروز کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ میں نے شروع میں عرض کیا تھا' وہ ایک علیحدہ چیز تھا۔ اس کی پاکیزگی سو فیصد Genuine تھی۔ معظم ایک ہمدرد اور Caring and sharing انسان تھا۔

س: اس کی کوئی مثال؟

ج: اس کی مثال یہ ہے کہ معظم یونٹ کے سپاہیوں کی اپنے طور پر مالی مدد کرتا تھا۔

س: How did he manage to afford it.

ج: مجھے نہیں معلوم۔ ہوسکتا ہے چونکہ اس کی Living بہت Simple اور Austere تھی اور "مستی" پر کچھ پیسہ صرف نہیں ہوتا تھا' وہ اس کار خیر کو Afford کر لیتا ہو۔

ایک اور بات جو زور دے کر ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ Professional competancy and physical fitness کا جو Interest بلکہ جنون اس کو تھا وہ اس عمر میں کم از کم میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔

وہ ہمیں لیکچر پلایا کرتا کہ بغیر Superb professionalism اور Super physical fitness کے ایک فوجی اپنے Task کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ در اصل ہم اس کو اس وقت زیادہ Seriously نہیں لیتے تھے۔

We did not take him seriously.

کاش ! اس کی باتوں کو میں Audio-Tape کر سکتا۔

اس کے Supreme professionalism کا نتیجہ یہ تھا کہ انفنٹری کے Basic Course میں ۴۵۰ افسروں میں سے اس کی سیکنڈ پوزیشن تھی۔ وہ دیکھنے میں Slim تھا لیکن اس کے اندر توانائی کی آگ بھری ہوئی تھی۔

س: اصل میں وہ توانائی Time اور Direction کو Manage کرنے اور Deep sense of commitment سے پیدا ہوئی تھی۔

ج: جب ہماری یونٹ کی پوسٹنگ سیاچن کے لئے ہوئی تو ہم دونوں نے Recce کے لئے Volunteer کیا اور شہادت کی قسم کھائی تھی' میرا دوست خوش نصیب تھا کہ خدا نے اس کی خواہش پوری کی۔ میں بدقسمت عظیم دوست کے بغیر اکیلا واپس آیا۔

سر' ہمارے ہاں اسلام اور پاکستان کا نام تو بہت لیا جاتا ہے۔ لیکن بہت کم لوگ اس معاملے میں Sincere ہوتے ہیں۔

معظم سچا Practicing Muslim اور کھرا پاکستانی تھا۔

آخر میں میں اس سے اپنی گفتگو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس کی شہادت سے ٹھیک ۳۶ گھنٹے پہلے ہوئی تھی۔ وہ تابش پوسٹ پر دوسری بار Volunteer ہو کر پوسٹ تھا۔ فون پر خاصی گپ شپ رہی۔ میں نے آخر میں پوچھا کوئی کام' کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔ بولا۔

"ایک کام تو ہے' ایک ضرورت تو ہے۔"

میں نے Curious ہو کر پوچھا' کیا؟ ادھر سے جواب آیا۔

"Wooden Box"

میں نے کہا'

"بکواس بند کرو۔"

مجھے کیا خبر تھی کہ

Truth sits on the lips of dying man.

یہ شہادت کی آواز تھی جو اس کے لبوں پر آگئی تھی۔

(ڈاکٹر یوسف کے استفسار)

س: کیپٹن معظم شہید کے تابش پوسٹ پر آخری دنوں کے اوپی کیپٹن مشتاق نے ہمیں بتایا کہ معظم نے ۱۳ مئی کو ایک اہم فون کال کی تھی۔ وہ کیا تھی؟

ج: جی ہاں! وہ Crucial فون کال معظم نے مجھے ۱۳ مئی کی صبح کی تھی۔

س: وہ کال کیا تھی؟

ج: اس نے کہا، سر، دو کام کریں۔ ایک تو میرا "ڈبہ" بنوا کر بھیج دیں، دوسرے فریش چکن کا انتظام کریں۔ میں Tinned food کھا کھا کر تنگ آچکا ہوں۔

"ڈبہ" کا نام سن کر میں نے اسے ڈانٹا۔ کیا بکواس کر رہے ہو، اپنا کام کرو۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ جسے میں بکواس کہہ رہا تھا وہ ایسی حقیقت تھی، جو لمحہ بہ لمحہ قریب آرہی تھی ایک مقدر بن کر۔ زندگی سے محبت تو سب کرتے ہیں، شہادت سے یوں ٹوٹ کر محبت کرتے، اس کے لئے تڑپتے، بے چین ہوتے، میں نے معظم ہی کو دیکھا۔

۱۵ مئی ۱۹۹۵ء........

جب دو آفتاب غروب ہوئے!

کیپٹن مشتاق

(ڈاکٹر یوسف کے استفسار)

یوسف اختر: کیپٹن مشتاق! آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ معظم کے آخری لمحوں کے شاہد ہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ چراغ بظاہر کیسے بجھا اور در اصل کیسے جلا؟

ج: جی ہاں! مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں شہید کے آخری دو دنوں میں شہید کے ساتھ رہا۔ اور آنکھوں سے ' بقول آپ کے' بظاہر چراغ کو بجھتے اور در اصل اسے جلتے دیکھا۔

س: میں چاہتا ہوں کہ آپ شہید کے آخری ۴۸ گھنٹوں کے واقعات کی تفصیلات بتائیں تاکہ تاریخ کے لئے محفوظ ہو جائیں۔ اور لوگ

Inspiration لے سکیں۔

ج: ۱۲ مئی کو میں نے توپ خانے کے آفیسر کیپٹن ظہیر کی جگہ لی۔ کیپٹن معظم کو توپ خانے کی Support دینا میری ڈیوٹی تھی۔

سکیٹر کمانڈر نے دشمن کا پیغام Intercept کر کے ہمیں Warn کیا تھا کہ دشمن کا فائر آنے والا ہے۔ چنانچہ ۱۴ مئی کی صبح سے متوقع فائر آنا شروع ہوگیا تھا۔ ہوتا یہ کہ جب راکٹ کی آواز آتی تو سب اپنی اپنی جگہ نیچے دبک جاتے۔ لیکن شہید معظم اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اچھل اچھل کر دشمن کی پوزیشن Locate کرنے کی کوشش کرتا۔ تاکہ وہاں پر فائر گرایا جاسکے۔ ہماری ایک گن ایک موزوں جگہ...... Vantage Point...... پر نصب تھی۔ مگر ہر طرف سے Exposed تھی۔ معظم اسی گن کے ذریعہ فائر کر رہا تھا۔ سکیٹر کمانڈر میجر افتخار نے معظم کو فون پر حکم دیا کہ گن کی پوزیشن بدل دو اور اسے تھوڑا پیچھے' چٹان کی اوٹ میں لے آؤ۔ شہید ان سے کہتا رہا' ٹھیک ہے سر' پوزیشن بدل رہا ہوں۔ مگر در حقیقت اس نے پوزیشن نہ بدلی۔ کیونکہ اس کے خیال میں وہ پوزیشن' جہاں گن نصب تھی' دشمن پر ٹھیک ٹھیک' Accurate فائر کرنے کے لئے نہایت موزوں تھی۔

۱۴ مئی کی شام کو دشمن نے فائر بند کیا۔ تمام وقت الرٹ رہنے اور فائر کروانے سے معظم کی آنکھیں سوج گئی تھیں اور سرخ ہوگئی تھیں۔ رات کو اس کی آنکھوں میں سخت درد تھا۔ پانی کے چھینٹے مارے گئے' نرسنگ سپاہی نے دوا کے چند قطرے ڈالے۔ معظم لیٹ گیا مگر سو نہ سکا۔ اس کی طبیعت میں ایک ہلچل کی کیفیت تھی' پھر آنکھوں کے درد علیحدہ۔ کھانے کے وقت میں نے اسے اٹھایا اور دو چار لقمے اس کے منہ میں ڈالے۔ صبح سے اس نے کچھ کھایا پیا نہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کچھ تو کھالے لیکن وہ جذباتی طور پر اتنا Tense تھا کہ اس نے مزید کچھ کھانے سے انکار کردیا۔ رات ہی

کو میجر افتخار کا فون آیا۔

"صبح دس بجے سے دشمن کا فائر پھر آئے گا۔

ہوشیار رہیں' احتیاط برتیں۔"

۱۵ مئی کی صبح طلوع ہوئی تو دس اور گیارہ بجے کے درمیان متوقع فائر آنے لگا۔ گیارہ بجے کے قریب میں نے معظم کو اپنے بنکر سے نکل کر باہر کی طرف بائیں ہاتھ کو جاتے دیکھا جدھر گن تھی۔ کچھ دیر ہی گزری تھی کہ دائیں طرف ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ میں بنکر سے نکل'اس طرف دوڑتا ہوا' چیختا ہوا بھاگا' معظم'معظم' زور زور سے پکارتا رہا۔ اس طرف سے گرد و غبار کے بادل اٹھ رہے تھے۔ لگتا تھا کہ دشمن نے راکٹ فائر کیا تھا۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا معظم زمین پر گرا پڑا ہے۔ اس کا دایاں بازو کندھے سے ذرا نیچے اڑگیا تھا۔ پیٹ اور سینے پر ان گنت زخم تھے اور دونوں ٹانگیں گھٹنوں سے ذرا نیچے چور چور ہوچکی تھیں۔

معظم جا چکا تھا اپنے خالق حقیقی کے پاس'

چہرے پر مسکراہٹ لئے۔

اور برسوں کی بے قراری کو قرار آگیا تھا۔

اس طرح ۱۵ مئی ۱۹۹۵ء کو گیارہ بج کر دو منٹ پر شہادت کی تلاش کا وہ سفر ختم ہوا جو ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء رات نو بجے شہید نے اس دنیا میں آکر شروع کیا تھا۔

صاحب کیا تعریف کروں'
ایسا افسر' ایسا بندہ نہیں دیکھا!
نائیک خان محمد
(ڈاکٹر یوسف کی ملاقات)

س: خان صاحب! آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ شہید کا تابوت لے کر جہلم آئے۔ اور شہید کے احترام کو ہر قدم پر ملحوظ رکھا۔ آپ شہید کے یونٹ کے ہیں؟

ج: بالکل۔ بلکہ سر معظم کے ساتھ پوسٹ پر رہا ہوں۔

س: آپ کو شہید کی کوئی خاص بات یاد ہے؟

ج: صاحب!ہم کیا' ہمارا یاد کیا۔ ہمیں ایک بات یاد ہے جس نے ہمیں حیران کر دیا تھا۔

س: وہ کیا؟

ج: وہ قصہ یہ ہے کہ جب ہم لوگوں نے اور ہمارے افسر کیپٹن معظم صاحب نے تابش پوسٹ پر اپنے دو ماہ مکمل کر لئے تو ہم سب خوش تھے کہ

اتنا مشکل وقت ختم ہوا۔ ہم نے سامان سمیٹا اور واپس Base Camp کی طرف روانہ ہوئے۔

سر معظم آگے تھے اور میں دو قدم پیچھے' ابھی ہم پوسٹ سے ۱۱۰ یا ۱۵۰ میٹر دور آئے تھے کہ یکایک کپتان صاحب رک گئے اور رونے لگے۔ میں نے کہا' سر! کوئی تکلیف ہے؟ بولے۔

"نہیں' کوئی تکلیف نہیں۔
سوچتا ہوں' دو ماہ تک دشمن کے ساتھ لڑتا رہا
ہوں'
کتنا بدنصیب ہوں'
بغیر شہید ہوئے واپس جا رہا ہوں۔"

صاحب' کیا تعریف کروں'
ایسا افسر نہیں دیکھا'
ایسا بندہ نہیں دیکھا۔

"May Allah give you and other members of bereaved family the courage and fortitude to bear this tragic loss. In this hour of grief we join you and the family in praying for the departed soul.

The time of death has been destined and as believers we submit to the will of Allah.

Please allow me and my wife to share your loss."

Yours Sincerely
(Signed)

General Abdul Waheed
Chief of Army Staff
General Headquarters
Rawalpindi
31 May 95

شہادت سے لحد تک

- ”بیٹے! جب تمہاری ملاقات
رسول کریم ﷺ سے ہو تو........
- معظم شہید! گواہ رہنا!
- غازی صلاح الدین ایوبی کے مزار پر
شہید کے لئے دعا!

"بیٹے! جب تمہاری ملاقات رسول کریم ﷺ سے ہو تو........

شہید سیاچن کے والد'

ڈاکٹر یوسف اختر کی چشم دید شہادتیں

س: ڈاکٹر صاحب! یہ رتبہ بلند ہے۔ اللہ جسے چاہے' عطا کرے۔
شہادت کے بعد کی داستان کیا ہے؟

ج: جیسا کہ شہادت کے عینی شاہد کیپٹن مشتاق نے بتایا' وہ جگہ جہاں معظم کی شہادت واقع ہوئی تھی' بہت Exposed تھی۔ دشمن دور بین لگائے ایک ایک چپے پر نظر کئے ہوئے تھا۔ اس لئے شہید کے جسد خاکی کو شام کا اندھیرا چھا جانے سے پہلے واگزار نہیں کیا جا سکا۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ میت کو جلد سے جلد جہلم کیسے پہنچایا جائے۔ معظم کے جوان تو اس کے دیوانے تھے۔ انہوں نے سٹریچر کو ہاتھوں ہاتھ اٹھایا اور بیس

کیمپ گیاری تک وہ فاصلہ جو آٹھ گھنٹوں میں طے ہوتا ہے' انہوں نے چار گھنٹوں میں طے کیا۔ گیاری سے تابوت ہیلی کاپٹر کے ذریعے سکردو پہنچایا اور سکردو سے بذریعہ پی آئی اے پنڈی۔

۱۶ مئی ۱۹۹۵ء کو ساڑھے گیارہ بجے کرنل بلال نے جی ایچ کیو سے شہید معظم کے تایازاد بھائی ضرار حیدر کی بیگم عذرا ضرار کو فون پر بتایا کہ معظم شہید ہوگیا ہے۔ اس کے ابو کو ایک دم نہ بتایا جائے۔ اور معظم کا تابوت ساڑھے بارہ بجے کے قریب پنڈی پہنچے گا۔ عذرا نے ملک طلعت محمود کو جوکہ فیملی کے قریبی دوست ہیں' گھر بلایا۔ ملک طلعت محمود سوا بارہ بجے کے قریب دفتر واپس آئے ـــــ آنکھیں سرخ' آواز بھرائی ہوئی۔ انہوں نے خبر چھپا کر' زخمی ہونے کی خبر پھیلائی۔ مگر مجھے یقین نہ آیا۔ کیونکہ بات بات پر طلعت رو دیتے تھے۔

میں نے فون نمبر لے کر کرنل بلال سے جی ایچ کیو خود فون پر بات کی۔

"کرنل صاحب! فلائیٹ اگر ساڑھے بارہ بجے پہنچ رہی ہے تو میں سی ایم ایچ' راولپنڈی پہنچتا ہوں۔"

"آپ جہلم انتظار کریں۔ میں بعد میں فون کروں گا۔"

"کرنل صاحب! اگر معظم زخمی حالت میں پنڈی لایا جا رہا ہے تو میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا۔ میں آتا ہوں۔ اور یہ تو بتائیں کہ معظم کس چیز سے زخمی ہوا ہے۔"

"راکٹ یا میزائل سے۔"

"کرنل صاحب! میں نے بھی دو جنگیں دیکھی ہیں۔ یہ میزائل وغیرہ سے تو زخمی ہونا اور بچ جانا......"

"نہیں' آپ وہاں انتظار کریں۔ میں پھر آپ کو فون کروں گا۔ کیونکہ کارگو سے....."

"مجھے معلوم ہے کہ کارگو میں کیا آتا ہے۔"

کرنل بلال نے ایک منٹ توقف کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ○

س: معظم کی شہادت کی حتمی خبر ملنے پر آپ کا تاثر کیا تھا؟

ج: شہادت کی اطلاع مجھے کلینک میں ملی تھی۔ وہیں فون پر اعزاء و اقرباء کو بتایا۔ تھوڑی دیر میں بھائی شعیب' بھائی شریف' طلعت' ظہور' سب وہیں آگئے تھے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ لیکن میں لاشعوری طور پر آنسو روکے ہوئے تھا۔ مبادا شہید کی روح کو تکلیف ہو۔ در حقیقت مولا کریم نے حوصلہ دیا ہوا تھا۔ کرنل بلال نے بتا دیا تھا کہ شہید کا تابوت سہ پہر کو پہنچے گا۔ یہ خیال آتے ہی کہ شہید کا استقبال بھی کرنا ہے' میں اٹھ کھڑا ہوا اور بھائی شریف سے کہا' چلئے گھر پہنچ کر شہید کو Receive کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے نہ جانے کیوں دل اللہ سے شکوہ کرنے لگا۔

میرے مولا! سبھی قربانیاں تیری راہ میں' تیرے دیئے ہوئے ملک و قوم کے لئے' متوسط اور غریب طبقہ ہی دے گا؟ دیتا رہے گا؟

اور بے کردار جاگیردار اور وڈیرے کب تک جونکیں بن کر ہمارا خون چوستے رہیں گے۔ یہ ملک جو

پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللّٰہ

کے نعرے پر بنایا گیا ہے' کب تک بے انصافیوں اور استحصال کی آماجگاہ رہے گا۔

ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ انشاء جی کے یہ اشعار ذہن کی لوح پر ابھرنے لگے۔

پھر کسی باغ جوانی کی لچکتی ٹہنی
بم کے اڑتے ہوئے ٹکڑوں سے ہے پارا پارا
بوڑھے ماں باپ کی برسوں کی دعاؤں کا ثمر
پھر کسی اجنبی میدان میں دم توڑ گیا
لوٹتے قدموں سے گونجے گی نہ گھر کی دہلیز
آپ کا لخت جگر ملک پہ قربان ہوا

پھر مجھے خیال آیا کہ یہ مقام شکر ہے کہ معظم شہادت سے سرفراز ہوا۔ جس سے مولوی فتح محمد مرحوم کے پورے خاندان کو عزت ملی۔ پھر مجھے محسوس ہوا کہ جیسے شہید کی آواز آ رہی ہے۔

وہ سامنے ہیں حق و صداقت کی منزلیں
ہاتھوں میں لے کے کاسہء سر جانا چاہیے

اور پھر

بڑھو کہ بڑھتی چلی آ رہی ہے شام حیات
عمل کا وقت ہے آہ و فغاں کا وقت نہیں

گھر کے قریب پہنچتے پہنچتے مجھے فکر ہوئی' معظم کی والدہ کو کیسے بتاؤں کہ کیا قیامت گزر گئی ہے۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ چند دنوں سے کیسے انجانے موہوم خوف کا شکار تھیں۔ تسبیح فجر کے وقت اٹھ اٹھ کے دعائیں کرتیں۔ تسبیح پڑھتیں۔ آج ان کے اندیشے حقیقت بن کر سامنے آ رہے تھے۔ جوں ہی میں نے گھر کا مین گیٹ کھلوانے کے لئے ہارن دیا' وہ ایک دم سامنے آگئیں' یوں جیسے انتظار کر رہی ہوں۔ ایک دم گھبرا کر پوچھنے لگیں۔

"یہ ناوقت کا آنا کیسا؟ سب خیریت ہے؟

آپ ٹھیک ہیں؟ معظم ٹھیک ہے؟"

"آپ بولتے کیوں نہیں؟ بتاتے کیوں نہیں؟ کیا

بات ہے؟"........

پہلے تو میں نے سوچا کہ کہہ دوں' معظم زخمی ہوگیا ہے۔ پھر خیال آیا' اس جھوٹ سے کیا بنے گا' ایک دو گھنٹے میں معظم کا تابوت پہنچ جائے گا' جو حقیقت ہے' وہ ہے۔ اب وہ شہید کی ماں ہے۔ اللہ اسے حوصلہ دے۔ میں نے دل کڑا کر کے کہا۔

"معظم کی ماں!

تیرے بیٹے کی برسوں کی دعائیں

اللہ نے سن لی ہیں۔ وہ شہید ہو گیا ہے۔"

یہ سن کر انہوں نے چیخ ماری اور Collapes ہوگئیں۔

ایک لمحہ بعد صبر و رضا کی تصویر بن کر اٹھیں۔ آنسو پونچھے۔

"جو مولا کی مرضی!" کہہ کر تسبیح شروع کر دی۔

ماں ماں ہوتی ہے۔ ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ کیسی کیسی آرزوؤں کا خون ہوا ہو گا۔ اللہ ہی جانتا ہے۔ ان کے حوصلے کو دیکھ کر مجھے بھی بڑا حوصلہ ہوا۔ مولا کریم آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر صبر بھی عطا کرتا ہے۔

فبای آلاء ربکما تکذبان

ڈیڑھ بجے جہلم گیریزن کے ایم پی سی میجر شیرازی ضروری معلومات کرنے آئے۔ انہیں قبرستان اور قبر کی جگہ دکھائی۔ اور تدفین کا وقت ۱۷ مئی کی صبح آٹھ بجے کا بتا دیا۔

جوں جوں شہید کی شہادت کی خبر علاقہ میں پھیلتی گئی۔ اپنے پرائے جمع ہونے لگے۔ وہ لمحات میں بھول نہیں سکتا۔ لوگ اظہار تعزیت کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس

طرح دلاسہ دیں۔ خود میرے اندر کشمکش تھی' دھاڑیں مار کر روؤں------- یا شکر الحمدللہ کہوں۔

پونے تین بجے ملٹری پولیس کی جیپ کے سائرن بجنے لگے۔ میں گیٹ سے باہر آیا کہ شہید کا استقبال کروں' اسے مرحبا کہوں۔

آخر وہ گھڑی آ پہنچی جو میرے صبر کا بڑا امتحان تھی۔ سب سے پہلے مسلسل بجتے سائرن اور جلتی بجھتی سرخ بتیوں کے ساتھ ملٹری پولیس کی جیپ نمودار ہوئی۔ جس میں ملٹری پولیس کے چاک و چوبند جوان اپنے تقریباتی لباس میں ' خود پہنے ہوئے' مستعد بیٹھے تھے۔ اس کے پیچھے چاند تارے کے نشان کی فوجی ایمبولینس آہستہ آہستہ حرکت کرتی ہوئی آ رہی تھی۔ ایک بار تو میرا دل ڈوبا۔ ایک لمحہ خیال کی لہر آئی۔

یوسف' بیٹے کو خاک و خون میں لتھڑا کیسے دیکھ سکو گے؟

دوسرے لمحہ جواب بھی اسی دل سے ابھرا'

کیوں نہیں۔ کیا ارشاد ربانی نہیں؟

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا"

بل احیاء عند ربھم یرزقون○

"اور ہرگز خیال نہ کرو' وہ جو قتل کئے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے پاس اور رزق دیئے جاتے ہیں۔"

ابھی میرے ذہن میں سوال و جواب ہو رہے تھے کہ ایمبولینس ہمارے مین گیٹ کے سامنے آکر رکی۔

دو رویہ معظم کی یونٹ کے افسر اور جوان بیٹھے تھے۔

اور درمیان میں

پاکستان کے پرچم میں لپٹا ہوا'

میرے دل کے ٹکڑے' معظم کا تابوت!

ایمبولینس کے پٹ کھلتے ہی مجمع غم سے پھٹ پڑا۔ اپنے پرائے دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ میں خاموشی سے آنسوؤں کو روکے آگے بڑھا' بے اختیار سلیوٹ کے لئے میرے ہاتھ اٹھ گئے۔

بے ساختہ میرے منہ سے نکلا "مرحبا! مرحبا!"

قرآنی آیت از خود میری زبان پر جاری ہو گئی۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا"

بل احیاء عند ربھم یرزقون○

تابوت کو بھائی شریف اور خاندان کے بھائیوں نے احترام سے اتار کر پورچ کے سامنے چارپائی پہ رکھ دیا۔ الحمد للہ! اس وقت ہم سب اپنے آنسو روکے ہوئے تھے۔ جب تابوت کا ایک تختہ سرہانے کی طرف سے ہٹا دیا گیا تو میں نے شہزادے کو اس شان میں ڈوبا دیکھا جو مومن کی پہچان ہے۔

شہید معظم کے چہرے پر وہی مسکراہٹ کھیل رہی تھی جو کہ عام حالات میں اس کے چہرے پر ہوتی۔ سوائے دائیں گال پر زخم کے' چہرہ تر و تازہ تھا۔ نتھنے خون سے بھرے ہوئے تھے' آنکھیں ادھ کھلی' ہونٹ تھوڑے سے وا' سفید دانت آدھے نظر آرہے تھے' چھوٹی چھوٹی داڑھی' کوئی ایک ایک انچ کے قریب'ہونٹوں کے گرد تھوڑی تھوڑی سیاچن کی مٹی لگی ہوئی تھی۔ چہرے کے علاوہ باقی جسم ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا جس کے نیچے لتھڑی ہوئی وردی!

یہ فاتحانہ مسکراہٹ جو کہ ابدی ہو چکی تھی'

دوسرے دن دفنانے تک قائم رہی۔

تین بجے سے لے کر دوسرے دن صبح تک مردوں اور عورتوں کا ایک ہجوم تھا جو موج در موج آتا رہا۔ اجنبی لوگ زیادہ تھے۔ جن کے ساتھ کوئی واقفیت نہ تھی۔ مگر ایک رشتہ تھا اسلام کا۔ ہر کوئی' مرد و زن' شہید کا دیدار کرنا چاہتا تھا۔ یہ سلسلہ دوسرے دن تک قائم رہا۔ رات کو شہید کے نانا ابا چوہدری

محمد شفیع صاحب' شہید کے ماموں مع اہل و عیال' سب پہنچ گئے۔ سحری کے وقت کراچی سے بھی شہید کے ماموں سمیع وانجھا مع اہل و عیال پہنچے۔ ایک دفعہ پھر سحری کا سکوت' ہلکی ہلکی آوازوں سے ٹوٹتا رہا۔ چیخ و پکار نہ تھی۔ سینہ کوبی نہ تھی' شہید اور شہادت کا احترام تھا' رونا تو شفقت کا اظہار تھا' وقتی طور پر بچھڑنے کا غم تھا۔

۱۶ مئی کی شام سے تھوڑی دیر پہلے شہید کے چچا یحییٰ ملک' مع شمیم' سعدیہ' حفصہ اور ہارون کے' پہنچ گئے۔ ہارون کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ آنکھیں اشکبار تھیں مگر ہر ایک کو اور خاص طور پر مجھے منع کر رہا تھا۔

"ابو! رونا نہیں۔ رونا نہیں ابو۔"

یہ سب بزرگوں کی دعائیں اور مذہبی ماحول کا اثر تھا کہ خاندان کے سارے افراد نے رنج و غم کا اظہار ضرور کیا' ننھیال والوں نے بھی اور دودھیال والوں نے بھی' مگر آرام کے ساتھ' صبر کے ساتھ!

۱۷ مئی کی صبح طلوع ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شہید کے چہرے پر کچھ اور رونق آگئی ہے۔ مسکراہٹ اور زیادہ ہوگئی۔ شاید اللہ تعالیٰ کے حضور جانے کا وقت آن پہنچا...... خون میں لتھڑی ہوئی آستین لے کر' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شہید کہہ رہا ہو۔

"میرے مولا! میں تیری خوشنودی اور رضا کی خاطر
تیرے حضور
یہ زخموں سے بھرا ہوا جسم لے کر!
یا اللہ! میں نے اپنی تھوڑی سی زندگی میں
صرف تجھ کو پانے کی خواہش کی۔
دنیا کے بلند ترین محاذ پر نہ دن دیکھا نہ رات'
نہ آرام کا خیال کیا' نہ جان کا

صرف یہی طلب تھی مولا،
کہ تیری راہ میں جان دے دوں
تاکہ تو خوش ہو جائے۔
اور یہ طلب میرے دل و دماغ میں
پچھلے آٹھ نو سال سے طلاطم خیز تھی
یا اللہ! میرے جسم کا کوئی حصہ بھی
تیری راہ میں کھائے ہوئے زخموں سے خالی نہیں۔
میں ذکر اور ورد کی محفلوں میں بیٹھتا تھا
صرف تجھ کو خوش اور راضی کرنے کے لئے!"

حاجتیں سب میں سوا ہیں مگر اک فرق کے ساتھ
کوئی جنت کوئی تسکیں کوئی دنیا مانگے
جس نے ہر رنگ میں تجھ ہی کو نہاں دیکھا ہو
تیرا دیوانہ بتا تیرے سوا کیا مانگے

عالم تخیل میں رب کریم کی طرف سے یہ آواز آ رہی تھی۔
اے اطمینان پانے والے کی روح ○
اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل ○
تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ○
تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا ○
اور میری بہشت میں داخل ہو جا ○

جنازہ اٹھنے سے پہلے شہید کی امی تابوت کے قریب شہید کے چہرے پر نظریں گاڑھے بیٹھی تھیں۔ ساتھ ہی شہید کی دادی اماں، ممانی بیگم سمیع، بیگم

رفیع' پھوپھو اقبال' اور شہید کی چہیتی اور سب سے زیادہ چاہنے والی تائی امی' بیگم کنیز شعیب اور نانی اماں کھڑی تھیں۔ بغیر آواز کے سب رو رہے تھے۔ تابوت کی دوسری طرف شہید کی بہنیں اسماء اور صالحہ' شہید کی تایا زاد بہنیں غزالہ' سلمیٰ' شہید کی چچا زاد بہنیں مصباح' سعدیہ' عظمیٰ کھڑی تھیں۔ شہید کی امی نے صرف اتنا کہا۔

اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے

جنازہ اٹھا۔

تابوت پاکستان کے جھنڈے میں لپٹا ہوا تھا۔

تابوت کے اوپر فوجی ٹوپی رکھ دی گئی۔

ایک ہجوم تھا۔ کھوے سے کھوا مل رہا تھا' جوار بھاٹے کی لہروں کی طرح جو بیتاب ہوتی ہیں ساحل تک پہنچنے کے لائے' ہجوم کی لہریں شہید کے تابوت تک پہنچنے کے لئے بیتاب تھیں۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ تابوت کو ہاتھ لگا لے۔ چیونٹیوں کی طرح اللہ کے بندے تابوت کو اٹھائے ہوئے تھے۔ تابوت ہوا میں تیرتا جا رہا تھا۔ میں بڑی مشکل سے عزیز ضیا کی مدد سے تابوت تک پہنچ گیا۔ کئی دفعہ دھکے کھائے۔ سڑک ہجوم سے تنگ ہوچکی تھی۔ شہید اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں تھا۔۔۔ آہستہ آہستہ!

اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بندے ساتھ ساتھ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے جا رہے تھے۔

لا الٰہ الا اللہ ......

ملٹری پولیس بڑی کوششوں سے اور بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ رستہ بنا رہی تھی۔ پھاٹک کے قریب ایک کھلی جگہ پر قطاریں بن رہی تھیں۔ فوج کے دستے اور ملٹری کالج کے کمانڈنٹ بریگیڈیئر مقصود الحسن' سٹیشن کمانڈر اور کئی افسر شہید کو فوج کی طرف سے آخری سلامی دینے کے لئے پہنچ چکے

تھے۔ میجر جنرل اسکندر الٰہی رانا بھی جنہوں نے' شہید کو گود میں کھلایا ہوا تھا' حاضر تھے۔ میجر جنرل آغا احمد علی بھی شہید کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے موجود تھے۔ میجر ماجد شیرازی' او سی ایم پی نے قریب جی ٹی روڈ پر ٹریفک بند کرادی۔

جنازہ پڑھایا گیا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ اتنا بڑا جنازہ اس سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملا۔

جنازے کے بعد بلوچ رجمنٹ کا ایک دستہ آگے بڑھا۔ شہید کو سلامی دی۔ اور باوقار جوانوں نے تابوت کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ فوجی طریقے سے چلتے ہوئے' آہستہ آہستہ!

تابوت ان کے کاندھوں پر آخری آرام گاہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگوں کا ہجوم' جن میں خاندان کے افراد' جاننے والے' انجانے' سبھی خاموش آگے ساتھ ساتھ بڑھتے گئے۔ کوئی بھی واپس نہ گیا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ آخری وقت تک ساتھ دے۔ قبر کے قریب تابوت ایک دفعہ پھر چارپائی پر رکھ دیا گیا۔ ملٹری پولیس نے چار پائی کی دونوں طرف قطاریں بنوا کر آخری بار شہید کی زیارت کے لئے اجازت دی۔ سر کی طرف میں' سمیع' ضرار اور ہارون کھڑے ہو گئے۔ سب کی نظریں اس خوبصورت جنتی چہرے کی طرف تھیں جو اب چند منٹوں کے بعد روپوش ہونے والا تھا۔ ایک اجنبی بزرگ جن کی عمر کوئی اسی سال تھی' قطار میں آگے بڑھے اور رک گئے۔ ملٹری پولیس والوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔ شہید کے منہ کے قریب جھکے اور کہا۔

"بیٹے! جب تمہاری ملاقات رسول کریم ﷺ کے
ساتھ ہو تو میرا سلام عرض کر دینا۔"

اتنا کہا اور ایک طرف چلے گئے۔ ان کو دوبارہ کسی نے نہ دیکھا۔
زیارت ختم ہوئی۔

تابوت کا ڈھکنا بند ہونے سے پہلے ملک محمد اشرف نے منہ کو خانہ کعبہ کی طرف کر دیا۔ تقریباً" ۴۵ گھنٹے ہوئے تھے اسے شہید ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ آنکھوں میں چمک بدستور تھی آنکھوں کے قرنیئے جو کہ ۸ سے ۱۲ گھنٹے میں دھندلا جاتے ہیں' شفاف تھے۔ موت کے بعد ایک عام انسان کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل جاتی ہیں۔ شہید کی نہیں پھیلی تھیں۔ شہید کا چہرہ قرآن کریم کی تفسیر تھا۔ قرآن' جو کہہ رہا تھا۔

"جو میری راہ میں قتل ہوئے ہوں' ان کو مردہ مت کہو' وہ زندہ ہیں اور رزق پا رہے ہیں۔ مگر تمہیں اس بات کا شعور نہیں۔"

تابوت کو فوجی جوانوں' ملک محمد اشرف' چھوٹے بھائی ہارون اور بہنوئی اکمل صدیقی نے لحد میں اتارا۔ سب نے عقیدت و احترام سے مٹی ڈالی۔ پھولوں کی بارش ہوئی۔ بلوچ رجمنٹ کے دستے نے فائرنگ کرکے اور بگل بجا کر آخری سلامی دی۔ کئی ایک کے ہاتھ غیر ارادی طور پر سلامی کی حالت میں اٹھ گئے۔ تلاوت قرآن قبر پر حافظ شہزاد اور حافظ محمد یوسف نے کی۔ دعا ہوئی اور شہید کی باتیں کرتے ہوئے ہم واپس ہوئے۔ جواں دوست تنظیم نے جو کہ ایک رفاہی ادارہ ہے' پھولوں کی چادر چڑھائی۔ جس پر لکھا تھا۔

"سلام تیری عظمت پہ اے وطن کے شہید!"

شہید معظم' شاید کوئی بہت بڑا فوجی معرکہ تو سر نہ کر سکا۔ مگر اس کی عظمت تھی وہ طلب' شہادت کی وہ خواہش جو تیرہ چودہ سال کی عمر سے ہی اس کے دل میں جاگزیں ہو گئی۔

حتیٰ کہ اس کی اپنی ڈائری پر' اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی جنرل کے ایم عارف کی آزاد نظم' جو شہید کے بارے میں ہے' اس کی قبر کی زینت بنی۔

سرسراتی ہواؤں کو پیغام دو
ایسی راہوں سے جب تم گزرنے لگو

سو رہا ہے جہاں اک شہید وطن
اک لگن میں مگن عاشقی کا رتن
اک امٹ روشنی، ایک امر بانکپن

سربہ سجدہ ہے جو
باوضو، بے کفن

دست بستہ دبے پاؤں چلنا وہاں
لڑکھڑانا نہیں
ڈگمگانا نہیں
یہ ادب آستاں
خاک پر آسماں
محور عشق میں سوچنا، گھومنا
وجد میں جھومنا
اور تعظیم میں
خوں سے لتھڑی ہوئی آستیں چومنا
اپنے سر کو جھکا کر زمیں چومنا
سرفروشی کی خاک جبیں چومنا!

شہید معظم کی جوانمردی اور جذبہ شہادت سے متعلق یونٹ کے کمانڈنگ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل محمد محمود بٹ صاحب نے اپنے خصوصی حکم نامہ یعنی Part one order کے ذریعے اظہار خیال کیا ہے جو کہ منسلک ہے۔

خصوصی حکم نامہ

بحکم

لیفٹیننٹ کرنل محمد محمود بٹ

پی ایس سی کمانڈنگ آفیسر، ۳۵ پنجاب رجمنٹ (حاوی)

کیئر آف ایف پی یو۔ ۸

"سیاچن والنٹیئرز"

بروز جمعہ المبارک، ۱۹ مئی ۱۹۹۵ء

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں انہیں مردہ مت کہو۔
بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں۔" (القرآن)

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت ، نہ کشور کشائی

حاوی کے تمام افسران، سردار صاحبان اور جوان اپنے ہر دلعزیز و جوانمرد ساتھی PA-31464 لیفٹیننٹ معظم علی بلوچ کی شہادت پر اپنے سر بطور فخر بلند کرتے ہیں۔ لیفٹیننٹ معظم علی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے ملک و ملت کی بقاء کی خاطر اپنی قیمتی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ پاکستان ملٹری اکیڈمی میں ان کی عسکری اور قائدانہ صلاحیتوں کے اعتراف میں ان کو کمپنی جونیئر انڈر آفیسر کے عہدے سے نوازا گیا۔ اسی طرح شہید لیفٹیننٹ معظم علی بلوچ نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو پاک آرمی میں ریگولر کمشن حاصل کرنے کے بعد "حاوی" میں شمولیت اختیار کی اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور ان تھک محنت کی بدولت عسکری حلقوں میں اپنا مقام بنایا۔ "سیاچن والنٹیئرز" کے اس جذبہ شہادت سے سرشار جانباز نے سیاچن میں اپنے سیکٹر کی بلند ترین پوسٹوں پر رہنے پر ہمیشہ اصرار کیا۔ دشمن کی شدید گولہ باری کے دوران اپنی

جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمن کی پوسٹوں پر جوابی فائر کروا کے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتا رہا۔ اس کی جوانمردی ماتحت جوانوں کے بلند حوصلے کا موجب تھی۔

۱۵ مئی ۱۹۹۵ء کو دشمن کا راکٹ لگنے سے رتبہ شہادت کا ارفع و اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون O

لیفٹیننٹ معظم شہید ایک نڈر' بے باک اور دلیر آفیسر تھا۔ اس نے اپنے استقلال' جوش و ولولہ اور جذبہ ایمانی کے باعث یونٹ کے اندر ایک نمایاں مقام پیدا کیا۔ ان کی ایمانداری' فرض شناسی اور حق گوئی "حاوی" کے تمام ارکان کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ !

ہم سب بارگاہ ایزدی میں سربہ سجود ہو کر دعاگو ہیں کہ وہ ہمارے جواں مرد شہید کو اپنی قربت کی منازل طے کرائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

مزید دعاگو ہیں کہ قادر مطلق ہم سب کے حوصلوں میں پختگی اور بلندی پیدا فرمائے۔ تاکہ ہم اپنے دین اور ملک و ملت کے ازلی دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ اور اس شہادت کے بدلے میں انہیں جہنم کی پستیوں تک پہنچائیں۔ آمین ثم آمین!

کیپٹن ایڈجوٹینٹ

محمد اعجاز خان

پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کے متعلق جان کر' پڑھ کر' ان کے ساتھ رہ کر' مجھے ایئر فورس کے ایک شاعر کا' جن کا نام نامی میرے ذہن سے

نکل گیا' ایک شعر یاد آگیا ہے۔

سو جاؤ عزیزو کہ فصیلوں پہ ہر اک سمت
ہم لوگ ابھی زندہ و بیدار کھڑے ہیں

جناب غضنفر عباس فاروقی اپنی کتاب "سیاچن کی سرحد پر" میں لکھتے ہیں۔

"یہ داستان در اصل دفاع وطن کے عزم سے سرشار' پاک فوج کی داستان ہے۔ جس کا ہر فرد' خالد' طارق اور صلاح الدین کی روایات کا امین ہے۔ دنیا میں جب بھی عزم و وفا کا تذکرہ ہوگا' پاک وطن کے ان جیالوں کی داستانیں دہرائی جائیں گی' اور زمانہ ان کی عظمتوں کو خراج تحسین پیش کرتا رہے گا۔

انہی کے دم سے دنیا میں وفا کا نام ہے زندہ
جناح کا خواب اور اقبال کا پیغام ہے زندہ
انہی کے خون سے قرآن اور الہام ہے زندہ
محمد مصطفیٰ کا دین حق اسلام ہے زندہ
جو اپنی جان پر کھیلے برف زاروں کی سرحد پر

یہ داستان جرات میں اس لیٹر پیڈ کے الفاظ پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو معظم نے پی ایم اے میں زیر تربیت ہونے کے دوران اپنے لئے چھپوایا تھا۔ جس کے ہر ورق پر سرنامہ کے طور پر یہ لکھا تھا۔

We die so that you may live.

معظم شہید! گواہ رہنا!

ڈاکٹر یوسف کے پھوپھی زاد، محمد شریف ملک کے تاثرات

آج سے کوئی ڈیڑھ صدی قبل روہتاس دیلی میں ایک ایسی ہستی نے جنم لیا جو بعد میں مولوی فتح محمد کے نام سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچی۔ ورنیکلر مڈل سکول میں ہیڈماسٹر کی حیثیت سے تعلیم کی وہ روشنی پھیلائی جس کی چمک سے علاقہ کے بے شمار خاندان فیضیاب ہوئے۔ اور آج پروقارزندگی گزار رہے ہیں۔ مولوی فتح محمد کی بے لوث خدمات کی بدولت ان کا نام علاقہ میں رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ اور یہی ایک نام ہمارے خاندان کا سمبل بن گیا۔

مولوی صاحب کے فرزند ارجمند ملک نجیب اللہ صاحب نے سول انجینئرنگ میں تعلیم حاصل کی۔ اور دوران ملازمت تھل کنال۔ ایم آر لنک جیسے شاندار پراجیکٹ احسن طریقہ سے مکمل کرکے محکمہ انہار میں نام پیدا کیا۔ اس شاندار کارکردگی کی بنا پر ایگزیکٹو انجینئر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد علاقہ کے لئے گورنمنٹ کے مختلف محکمہ جات میں اپنا اثر و رسوخ استعمال میں لاتے ہوئے دینہ روہتاس روڈ کی تعمیر کا، علاقہ کو بجلی اور ٹیلی فون کی سہولیات پہنچانے کا، باعث ہوئے۔

تعلیمی میدان میں مڈل سے ہائی سکول کا درجہ دلانا انہی کے مقدر میں قدرت نے لکھ رکھا تھا۔ مرحوم نے سوشل ویلفیئر کی تنظیمیں قائم کر کے بیواؤں اور یتیم بچوں کی پرورش کے منصوبے بنائے' بے روزگار افراد کو بلا تفریق روزگار مہیا کرائے۔ جہلم شہر کی رفاہی تنظیموں میں بھرپور حصہ لیا۔ انجمن اسیراں کی صدارت کے فرائض کئی سال تک انجام دیتے رہے۔ اور قیدیوں کی فلاح و بہبود کے لئے آخری لمحوں تک کوشاں رہے۔ یہی ان کی زندگی کا لائحہ عمل رہا۔ خود تکلیف اٹھا کر حاجت مندوں کی حاجت روائی کر کے دلی سکون محسوس کرتے۔

۲۶ جنوری ۱۹۹۴ء کو رحلت فرما گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ○

ملک نجیب اللہ (میرے ماموں) ہی کے ایک فرزند یوسف اختر ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے فوج میں بھرتی ہوئے۔ اور میجر کے عہدے سے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد دکھی انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ ایک کلینک اپنے دادا جی کے نام پر فتح کلینک کھولا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں حسن اخلاق سے جہلم اور گرد و نواح میں نام پیدا کیا۔ اب تمام علاقہ میں محترم اور شفیق ڈاکٹر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ اپنے آباء کے مشن کو زندہ رکھا ہے اور سماجی بہبود کے کاموں میں بھی خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔

۱۹۸۵ء میں ایک ادارہ "القاسم انسٹی ٹیوٹ" کی بنیاد رکھی۔ جہاں ذہنی طور پر معذور بچوں کی تربیت ہوتی ہے۔ یہ ادارہ پنجاب بھر کے اچھے سکولوں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کی عوامی خدمات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ انشاء اللہ چراغ سے چراغ جلتا رہے گا۔

برادرم یوسف اختر کے گھر (الکرک' اردن) میں پیدا ہونے والے معظم

علی نے بہت تھوڑے عرصے میں زندگی میں وہ مقام حاصل کرلیا جو اس خاندان کو بام عروج پر لے گیا۔ اور شوق شہادت میں کیپٹن معظم علی نے سیاچن محاذ پر ۱۵ مئی ۱۹۹۵ء کو اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

ڈاکٹر یوسف اختر میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔ اور تقریباً ۱۹۸۰ء سے میرے پڑوس میں رہائش پذیر ہیں۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ خاندان میں سب سے زیادہ میں نے ہی ان کی قربت میں وقت گزارا ہے۔ میں ان کا روز کا ہمسفر بھی ہوں۔ میں نے ان کے بچوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ سب بچے معصوم صورت اور بھولے بھالے ہیں۔ لیکن معظم علی شہید ایک منفرد قسم کا انسان تھا۔ جو میرے لئے ایک معمہ بنا رہا۔ اور میں اسی سوچ میں رہتا کہ یہ کیا ہے؟ اور کیا بنے گا؟

میں ایک حقیقی واقعہ لکھ رہا ہوں کہ اس کی طالب علمی کے زمانے میں میں نے کئی دفعہ خواب دیکھا کہ میرے ڈرائنگ روم میں اس کی فوجی وردی میں بہت ہی خوبصورت فوٹو ہے۔ حالانکہ میرے گھر میں کسی قسم کی فوٹو رکھنے یا آویزاں کرنے کا رواج بھی نہیں۔ عزیزم معظم علی ملٹری کالج اور پی ایم سے فارغ ہو کر واقعی فوجی افسر بنا تو مجھے پہلے خواب کو پورا کرنے کا خیال ہوا۔ معظم علی سے فرمائش کی تو اس نے اپنی ایک فوٹو دیدی جسے میں نے اپنے گھر کے ایسے کمرے میں رکھ دیا جہاں آتے جاتے اس پر نظر پڑتی رہے۔

اس کے بعد وہ سیاچن چلا گیا۔ اس کے کچھ کر گزرنے کے اطوار دکھائی دینے لگے۔ گھر آتا تو ضرور ملتا۔ جاتے وقت مل کر جاتا اور میں اسے سینے سے لگا کر پیار کیا کرتا۔ نہ معلوم کیوں؟

خداوند کریم کا وعدہ ہے کہ جس پر آیت الکرسی تلاوت کی جائے وہ چیز اس کے تحفظ میں آجاتی ہے۔ معظم علی کے سیاچن جانے کے بعد بلاناغہ رات کو سونے سے پہلے درود شریف سے پہلے اور مابعد پانچ دفعہ آیت الکرسی پڑھتا۔

نماز کے بعد دعا کرتا کہ

"اے اللہ! اس کو اپنی امان میں رکھ۔"

اس سلسلے کو سوا سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ لیکن یہ علم نہ ہوسکا کہ خداوند قدوس کے نزدیک کسی کو تحفظ میں لینے کا یہ بھی ایک انداز ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۹۵ء کو میری اہلیہ کو حج پر گئے سولہ دن ہوگئے تھے کہ رات کو فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے اسے الارم کی کال سمجھ کر' رسیور اٹھا کر پھر رکھ دیا۔ ایک منٹ بعد دوبارہ گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔ میں نے رسیور اٹھایا تو رابطہ منقطع پایا۔ پریشانی ہوئی کہ خدانخواستہ اڑوس پڑوس میں کوئی گڑ بڑ نہ ہو۔ اور کسی نے فون کیا ہو جو قطع کردیا گیا۔ اسی تجسّس میں باہر پھرتا رہا۔ کچھ بھی نہ تھا۔ الغرض' باقی رات بے چینی میں گزاری۔

صبح ہوئی تو اس کا ذکر اپنی بیٹی عامرہ سے کیا کہ جب سے تمہاری امی حج کو گئی ہے' آج رات بے چینی میں گزاری ہے' اللہ خیر کرے۔ اس نے یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ ابھی کل ہی تو امی کا فون آیا تھا کہ حج کے ارکان سے بخیریت فارغ ہو چکی ہیں۔

پھر تیار ہو کر بھائی اختر کے ساتھ دوکان پر آگیا۔ دس ساڑھے دس بجے بھائی اختر کا فون آیا کہ معظم سیاچن محاذ پر دشمن کا راکٹ لگنے سے زخمی ہوگیا ہے۔ رات کے حالات سامنے آئے اور بے چینی کی کیفیت بھی۔ در اصل معظم "زخمی" نہیں' شہید ہو چکا تھا۔ یہ خیال تو اکثر آیا کرتا تھا کہ معظم شہادت کے رتبہ کا متمنی ہے۔ لیکن اس چھوٹی سی عمر میں' اتنی تیز رفتاری سے؟ اس کا وہم تک نہ تھا۔

۱۶ مئی ۱۹۹۵ء......

دوپہر کا وقت ہے۔

کالاگوجراں کی فضا میں سپیکر پر آواز گونجتی ہے کہ

"معظم شہید آرہے ہیں۔"

پھر کیا تھا' شہید کے گھر کے سامنے لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے۔ اپنے آئے' پرائے آئے' شہری آئے' دیہاتی آئے' خویش آئے' درویش آئے'...... عوام آئی' فوج آئی' اور عظیم روڈ پر ایک جم غفیر دکھائی دینے لگا۔

تین چار بجے کے درمیان معظم شہید آئے ہیں۔

کیا شان و شوکت ہے۔ ملٹری پولیس کی جیپ ہوٹر دیتی ہوئی اعلان کرتی ہوئی کہ ہم آگئے' پہنچ جاتی ہے۔ ایمبولینس میں آرام فرما شہید کے تابوت کو سب سے پہلے میں نے اٹھایا۔ ہم اسے بیت الیوسف لے گئے۔

معظم شہید! گواہ رہنا کہ سب سے پہلے تمہارے تابوت کا کنڈا میں نے کھولا' سب سے پہلے میں نے تجھے دیکھا۔ اور بوسہ دیا۔

۱۷ مئی ۱۹۹۵ء کو شہید کے جنازہ کو صرف ایک دفعہ کاندھا دیا اور پھر ہجوم نے دوبارہ آگے آنے کا موقع ہی نہ دیا۔

لحد میں شہید کو میں نے ہی اتارا۔ شہید کے چہرے کا رخ قبلہ رو میں نے ہی کیا۔ اور آخری بوسہ بھی دیا۔ اپنے بوڑھے ہاتھوں سے "پڑیاں" رکھیں' گارا لگایا۔ یہ سب اعزازات مجھے ملے۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں!

اسی لئے بارگاہ ایزدی سے امید رکھتا ہوں کہ میرا شہید معظم' کم از کم' ان دس افراد میں ضرور شامل کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جہنم واجب

شدہ کو جنت میں ساتھ لے جائے گا۔

معظم شہید! تم اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق زندہ ہو' رزق دیئے جاتے ہو مگر ہم شعور نہیں رکھتے۔ واقعی تم زندہ ہو۔

بائیس تیئس سال کی عمر میں تم نے وہ مقام حاصل کر لیا ہے جو خاندان میں آج تک کسی کو نہیں ملا۔ سب سے مقدم ہوگئے۔ ہماری اولادوں میں تم ہی وہ پہلے جوان ہو' جو جدا ہوئے تو بڑی آن سے' بڑی شان سے۔

سدا خوش رہو..... ہمارے سب ارمان دھرے کے دھرے رہ گئے۔ لیکن معظم' ایک بات سنو یار! تمہارا مرتبہ بہت بلند ہوا۔ تم منوں مٹی تلے بھی زندہ ہو۔ خدا کے قریب ہو۔ فخر ہے تمہارے ماں باپ کو' سب خاندان کو' تمہارے احباب کو'

معظم تمہاری شہادت پر تمہارے ابو' امی لوگوں سے مبارک باد لیتے رہے اور صبر و استقامت کا پیکر بنے رہے۔ والدین تمہارے شہید ہونے پر' درجات بلند ہونے پر فخر تو کرتے ہیں۔ مگر ان سے کون پوچھے کہ ان کا بیٹا' سب سے پیارا بیٹا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا ہے۔ تیری جدائی نے ان کو اندر سے کرچی کرچی کر دیا ہے' وہ ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔

معظم! ان کے حق میں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے یقینی کی حالت سے نکال لے اور صبر و استقامت بخشے۔ تم دعا کرو۔ میں آمین کہتا ہوں۔ ثم آمین!

یہ سعادت تمہارے مقدر میں تھی اور امتحان گاہ ایمان میں کوہ استقلال ثابت ہو کر تم نے رضائے خداوندی کی سند حاصل کر لی۔ ہم فخر کیوں نہ کریں؟

نہ جانے کیوں بار بار یاد آتے ہو!

غازی صلاح الدین ایوبی کے مزار پر

شہید کے لئے دعا!

شہید کی والدہ' شفیقہ یوسف کی چشم نم!

س: آپ کا نام شفیقہ ہے۔ شہید آپ ہی کے جسم و جاں کا ایک حصہ تھا۔ کہیں آپ کی زندگی کا سفینہ آنسوؤں کے دریا میں تو نہیں بہہ رہا؟

ج: آخر ماں ہوں۔ دکھ تو ہے۔ اندر سے ٹوٹ کر رہ گئی ہوں۔ معظم کی تصویر آنکھوں کے سامنے سے نہیں ہٹتی۔ ذرا وقت ملے تو اس کی زندگی کی فلم آنکھوں کے سامنے چلنے لگتی ہے۔ بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھی آجاتے ہیں۔ لیکن شروع دن سے' اس کی پیدائش کے وقت سے مجھے احساس تھا کہ یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں ہے۔

س: یہ احساس کیسے شروع ہوا؟

ج: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے 'معظم الکرک' اردن میں پیدا ہوا تھا۔ اس زمانے میں ہماری پوسٹنگ پاکستان کے میڈیکل مشن کے ساتھ اردن میں تھی۔ معظم کی پیدائش سے پہلے ڈاکٹر صاحب کی بہن نے معظم کے بارے جو خواب

دیکھا وہ آپ سن ہی چکے ہیں۔ الکرک کے ہسپتال کے فیملی وارڈ میں معظم کی پیدائش کے وقت میرے پاس میجر اسکندر الٰہی رانا کی بیگم تھیں۔ اس کی پیدائش کے بعد اسے نہلایا بھی نہیں گیا تھا کہ مسز رانا کہنے لگیں۔ بہن' بچے کو دیکھیں' اس کے ماتھے پر چاند چمک رہا ہے۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پہلی بار اسے گود میں لیا تو واقعی اس کی پیشانی چمک رہی تھی۔

گھر آکر جب بیگم میجر (حال میجر جنرل) اسکندر الٰہی رانا نے' جن کو ہم باجی کہتے تھے' بچے کو نہلایا تو کہنے لگیں۔

"شفیقہ! دیکھو' معظم کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ہے اور یہ آنکھیں تم دونوں میاں بیوی کی آنکھوں سے مختلف ہیں۔"

اور تین یا چار دن کے بعد جب میں نے خود نہلایا تو معظم کے ماتھے پر چاند کی طرح چمک دار لکیر سی تھی جو کہ چند دن کے بعد غائب ہوگئی۔

س: بچپن کی کوئی خاص بات؟

ج: وہ عام بچوں کی طرح ضدی نہ تھا۔ ضد کر کے رونے کی عادت نہ تھی۔ جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ چاہے غلطی بھی کر بیٹھتا' سچ بول دیتا تھا۔

س: معظم کے دل میں شہید ہونے کی جو شدید آرزو تھی اس کی توجیہہ کیا ہے؟ آپ کے ماحول میں' گھر میں وہ کون سے عناصر تھے جنہوں نے اس کے دل میں بہت واضح طور پر غیر معمولی شدت سے یہ آرزو پیدا کی؟

ج: میں سمجھتی ہوں کہ یہ تڑپ اللہ کی دی ہوئی تھی۔ اس کی کوئی اور توجیہہ نہیں کی جاسکتی۔ ماحول کی بات یہ ہے کہ ہمارے گھر کا کلچر دینی ہے۔ معظم کے دادا سراپا احسان و ایثار تھے۔ انہوں نے خاص طور سے تعلیم کے حوالے سے اپنے علاقے روہتاس کے لئے جو کچھ کیا وہ تاریخی اثاثے کی حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے سچے' کھرے اور دردمند انسان تھے۔ ان کی دینداری اور انسان

دوستی ہمارے در و دیوار میں بسی ہوئی ہے۔ مجھے خود بچپن سے مطالعہ کا شوق ہے۔

س: کس قسم کی کتابیں آپ شوق سے پڑھتی رہی ہیں؟

ج: اسلامی اور تاریخی' مجھے یاد ہے جس زمانے میں معظم پیدا ہوا' میں نسیم حجازی کے اسلامی تاریخی ناول بڑے ذوق و شوق سے پڑھ رہی تھی' خاص طور سے "معظم علی----اور تلوار ٹوٹ گئی" نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان میرا ہیرو رہا ہے۔ ٹیپو ہی کو میں معظم سے Discuss کیا کرتی تھی۔

س: معظم نے زندگی کے کس مرحلے پر شہادت کو اپنی منزل مقصود بنایا؟

ج: یقین سے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ شوق شہادت کا پہلا اشارہ وہ تھا جب اس نے اپنے کمرے کی الماری پر یہ شعر لکھ کر لگایا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اس وقت وہ کلاس IX میں تھا۔ انہی دنوں اس کے کمرہ میں ایک اور پوسٹر نمودار ہوا جس میں سرخ روشنائی سے لکھا تھا۔

"شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

یہ قول سلطان ٹیپو کا ہے۔ یقیناً" اس نے ناول "اور تلوار ٹوٹ گئی" پڑھا ہوگا۔ "معظم علی" بھی پڑھا ہوگا۔ اور اپنے نام کے حوالے سے اس نے گہرا اثر قبول کیا ہوگا۔

س: ایسا معلوم ہوتا ہے' معظم نے اپنے آپ کو سلطان ٹیپو کے ساتھ Identify کر لیا تھا۔

ج: میرا یہی خیال ہے کہ اس زمانے میں اس نے فوج میں جانے کی خواہش کا اظہار کرنا شروع کیا۔ جس میں بتدریج شدت آتی گئی۔ اگلے سال ۱۹۸۸ء میں جب وہ میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوا تو ایک رات کھانے کے

بعد اس کے بہن بھائی، میں اور اس کے ابو، سب بیٹھے تھے کہ اس کی بہن اسماء نے اس کے میڈیکل میں جانے کی بات کی۔ چونکہ اس کے ابو ڈاکٹر ہیں اس لئے ہماری بھی خواہش یہی تھی کہ وہ پری میڈیکل میں داخلہ لے اور ڈاکٹر بنے۔ لیکن معظم نے صاف انکار کردیا۔

"مجھے ڈاکٹر نہیں بننا۔"

"کیوں، کیا برائی ہے ڈاکٹر بننے میں؟ میں ڈاکٹری نہیں پڑھ رہی؟" اسماء نے قدرے جھنجلا کر کہا۔ اس کے جواب میں معظم نے ہنس کر بڑے پیار سے کہا۔

"میری لاڈو بہن ! تمہارا دل چاہتا ہے ڈاکٹر بننے کو
تو شوق سے بنو، میرا دل نہیں چاہتا، مجھے شہید ہونا ہے۔
میں فوج میں جاؤں گا۔ افسر بنوں گا، جان دوں گا۔ میری
منزل کچھ اور ہے۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے دو ٹوک الفاظ میں شہید ہونے کو کہا۔ جس میں بعد کو شدت آتی گئی۔

اسی سال ملٹری کالج، جہلم میں ایف ایس سی میں داخلہ، اس نے اپنی مرضی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اپنے شوق سے لیا۔ جب کالج سے کال اپ لیٹر ملنے میں ذرا دیر ہوئی تو وہ بے چین ہوا۔ جب کال اپ لیٹر آیا تو وہ پھولا نہ سماتا تھا۔ داخلے کے بعد جو پہلا فون اس نے گھر پر کیا، اس کا پہلا جملہ یہ تھا کہ:

"مجھے ٹیپو ہاؤس ملا ہے، یہ اچھی ابتداء ہے۔
میں اپنی منزل کی طرف چل پڑا ہوں۔"

وہ ملٹری کالج سے فارغ ہوا تو پی ایم اے جانے کے لئے تڑپنے لگا۔

س: کیا یہ تڑپ کمشن کے لئے تھی؟

ج: نہیں، میرا خیال ہے، اسے کمشن کی نہیں، شہادت کی تلاش تھی جو

فوج میں جانے سے ہی پوری ہوسکتی تھی۔ کمشن کے بعد وہ انفنٹری کورس کوئٹہ گیا تو واپسی پر کوئٹہ سے جو اونی کمبل لایا اس پر شیر بنا ہوا تھا۔ جس کسی نے انسانی نفسیات کا تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہوا ہے وہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ شیر کے Image کا کمبل اس نے کیوں منتخب کیا۔

س: بچے ماں سے لاڈ کرتے ہیں' طرح طرح کی فرمائشیں کرتے ہیں۔ معظم کی فرمائش کیا ہوتی تھی؟

ج: ملٹری کالج کے لئے Select ہونے کے وقت سے اس کی ایک ہی دھن تھی' شہادت' شہادت' جس میں پی ایم اے میں جا کر مزید اضافہ ہوا۔ سیاچن کی پوسٹنگ پر اس کی غیر معمولی خوشی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ جنگ کا علاقہ تھا۔ یہاں اس کی دلی آرزو پوری ہوگی۔ اسماء کی شادی پر سیاچن سے آیا۔ ہمارا ارادہ اپریل مئی تک خود اس کے نکاح کرنے کا تھا۔ وہ ان دنوں مجھ سے بھی اور بھائی بہنوں سے بھی شہید ہونے کی باتیں کرتا رہا۔ چلتے چلتے بڑے لاڈ سے کہنے لگا۔

"ماں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ آپ کو میری
خوشی چاہیے نا۔"

میں نے کہا' "ہاں' کیوں نہیں۔ ہر ماں اپنے بیٹے کی خوشی چاہتی ہے۔"
"تو آپ میری خوشی کے لئے دعا کیجئے۔
آپ دعا کیوں نہیں کرتیں؟
مجھے شہادت چاہیے۔"

آخر میں ایک اور بات یاد آئی۔ جب معظم دو سال کا تھا تو میں دمشق میں صلاح الدین ایوبی کے مزار پر گئی تھی اور خاص طور پر معظم کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ صلاح الدین ایوبی کے عظیم کارناموں کو میں یاد کر رہی تھی۔ اس وقت بے اختیار میرا دل چاہا تھا کہ میرا بیٹا بھی صلاح الدین ایوبی کے نقش قدم

پر چلے۔

آخر میں دو تین باتیں مزید گوش گزار کرنا چاہتی ہوں۔

معظم آخری دفعہ چھٹی آیا تو میں نے کہا کہ بیٹے میں نے ایک حدیث شریف میں پڑھا ہے' آقائے دو جہاںؐ نے فرمایا کہ اسلامی مملکت کی سرحدوں پر ایک رات کی ڈیوٹی ستر راتوں کی عبادت سے افضل ہے۔ اور تمہیں تو ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے۔ یہ سن کر معظم کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ اور وہ مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

معظم کی شہادت سے چند ماہ پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شیر ہمارے گھر آتا ہے اور بکریوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ کچھ کو بھگا دیتا ہے اور کچھ ماری جاتی ہیں۔ اس کے بعد شیر کچن میں ایک لکڑی کی الماری میں لیٹ کر سو جاتا ہے۔ اس کو اٹھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ وہ نہیں اٹھتا۔ اس خواب پر کافی حیران ہوتی رہی۔ مگر شہادت کے بعد مجھ پر عیاں ہوا اور جیسا کرنل محمود صاحب' سی او ۳۵ پنجاب کے پارٹ ون آرڈر سے بھی ظاہر ہے اور شہید کے ایک اور ساتھی افسر نے بھی لکھا' شہید بڑا نڈر دلیر تھا اور لڑائی کے دوران دشمن کو کافی نقصان پہنچاتا رہا۔ اور پھر شہادت کے بعد تابوت میں لیٹ کر گھر آیا۔

تیسری اور آخری بات جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔ میں روزانہ تہجد کے بعد شہید کی حفاظت کے لئے ایک تسبیح پڑھا کرتی تھی۔ ۱۵ مئی ۱۹۹۵ء سے تین دن پہلے یعنی ۱۲ مئی سے تسبیح پڑھنے کا ارادہ کرتی تو مجھے نیند آ جاتی یا تسبیح ہاتھ سے چھوٹ جاتی۔ اس طرح آخری تین راتیں شاید اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ نے تسبیح پڑھنے سے روک دیا۔

س:

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے

جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

آپ کا بیٹا لذت آشنائی سے آشنا ہوگیا تھا۔ جب ہی تو وہ دو عالم سے بیگانہ ہوگیا تھا۔

تعزیتی خطوط اور پیغامات

شہید معظم کی عظمت نے مجھ جیسے انسان کو بھی عزت دلوادی- اور معظم کا مزار تو اب انجانے لوگوں کی آمد و رفت کا مرکز بن چکا ہے- اس سے گزرتے ہوئے لوگوں کے ہاتھ خود بخود دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں-

خالق کائنات نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا-

"تو میرا ذکر کر- میں تیرا ذکر کروں گا-"

وہ اپنے نیک بندوں کا ذکر اپنے بندوں سے کرواتا رہتا ہے-

☆

معظم کے ایک دوست کیپٹن آغا اسد نے اپنے خط ۱۷ مئی ۱۹۹۵ء میں لکھا ہے:

Dear Uncle,

It was a shock for me on hearing the news of the SHAHADAT of Moazzam. He was one of the best officers's of 35 Punjab, he was thorough gentleman and a very fine officer.

Uncle! Moazzam is alive in our hearts and he will remain in our hearts through out our lives. I pray to Almighty Allah to bless the departed soul with eternal peace and grant you and your family the strength to bear the shock Ameen.

علی احمد بنگش جو کہ سٹیٹ لائف کے ایریا منیجر ہیں' ہنگو کوہاٹ کے' ایک پاکستانی مسلم ہونے کے ناطے اپنے خط مورخہ ۱۸ مئی ۹۵ء میں رقمطراز ہیں۔

"آج کے اخبار جنگ پنڈی میں آپ کے ہونہار اور بہادر بیٹے کی شہادت کی خبر پڑھی تو اجنبی ہوتے ہوئے بھی خط لکھنا ضروری سمجھا۔ شاید یہ شہید کی اپنی برکت ہو۔ اللہ تعالیٰ شہید کی قربانی قبول فرمائے اور آپ سب کو صبر عطا فرمائے۔"

جب تک نہ جلیں دیپ شہیدوں کے لہو سے
کہتے ہیں کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوتا

☆

لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد ملک ہیڈکوارٹرز ۱۰ کور' چک لالہ
مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۹۵ء

"اگرچہ کسی عزیز کی رحلت اور دائمی جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت امر ہے۔ لیکن وہ شہادت کے اس بلند مرتبے پر فائز ہوئے جو ہر مسلمان سپاہی کا مقصد حیات ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات۔
بل احیاء و لکن لا تشعرون○

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو۔
بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو خبر نہیں۔

میری اور ۱۰ کور کے تمام افراد کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ غم برداشت کرنے کی طاقت اور حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین!"

جنٹلمین کیڈٹ یوسف جو ابھی اکیڈمی میں ٹریننگ کے مختلف مراحل طے کر رہے ہیں اور جنہوں نے شہید معظم سے ہدایات اور Guide Line لی' اپنے خط میں' جو انہوں نے اپنے والد ملک افضل صاحب کو ۱۹ مئی ۱۹۹۵ء کو لکھا' کہتے ہیں۔

"ابھی ابھی کسی دوست نے مجھے بتایا ہے کہ ڈاکٹر میجر یوسف صاحب کے بیٹے' سر معظم سیاچن میں شہید ہو گئے ہیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میجر صاحب کو مبارکباد دوں یا افسوس کروں۔ سر معظم واقعی ایک عظیم انسان تھے۔ PMA کے بارے میں سب سے پہلے مجھے انہوں نے گائیڈ کیا جسے میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ دل میں بہت سے جذبات پہلو بدل رہے ہیں۔ لیکن قلم میں لکھنے کی سکت نہیں۔ بس اتنا ہی کہوں گا کہ ایسے بیٹے کم ہی مائیں پیدا کریں گی۔ یہ مقام ہر انسان نہیں حاصل کر سکتا۔ اصل میں یہی لوگ ہیں جو خوش نصیب ہیں اور کامیاب بھی۔ ماں باپ' بہن بھائیوں کے لئے اس سے بڑی اور بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ شہید کے والدین اور شہید کے بہن بھائی کہلائیں۔ اس پر تو جتنا ناز کیا جائے' کم ہے۔ انہی کی قربانیوں کی وجہ سے آج ہماری عزتیں اور جانیں محفوظ ہیں۔ اور ہم آزاد ہوا میں سانس لے رہے ہیں۔"

☆

برادرم حسین احمد ضیاء نے لندن سے ۲۲ مئی ۱۹۹۵ء کو لکھا۔

"ہم سب کو باری باری جانا ہے۔ مگر اس دنیا میں آخرت کی کامیابی کسی

کسی کے نصیب میں آتی ہے۔ علامہ اقبال نے ایک مصرع میں داستان کہہ دی۔

صلہ شہید کیا ہے؟ تب و تاب جاودانہ!

ہمارے خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہمارے نانا جان مولوی فتح محمد مرحوم نے علم کا چشمہ جاری کیا۔ آپ کے والد محترم ملک نجیب اللہ مرحوم نے خدمت خلق میں زندگی گزار دی۔ آپ نے معذوروں اور مریضوں کی خدمت میں خاندان کو عزت بخشی۔ اور اب آپ کے بیٹے نے ملک و ملت کی آبرو اور عزت کے لئے اپنی جان پیش کردی۔ ہمیں آپ کے گھرانے پر فخر ہے۔ اور اس گھرانے کے خاندان پر احسانات قابل تعریف ہیں۔ خدا کرے شہید کی قربانی رنگ لائے اور ہماری قوم دشمن پر غالب آئے۔ اور ہمارے نوجوان سبق سیکھیں۔"

☆

میجر جنرل محمد عزیز خان،
ہیڈکوارٹرز فورس کمانڈ،
ناردرن ایریاز
مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۹۵ء

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی عطا کردہ دنیاوی نعمتوں میں سے ایک بیش بہا نعمت ہے۔ یہ فطری تقاضا ہے کہ جب ہمارا کوئی عزیز ہم سے جدا ہوتا ہے تو ہمیں سخت دکھ اور صدمہ پہنچتا ہے۔ گو کہ ہم جانتے ہیں کہ زندگی تو اللہ کا دیا ہوا عطیہ ہے۔ جسے اس نے مقررہ وقت کے بعد واپس لینا ہے۔ ہم پر یہ فرض عائد کر دیا گیا ہے کہ جب وہ ایسے عطیے دے تو ہم شکر ادا کریں۔ اور جب آزمائش میں ڈالے اور ان کو

واپس لے لے تو صبر کریں۔ مرحوم بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عطیہ تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ سب کو ایک قابل رشک' لائق مسرت صورت میں بخشا اور اب اجر عظیم' رحمت اور مغفرت کے عوض واپس لے لیا۔ مرحوم کی شہادت ہم سب کے لئے باعث فخر ہے۔ معظم علی (شہید) نے ہمیشہ اپنے فرائض منصبی نہایت لگن' محنت اور جانفشانی سے سرانجام دیئے۔ جس کی وجہ سے وہ سب کی نظروں میں قابل احترام تھے۔"

☆

کیپٹن عبدالرحمان عارف ۲۶ مئی ۱۹۹۵ء کو اپنے خط میں رقم طراز ہیں۔

"چند دن پہلے مجھے میرے پیارے دوست لیفٹیننٹ معظم کی شہادت کی خبر ملی۔ معظم اور میں نے چند ماہ پہلے ایک دوسرے کے ساتھ کچھ وقت اکٹھا گزارا۔ اس وقت کسے معلوم تھا کہ میرا عزیز دوست ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے بچھڑ جائے گا۔ آج جب کہ وہ ہمارے درمیان نہیں رہا' اس کی یاد ہمیں ہمیشہ آتی رہے گی۔ معظم کی شہادت پر افسوس کرنا کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں۔ ہمیں اپنے اس مجاہد پر فخر ہے کہ اس نے اللہ اور پاکستان کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ اس کی یہ قربانی ہمارے لئے مشعل راہ اور سرمایہ افتخار ہے۔"

☆

وزیر اعظم سیکرٹیریٹ (پبلک)

اسلام آباد

مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۹۵ء

محترمہ شفیقہ یوسف صاحبہ!

السلام علیکم و رحمہ وبرکاتہ

مجھے آپ کے فرزند لیفٹیننٹ معظم علی کی ناگہانی موت کی افسوس ناک اطلاع پا کر دلی صدمہ ہوا۔ آپ اس وقت جس کرب میں مبتلا ہوں گی مجھے اس کا پورا اندازہ ہے اور میں آپ کے غم میں برابر کی شریک ہوں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ ایسے لمحے بہت ہی کٹھن ہوتے ہیں لیکن ہر صورت میں انسان کو صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ کے فرزند ایک قابل فوجی افسر تھے جن کی موت نے ملک کو ان کی خدمات سے محروم کر دیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

آپ کی خیر اندیش
بے نظیر بھٹو
وزیر اعظم
اسلامی جمہوریہ پاکستان

☆

شہید کے ماموں محمد سمیع نے ۷ جون ۱۹۹۵ء کو کراچی سے لکھا۔

" اللہ تعالیٰ آپ کو بہت زیادہ صبر اور استقامت عطا کرے۔ آمین!

جس امتحان میں اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ڈال دیا ہے اس سے ہم جیسے کمزور انسان گر جاتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ کس قسم کا انسان تھا کہ کوئی لمحہ بھی اس کی یاد کے بغیر نہیں گزرتا۔ رات کو سونے تک اور صبح آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اس کا خیال۔ اس جیسے انسان شاید کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اس کو تو زندہ رہنا تھا۔ کیونکہ اس کی زیادہ ضرورت اس پاپی دنیا کو تھی۔ جیسا اس کا جذبہ تھا، وہ زندہ رہ کر زیادہ انسانیت کی خدمت کرسکتا تھا۔ بہر حال جو خدا کو

منظور- میں ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام بچوں اور خاندان کے تمام بچوں کو، نوجوانوں کو، معظم شہید کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے- آمین!

اس کا جذبہ ء ایثار، حب الوطنی، محنت، ایمانداری..... اللہ تعالیٰ سب بچوں کو اس کی توفیق عطا کرے- آمین!

اس کی کس کس خوبی کا ذکر کروں- وہ اس دنیا کا انسان نہیں تھا- شاید اسی لئے ہم سب کو چھوڑ کر چلا گیا ہے-"

☆

شہید کے ایک استاد میجر محمد بشیر نے، جو کہ شہید کو ملٹری کالج اور پاکستان ملٹری اکیڈیمی میں پڑھاتے رہے ہیں، اپنے خط مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۹۵ء میں لکھا-

"معظم علی کی شہادت! کیا لکھوں؟

انا للہ و انا الیہ راجعون ○

میرا ایک اچھا شاگرد اور ایک خوبصورت انسان تھا- خداوند تعالیٰ قبول فرمائے- آپ کو اور اہل خانہ کو حوصلہ اور استقامت دے- آمین!"

☆

شہید کے ایک اور استاد میجر وقار وڑائچ سیاچن کے ایک مقام گیاری سے ۸ جون ۱۹۹۵ء کو اپنے خط میں لکھتے ہیں-

"دعا ہے کہ آپ خیریت سے ہوں- کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہاں سے شروع کروں- سب سے پہلے تو یہی کہوں گا کہ کتنے عظیم اور خوش نصیب ہیں وہ والدین کہ جن کے بیٹے کیپٹن معظم علی بلوچ شہید جیسے ہوتے ہیں- جب

معظم یونٹ میں آیا تو میں یونٹ کا ایڈجوٹنٹ تھا۔ معظم کو بہت کچھ سکھلایا۔ کچھ ہی عرصہ بعد میں انفنٹری سکول کوئٹہ بطور Instructor پوسٹ ہوا۔ معظم میرے وہاں ہوتے ہوئے کورس کے لئے آیا۔ بہت محنتی تھا۔ اکثر میرے پاس کمرے میں پڑھنے کے لئے آ جایا کرتا۔ ہر Instructor نے اس کی تعریف کی۔ اچھا بلکہ بہت ہی عظیم انسان تھا۔ اس لئے جلدی چلا گیا۔ یہ دنیا تو ہم جیسے بدنصیبوں کے لئے ہے۔ چلا گیا۔ مگر جاتے ہوئے بہت ہی خوبصورت اور حسین یادوں کے انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ ایک ساتھی اور استاد ہونے کے ناطے سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں۔ اور استاد تو باپ ہوتا ہے۔ ہمیشہ یاد رہے گا۔ انشاء اللہ!

ہمیشہ کوشش رہے گی رابطہ قائم رہے۔

میں ناچیز..... معظم جیسے عظیم انسان کی جگہ تو نہیں لے سکتا۔

مگر مجھے ہمیشہ خط لکھتے رہیں۔

آپ کی عظمت کو سلام کے ساتھ!"

The body of 'HERO OF HAWI' was to be brought down from the post. As per standing operation procedures no party can move between Tabish and lal base during moonlit nights. The moonlight was not giving us enough time to move the party. The dedicated jawans of HAWI volunteered themselves for bringing the body of shaheed down, thus endangering their own lives. This is the biggest tribute they could pay.

While writing my memoirs I can feel him sitting besides me and saying;

'HEROS DIE YOUN'.

Therefore we had to rely upon wireless. On May 15, being out of line communication, Tabish did not contribute to fire exchange. It was only possible with coded wireless communication. Captain Moazzam Ali Baloch could not resist himself by keeping him away from the activity. Everyone at Tabish was under cover. Once he saw enemy getting close to our location he decided to make his enemy realize of his presence, moved out of shelter. He wanted to observe the enemy and direct his own artillery fire onto them. In the process he went into the sentry post. The enemy present at a new site waiting for a target, saw him. The moment he entered the sentry post, enemy fired their weapon and achieved a direct, accurate first round hit due to which Captain Moazzam Ali Baloch present inside got severely wounded and embraced shahadat at the spot. Enemy did fire more rounds from the same spot but they were never near the post. We engaged the site effectively and forced them to leave it immediately.

The great loss and damage has been done.

The pride of 'HAWI' and a great soldier has embraced SHAHADAT.

His desire to leave this world with pride and dignity is fulfilled.

May Allah rest his soul in eternal peace.

His Shahadat was a great loss and set back to the unit.

having the maximum. It was not humanly possible to move to Tabish observation post. Captain Moazzam Ali Baloch, the great son of soil, showed marvelous courage, not only moved to observation post but remained there throughout the day and exposed himself to hostile environments for over 12 hours. He engaged enemy gun position and posts very accurately and inflicted losses upon them. He was throughout cautioned by me, not to expose himself and remain under lover. Though he told me, there that he was under protection but later on I came to know about various facts. He was very daring and the main inspiration was to earn good name for his nation, profession, unit and family.

On May 15, probably due to losses incurred by enemy because of Tabish, they made up their mind to do something about it. They were convinced that without prior sorting of Tabish they could not achieve much in my sector. They made a plan and sited a weapon at a point higher than Tabish and penetrated into our defenses from where they could overlook the post and Tabish was absolutely exposed, naked and unalterable. The route to the site was not visible from any of our positions therefore they moved with the plan and were effective at the site. They never fired the weapon and kept waiting for target. The fire started at about 1100 hours the same day. It was fire from all weapons in all direction. Both the sides were determined and delivering their best. Due to enemy fire the telephone line between Tabish and its base got broken.

a retrospective view of this stay I termed it as most pleasant. Moazzam Ali Baloch was very religious minded person. He always offered prayers regularly and did recite Holy Quran. He was very polite and considerate person. He performed his duties as sector adjutant very efficiently and relieved me from lot many worries.

While living together, Moazzam Ali Bloch gave a statement regarding 'SHAHADAT'. He said to me.

"Sir, I know I will not live long. I pray, God bless me with death of honour and dignity (Shahadat) instead of a road accident".

On several occasions, the officer had praised the shahadat. I always found him in high spirits and morale. During his last days of tenure at Sector Headquarters, he usually talked of Shahadat in one way or other. I tried to convince the officer regarding true spirit of Shahadat and he left for Tabish on April 28, 1995 with apparently high morale and deeply with lot of convictions.

He reached the post and displayed a high sense of responsibility more than his reputation. Probably he could see his shahadat. In first week of May he conducted artillery shoot at various enemy posts ver effectively. On May 14, 1995 a day before his shahadat, there was a heavy exchange of artillery fire. We and our adversaries were busy in engaging each other. During this, Tabish was

surrendered against my opinion and moved the officer to Sarwar post after prior permission from the Battalion Headquarters. There also the officer displayed marvelous sense of duty and came down after about 20 days and proceeded for leave to attend the marriage. This was his first tenure with me.

We were again together for second tenure in March, 95. This time he was before me in the sector as post commander, Sarwar post. He carried out routine duties very rigorously. He always felt pride being at the post. He was very considerate and had a very positive and caring attitude towards his subordinates. His tenure at Sarwar post ended during first week of April, 95. On completion of his tenure, I passed him the orders to get down in first opportunity and that his relief was waiting at the Base camp. Suddenly the weather got bad for on week. It was never so bad that a party might not be able to move. There was a slide area in between him and his relief. He requested me not to move the party till the weather was not absolutely clear. We triggered the slides enroute and there after he was relieved. He overstayed for almost 10 days and he was very happy for not putting any life in danger.

After completing his tenure at post he joined me at Sector Headquarters as my adjutant. Before this we had never lived together in the same igloo. This gave us a better opportunity to come close to each other. Once I had

post with lot of responsibility, motivation and proved to be a very fine officer to me. He convinced me of his capabilities and I also stated praising to officer.

He was always talked of justice, equality and equal sharing of hardships/responsibilities. Before him, almost all of officers of my unit had moved to Sarwar post after completing their tenure at Tabish. It was just a coincidence that the marriage of his sister was falling within one month. I got permission from my commanding officer to send him down so that he could attend the marriage of his sister after having same rest at Battalion Headquarters. The second consideration was to acknowledge his hard work and period spent by him with dedication at Tabish. In my personal opinion the officer had exerted too much there. So, he genuinely needed a break for rest. The favour was not liked by the officer being against his principle of equality and equal sharing. He made me a very forceful request to move him to Sarwar post and that I should not worry about his sister's marriage. He was of the opinion that he should be treated on equal footing like other officers. His duty came first and then came anything else. He showed sense of comradeship and esparto-de-corps by further adding to his logic that the officer up at Sarwar had also completed his tenure in the sector. He came before me so he should be relieved before and Moazzam must be given the opportunity to go to Sarwar. I feel, this was a very tough decision for me and for the officer. Anyhow, I

HEROS DIE YOUNG

MAJ. QAISAR SHEHZAD, COY. COMMANDER

Moazzam Ali Baloch was an officer with lot of potentials and exemplary character/leadership traits. He was a personality to be admired and a best example to follow for his juniors. He was very keen and professionally sound officer. His application to practical tasks had always been very tremendous. He had a very broad vision and was blessed with superb imagination. His boldness was unquestionable. He was indeed a personality who was an asset for his nation and army.

The officer had spent two tenures with me as post commander. In that he had been twice post commander Sarwar and Tabish posts and once he has served as sector adjutant with me. This exposure was enough to assess and remark on officer. In totality, I can say he was one of the best officers whom I have met in my life.

We were serving together in the same unit since April, 1993. I have always found offices, junior commissioned officers and other ranks of my unit talking high of this officer. The polished and hidden qualities of the officer were exposed to me in November, 94 when he joined me in the sector. The coming days were going to be the toughest of our Siachin tenure, 'THE WINTERS! He was moving for Tabish post. He completed his tenure at

منزل مراد پاکستان

اسلام کا قلعہ　　　　انسانیت کا پاسباں

پاکستان　　(قائداعظم)　　پاکستان

اسلام کی تجربہ گاہ　　　　غیرت کا جہاں

پاکستان　　(قائداعظم)　　پاکستان

انصاف کی تدبیر　　　　علم وفن کا چڑھتا سورج

پاکستان　　　　پاکستان

عدل کی تعبیر　　　　تحقیق کا بہتا دریا

پاکستان　　　　پاکستان

ہر ظلم سے پناہ　　　　ہر موسم میں بہار بے خزاں

پاکستان　　　　پاکستان

ہر خوف سے اماں　　　　سرزمین تاریخ کا گلاب

پاکستان　　　　پاکستان

عزم ویقیں کی داستاں　　　　عالم میں انتخاب

پاکستان　　　　پاکستان

(سعید راشد)